کیا ہم اللہ کا ادب کرتے ہیں.....؟

آدابِ الٰہی اور انکے تقاضوں پر مشتمل شاندار خطبات کا مجموعہ

فضیلۃ الشیخ عبدالمنان راسخ

کیا ہم اللہ کا ادب کرتے ہیں....؟

آدابِ الٰہی اور انکے تقاضوں پر مشتمل شاندار خطبات کا مجموعہ

مِعراجُ الخطیب

فضیلۃ الشیخ عبد المنان راسخ

مکتبہ اسلامیہ

کتاب

مِعراجُ الخطیب

تالیف

فضیلۃ الشیخ عبدالمنان راسخ

ناشر ---------------- محمد سرور عاصم

اشاعت ---------------- 2016ء

ملنے کا پتا

مکتبہ اسلامیہ

لاہور: ہادیہ حلیمہ سینٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
042-37244973 - 37232369

فیصل آباد: بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد
041-2631204 - 2641204

0300-8661763 ، 0321-8661763
www.facebook.com/maktabaislamia1
maktabaislamiapk@gmail.com
www.maktabaislamiapk.com
www.maktabaislamiapk.blogspot.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا ط

فہرست

آدابِ الٰہی

آدابِ الٰہی کا پہلا تقاضا

آدابِ الٰہی کا دوسرا تقاضا

آدابِ الٰہی کا تیسرا تقاضا 127

آدابِ الٰہی کا چوتھا تقاضا

آدابِ الٰہی کا پانچواں تقاضا

آدابِ الٰہی کا چھٹا تقاضا

آدابِ الٰہی کا ساتواں تقاضا

آدابِ الٰہی کا آٹھواں تقاضا

آدابِ الٰہی کا نواں تقاضا

آدابِ الٰہی کا دسواں تقاضا

جعلی ادب

اُصولِ ادب

ایک مہربان کے قلم سے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِیْ کِتَابِہِ الْمُحْکَمِ الْمُبِیْن

﴿ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴾ [1]

''نہیں انھوں نے قدر کی اللہ تعالیٰ کی جس طرح اس کی قدر کا حق تھا، بلاشبہ اللہ البتہ قوی، غالب ہے۔''

اسلام فوز وفلاح کا ضامن واحد آفاقی پیغام اور حق وانصاف پر مبنی ایسا عالمگیر نظام ہے جو کسی تفریق وتحدید کے بغیر اقوام عالم کے لیے قیامت تک منبع رشد وہدایت رہے گا۔ یہ صرف اعتقادات وایمانیات پر مشتمل ایک مذہب ہی نہیں بلکہ فطری اصولوں پر مبنی ایک جامع دین اور زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ایک مکمل نظام حیات بھی ہے۔ اسلام کا مقصد زمین کو محض عباداتِ الٰہیہ سے معمور کرنا ہی نہیں، بلکہ ایسے مخلص باصلاحیت وباکردار افراد تیار کرنا بھی ہے جو عالمگیر اسلامی انقلاب کے ذریعے پوری دنیا کو حق وعدل اور امن وسلامتی کا گہوارہ بنا کر خلافتِ ارضی کے جلیل القدر منصب کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں۔

ان باصلاحیت وباکردار افراد میں ہر کام کا ملکہ بھی تھا کہ منبر ومحراب اور قلم وقرطاس میں کوئی فاصلہ نہیں تھا، اہل منبر اہل قلم بھی ہوتے تھے۔ زمانہ قریب میں

---

[1] الحج: 74

علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمۃ اللہ علیہ تھے کہ منبر و محراب بھی ان کی بدولت نمایاں تھے۔ اقلیم قلم کے بھی...... مشہور تھے، تحریر و تقریر کے میدان میں دور دور تک ان کا کوئی ہمسر دکھائی نہیں دیتا۔ زمانہ بعید میں پروفیسر سید ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ تھے کہ اللہ پاک نے بے شمار محاسن سے ان کو نوازا تھا، کیونکہ انسان کی ظاہری شناخت اس کے چہرے سے اور باطنی شناخت اس کے علم اور تقویٰ سے ہوتی ہے اور یہ دونوں شناختیں حسن بھی ہیں اور قابل تحسین بھی۔ چہرے تو تمام کے تمام اللہ نے بنائے ہیں گورے بھی کالے بھی، عربی بھی، عجمی بھی، چائنی بھی اور پاکستانی بھی۔ اس افراتفری کے دور میں بعض چہروں پر راحت و ملاحت کی چادر تنی ہوتی ہے کہ بہت سے بے سکون قلب اور معصیت آلود چہرے ہمیشہ کے لیے ان کے گرویدہ ہو جاتے ہیں کچھ ایسی ہی صورت سید ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔

دعوت و تبلیغ کے ماہ نور کا عکس، جھلکاتی ہوئی روشن اور کشادہ پیشانی، تبسم لب، مسکراتی ہوئی آنکھوں سے سجا ہوا چہرہ، درمیانہ قد ان کے چہرے کو دیکھو تو ''المصباح فی زجاجۃ'' کی تفسیر سمجھنے میں آسانی ہو جاتی۔ جبہ و قبہ سے بے نیاز لباس التقویٰ میں ملبوس جس میں اخلاق و بیان کی فراوانی تواضع و انکساری اس کی گفتگو میں لطافت، تجزیے میں ذہانت، بات چیت میں متانت، محبتوں کا سفیر لفظ و حرف اس کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑے نظر آتے، قرآن پڑھتا ہے تو اللہ کی رحمت قلوب پر برستی ہے اور آنکھوں کو نم کر جاتی ہے۔

زمانۂ حال میں مولانا عبدالمنان راسخ حفظہ اللہ جو **مرکز السدیس للتعلیم والتربیۃ** کے مدیر ہیں ان کے والد محترم حضرت مولانا عبدالرحمٰن راسخ حفظہ اللہ جو فیصل آباد

میں ایک عرصہ تک خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے وہ بیک وقت خطیب بھی تھے طبیب بھی تھے اور ادیب بھی۔ راقم الحروف کا شمار بھی ان کے قریبی رفقاء میں ہوتا تھا وہ اپنے فن کے بے تاج بادشاہ تھے اخلاق وکردار میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ غالباً 1992ء ذوالحجہ کے مہینے میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ راقم الحروف ان دنوں فریضہ حج کے سلسلے میں مکہ مکرمہ میں تھا بیت اللہ میں ان کی وفات کی اطلاع ملی ان کی وفات کا ایسا رنج ہوا جیسا کہ حقیقی بھائی اللہ کو پیارا ہوا ہے۔ اللہ ان کی حسنات کو قبول فرمائے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ آمین!

1979ء میں ان کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی اللہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے بیٹے کا نام عبدالمنان رکھ دیا۔ رفقاء کے ساتھ میں بھی مبارک دینے کے لیے رضا آباد پہنچا بعض دوسرے دوست بھی گئے ہوئے تھے میں نے مبارکباد دی، تو فرمانے لگے: اللہ پاک سے دعا کریں خدا اس بیٹے کو دین کے لیے قبول کرے میں نے آج سے ہی اس کو اللہ کے دین کے لیے وقف کردیا ہے۔ انما الاعمال بالنیات

کس کو علم تھا کہ یہ بیٹا عبدالمنان کل کو دین کا مقرر، مدرس، اور اچھا مصنف بھی ہوگا۔ ذلك فضل الله يوتيه من يشاء ۔ مولانا عبدالرحمن راسخ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد جب بیٹا عبدالمنان بچپن گزار کر جوانی کی دہلیز میں داخل ہوا، تو صادق آباد کے مشہور دینی ادارے جامعہ اسلامیہ میں اس کو داخل کرادیا گیا حافظ ثناء اللہ زاہدی صاحب اور مولانا مظفر شیرازی صاحب نے خصوصی دلچسپی لے کر اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا۔ دینی تعلیم مکمل کر کے عبدالمنان بن مولانا عبدالرحمن راسخ، ایک عالم دین کی حیثیت سے فیصل آباد تشریف لائے اور مختلف دوستوں سے

مشورے شروع کر دیے کہ دین کا کام کس منہج پر کیا جائے۔ راقم الحروف سے بھی مشورہ کیا میں نے ان کو مشورہ دیا کہ دین کا کام کرنے کے لیے تین میدان ہیں۔ تدریس، تحریر اور تقریر۔ ان تینوں میں سے ایک میں کامیاب ہونا ضروری ہے اور مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ 24 سال کا نوجوان تینوں میدانوں میں بیک وقت کام کرے گا اور ہر میدان میں اپنا لوہا منوائے گا کیونکہ میں نے معاشرے میں دیکھا کوئی عالم دین صرف خطیب ہے اور کوئی مدرس، اور کوئی مصنف ہے۔ لیکن مولانا عبدالمنان راسخ بیک وقت مصنف بھی، خطیب بھی، ادیب بھی اور کلیہ دار القرآن والحدیث جناح کالونی میں استاذ الحدیث بھی ہیں۔ جب میں ان کو بطور خطیب دیکھتا ہوں تو کمال آباد کی جامع مسجد کے نمازی اور ارد گرد کے لوگوں کا ایک جم غفیر، لوگوں کی محبت اور ان کا شوق، 5 سال خطابت میں انہوں نے وہ مقام حاصل کیا جو کہ بیس بیس سال سے خطابت کرنے والوں کو نہ مل سکا۔ اور میں جب ان کو بطور مدرس دیکھتا ہوں تو چار سال کی تدریس کی محنت کا نتیجہ کہ وہ ایک بڑے دینی ادارے مرکز السدیس کے مدیر بھی اور پورے مرکز کی نگرانی ہی نہیں بلکہ مدرسین کی اصلاح بھی کرتے ہیں۔ ممدوح کا تدریس کی خامیوں، خوبیوں پر ہمہ وقت نظر رکھنا بیدار مغز اور باصلاحیت ہونے کی روشن دلیل ہے۔

اور جب میں ان کو بطور مصنف دیکھتا ہوں تو چار سالوں میں کتابیں لکھ کر اصلاح معاشرہ کی اہم کمی کو پورا کیا۔ زمانہ ء حال میں کوئی نوعمر مصنف نظر میں نہیں آتا کہ جس نے اتنے مختصر عرصے میں مختلف موضوعات پر کئی کتابیں لکھی ہوں اور پھر ہر کتاب ایک موضوع پر ہے موضوع بھی وہ ہے جن کی فی زمانہ بہت زیادہ ضرورت

بھی ہے اور کسی مصنف نے اس پر آج تک کوئی کتاب نہیں لکھی، مثال کے طور پر ''گھر برباد کیوں ہوتے ہیں، فلیس منا، گالی حرام ہے، آیئے زندگی کو مبارک بنائیں، نرمی، آپ پر سلامتی، شان حسن وحسین'' اور آپ کی عربی میں دو کتابیں عالمی ادارے دار ابن حزم بیروت ـــ لبنان نے بھی شائع کی ہیں جو کہ اعزاز کی بات ہے۔

اگر میں ہر کتاب کی ضرورت اور اس کی اہمیت کا تذکرہ کروں تو بات طویل ہو جائے گی۔ 9 مارچ 2008 کو میں مولانا کی ملاقات کے لیے ان کے مرکز میں حاضر ہوا کیونکہ مولانا عبدالمنان راسخ کا جس قدر علم اور مطالعہ وسیع ہے اتنا ہی ان کا ظرف بھی وسیع ہے، وہ نہایت خلیق، ملنسار، مہمان نواز اور عجز وانکساری کا پیکر بلکہ جب کوئی مہمان آجاتا ہے ان کو اتنی خوشی ہوتی ہے جس کو احاطہ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا۔ مولانا کے ساتھ ایک گھنٹہ کی ملاقات میں مختلف موضوع زیر بحث آئے کافی علمی گفتگو بھی ہوئی ان کی مختلف موضوعات پر چھپنے والی کتابیں بھی زیر بحث آئیں۔ سرِ راہ میں نے سید ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ کی ایک تقریر کا تذکرہ کیا جو انہوں نے 1972ء میں جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن کی سالانہ کانفرنس پر کی تھی موضوع تھا'' اِلٰهِی اَنتَ مَقْصُوْدِیْ وَرِضَائُكَ مَطْلُوْبِیْ'' اس ضمن میں انہوں نے زور دے کر سامعین کو یہ بات سمجھائی کہ لوگو! اللہ کی پہچان کر لو اس کو پہچان کر اس کا ادب کرو۔ شریعت کی بنیاد اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہچان اور اس کے ادب پر ہے، کیونکہ (ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں) میں نے مولانا عبدالمنان راسخ صاحب سے عرض کی کہ حضرت! ادب اللہ پر آج تک کسی نے قلم نہیں اٹھایا ادب خدا اور اس کے تقاضے، اس پر آپ کوئی تحریری کام کریں تو یہ امت پر آپ کا احسان

عظیم ہوگا اور اللہ کی بارگاہ میں آپ کی بخشش کا ذریعہ ہوگا۔ فرمانے لگے: تو پھر آپ دعا کریں اللہ ہمت عطا فرمائے۔

دوبارہ ان کی ملاقات کے لیے 27 اپریل 2008 کو میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھے کتاب دکھائی ''ادبِ الٰہ اور اس کے تقاضے'' میں نے کتاب کو دیکھا تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی مجھے اتنی خوشی ہوئی جس کو میں بیان نہیں کر سکتا۔ کچھ دیر بعد میں نے کتاب کو پڑھا اور غور کیا مولانا نے بڑی محنت سے کتاب لکھی ہے بے شمار قرآنی آیات، منتخب اور صحیح احادیث تخریج کے ساتھ، کتاب کا ہر واقعہ مستند، ہر نکتہ عجیب و غریب، ہر سطر دلفریب یہ کتاب اللہ تعالیٰ اور اس کے ادب کو سمجھنے کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے، بلکہ مولانا عبدالمنان راسخ صاحب نے آدابِ الٰہ کو فن خطابت سے آراستہ کر کے دریا کو کوزے میں بند کر دیا۔

علماء، فضلاء اور خطباء کے لیے یہ کتاب ایک قیمتی سرمایہ ہے جس کا مطالعہ مردہ دلوں میں نور ایمان بھر دے گا اور جس کا ہر ہر حرف ادبِ الٰہ میں غوطہ زن ہے۔ شبنم کی سی ٹھنڈک، پھولوں کی مہک جس کا زیور ہے۔ سوز و ساز میں ڈوبی ہوئی آواز جس کے موتی ہیں۔ اذہان کی پاکیزگی، روح کی سرشاری، عمل کی بیداری جس کا حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قابلِ قدر کاوش کو ہم سب کے لیے باعث ہدایت بنائے اور مولانا راسخ کو مزید خدمت دین کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین!

كتبت هذه السطور بصدق قلبي

حافظ اکبر جاوید ☆

☆ خطیب اعظم منصور آباد، مبلغ اسلام، صاحب علم و فضل، ناظم تبلیغ مرکزیہ فیصل آباد ☆

گزارشاتِ راسخ

اِن الحمدللہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ
وعلی آلہ وصحبہ ومن تبعہ الی یوم الدین

امابعد......! اللہ تبارک وتعالیٰ جس بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا کر دیتے ہیں۔ سب سے پہلے اس خالق ومالک کا زبان اور دل وجان سے اس کی شان کے مطابق شکر کہ اس نے ہمیں اپنے محبوب دین کی سمجھ عطا فرمائی۔

وہ آقا ومولا اس میں مزید برکت فرماتے ہوئے اس پر عمل کرنے کی توفیق دے اور ساری زندگی دین اسلام کی تبلیغ وترویج اور اشاعت کے لیے قبول فرمائے۔ رحم اللہ من قال آمین

ہمیں حد درجہ خوشی ہے کہ ہم نے اس کتاب کے ذریعے لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف بلانے اور اس کی عظمت وجلالت کے شایانِ شان اعتقاد وآداب اپنانے کی تلقین کی۔

سیدنا حضرت محمد ﷺ کا بھی یہی راستہ تھا کہ آپ لوگوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف بلاتے اور اس کے شہنشاہی آداب بجالانے کی تلقین فرماتے ہیں:

﴿ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ﴾ [1]

---

[1] یوسف:108

”میرا یہی راستہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔“

آج بالخصوص مسلم معاشرہ کی آوارگی، بے راہ روی اور بغاوت کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں۔ ان حالات میں صرف یہی ضرورت ہے کہ اپنوں کو خالقِ حقیقی اور مالک ارض وسماء کے احسانات سے آگاہ کیا جائے ...... اس کی نوازشات ...... اس کے انعامات وکمالات یاد دلائے جائیں اور اس عظیم ذات کے عالی آداب سے روشناس کرایا جائے۔ تاکہ وہ ایسے سلیم الفطرت جمیل العادت باادب مسلمان بنیں کہ جو غیر ان کے قریب آئے وہ ان کے سچے الٰہ کو مانے بغیر نہ رہ سکے اور جب تک اہل اسلام کا یہی انداز رہا، اسلام غالب رہا، مسلمان عزت کی نظر سے دیکھے گئے جب مسلم حکمران، وزراء، امراء اور رعایا مصلّوں پہ کھڑے ہو کر خالق و مالک کے شاہی آداب بجالاتے تو کفر کے دلوں میں ایک رعب طاری رہتا اور کئی غیر مسلم مسلمانوں کا اپنے الٰہ سے سچا پیار دیکھ کر مسلمان ہو جاتے۔

لیکن یاد رہے ......! جب سے مسلمانوں میں یہ کمی واقع ہوئی، یا جب بھی مسلمان اس کوتاہی کا شکار ہوئے کہ ان کا تعلق اللہ سے مضبوط نہ رہا، بلکہ وہ دنیا کی رنگ رلیوں میں کھو کر یادِ الٰہی سے غافل ہو گئے، اسی وقت وہ اسلام کی برکتوں ہی سے محروم نہیں ہوئے بلکہ وہ اسلام کے غلبے میں بھی بہت بڑی رکاوٹ بن گئے۔ آج لوگ دنیا کے اقتدار کی تو بہت فکر کرتے ہیں مگر ذاتِ الٰہ کی فکر سے غافل ہیں، اپنے آداب کے لیے ہزاروں جتن ہوتے ہیں مگر شہنشاہ کائنات کے آداب کو بروئے کار لانے کے لیے حد درجہ غفلت کی جاتی ہے۔ اور تاریخ اس بات پر بھی شاہد ہے کہ جب خودی کو خالق کے آداب پر مقدم کر دیا جائے تو تباہی و بربادی کے سیلاب سے بچنا

مشکل ہی نہیں بسا اوقات ناممکن ہو جاتا ہے بعینہ یہی کیفیت آج امت مسلمہ کی ہے۔

ادب کیا ہے......؟ اہمیت اور مطلب

''ادب'' ہر کام کے حسن کا نام ہے اور ادیبانہ اسلوب میں جو الفاظ نکلیں وہ جادو سے زیادہ اثر رکھتے ہیں

کیونکہ ''ادب'' ایک روشنی ہے جس سے زندگی کی تاریکیاں ختم ہوتی ہیں،

''ادب'' ایک آلہء اصلاح ہے جس سے زندگی کی نوک پلک سنورتی ہے۔ ادب ایک دوا ہے جس سے مزاج کے ٹیڑھے پن کا مکمل خاتمہ ہوتا ہے،

''ادب'' ایک جوہر ہے جس سے شخصیت میں پختگی آتی ہے،

''ادب'' ایک پھول ہے جس کی خوشبو سے صلاحیتوں میں نکھار آتا ہے

اور ''ادب'' ایک ایسا آبِ حیات ہے کہ جو جی بھر کر پی لے وہ زندگی کا سفر کامیابی سے طے کرتے ہوئے پیاس محسوس نہیں کرتا، بلکہ تر و تازہ چہرہ لے کر اپنے خالق و مالک کے حضور پیش ہو جاتا ہے۔ دنیا میں خوبیوں کے ہجوم میں ہمیشہ ادب ہی کو نمایاں مقام ملتا ہے اس کی اہمیت، قدر و قیمت اور لطافت بیان کرنے کے لیے فانی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

رونے کے بھی آداب ہوا کرتے ہیں اے فانی!
یہ ان کی گلی ہے، ترا غم خانہ نہیں ہے

قارئین کرام......!

عالی دربار میں بغیر آداب کے رونا فضول ہے تو پھر شہنشاہ کائنات کے

سامنے آداب کا خیال رکھنا کس قدر ضروری ہے......؟ آپ بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں بحیثیت انسان آپ یوں سمجھیں کہ انسانیت کا دوسرا نام ادب ہے۔ اور ادب کا دوسرا نام انسانیت ہے یعنی جو باادب ہے وہ انسان ہے اور جو بے ادب ہے وہ انسانی شکل میں بدترین حیوان ہے۔ ہمارا پیارا سارے کا سارا دین اسلام ادب ہے۔ جیسا کہ اہل علم نے کہا ہے اَلدِّيْنُ كُلُّه اَدَب ''دین سارے کا سارا ادب ہے۔'' یعنی دین ہی ہمیں آداب سکھلاتا ہے اور دین ہی ہر چیز کا رکھ رکھاؤ، لحاظ اور مقام بیان کرتا ہے۔ دین ہی ہمیں ایسے سنہرے اصول بتلاتا ہے جس سے زندگی میں روشنی پھیلتی ہے اور پیارے دین نے ہی ہمیں دلوں کو موہ لینے والی سلیقہ شعاری سکھلائی۔ اور اسی طرح عربی کا مقولہ ہے: لَا مِيْرَاثَ كَالْاَدَبِ ''ادب جیسا ورثہ کوئی نہیں'' یعنی سب سے قیمتی اور اہم مال ادب ہے۔ جسے یہ ورثہ نصیب ہو وہی حقیقی مالدار اور معزز ہے اور بعض نے اسے ڈھال قرار دیا ہے کہ اَلْأَدَبُ جُنَّةٌ لِلنَّاسِ ''ادب لوگوں کے لیے ڈھال ہے۔''

جو لوگوں کو ہر قسم کی تکلیف، ذلت اور شرمندگی سے بچاتی ہے۔ چونکہ ہماری کتاب کا موضوع ''ادبِ الٰہ'' ہے اس لیے ہم ادب الٰہ کا مفہوم تحریر کرتے ہیں۔

''ادبِ الٰہ'' کا معنی کچھ یوں ہے کہ اپنے خالق و مالک کی خوشنودی ورضا جوئی کے لیے دین کے مطابق ایسا اعلیٰ سلیقہ، عمدہ طریقہ اور اچھا انداز اپنانا جو قابلِ تحسین اور باعثِ تعریف ہو۔ جس سے واضح معلوم ہو کہ بندہ اپنے الٰہ کو صرف مانتا ہی نہیں، بلکہ اس کے دربار کے آداب سے بھی بخوبی آگاہ ہے سادہ لفظوں میں

ادبِ الٰہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی و بڑائی کو مان کر اس کے سامنے بے بسی، بے حیثیتی، عاجزی وانکساری اور تذلل کا ہر ایک تقاضا اس انداز سے پورا کرنا کہ جس میں عمدگی، نفاست اور اعلیٰ تہذیب نظر آئے اور کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جو شہنشاہ کائنات کی عزت، عظمت، بزرگی اور شان کے خلاف ہو۔ غرض کہ اپنے الٰہ کی شایانِ شان معاملہ کرنا ادب ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ادبِ الٰہ کے حددرجہ شناسا تھے

اللہ تبارک وتعالیٰ کے اشاروں پر دل کی خوشی سے قربان ہونا اس کے ادب کی معراج ہے ہمارے پیرومرشد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری زندگی ادبِ الٰہی کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے بسر کی۔ کبھی بھی حکم الٰہی سے پہلوتہی کا سوچا تک نہ تھا بلکہ ساری زندگی عظمت الٰہی منوانے کے لیے قربان کردی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قدم قدم پر ادبِ الٰہ کی ایسی عظیم مثالیں پیش فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس صفت کو قرآن مجید میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ [1]

(مفہوم) ''آپ اچھے آداب کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں''

معراج کے موقعہ پر بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آدابِ الٰہی کا پورا خیال رکھا۔ وجود تو درکنار اپنی نگاہ تک کو، وہیں مرکوز رکھا جہاں تک اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس کمالِ ادب کا ذکر کرتے ہوئے،

---

[1] القلم: 4

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴾[1]

''نہ نگاہ ادھر اُدھر ہوئی اور نہ حد سے بڑھی۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے تلمیذ خاص علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وَهٰذَا كَمَالُ الْأَدَبِ ''یہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ادب کا کمال ہے'' کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذرہ برابر کمی بیشی نہیں کی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی حدوں کی پاسداری کرتے ہوئے کامل ادب کا خیال رکھا۔

اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ادب الٰہی میں درجہ کمال اس لیے بھی حاصل تھا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام آداب اللہ تعالیٰ نے خود سکھلائے جس طرح کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے: اَدَّبَنِيْ رَبِّيْ فَاَحْسَنَ تَأْدِيْبِيْ ''میرے رب نے مجھے ادب سکھلایا اور بہترین ادب سکھلایا۔''

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعظیم، احترام اور ادب میں کس قدر عالی مقام پایا اس کی مکمل جھلک آپ کو اس کتاب میں نظر آئے گی اور الحمد للہ اس کتاب میں ادبِ الٰہی کے 10 تقاضے بڑے اختصار اور جامعیت سے بیان کیے گئے ہیں جن کو پورا کرنے سے بندہ اپنے خالق ومالک کا باادب بن جاتا ہے اور ان سے انحراف کرنے والا ادب کی دولت سے محروم اور ناکام رہتا ہے۔

اس موضوع کی مکمل تفصیل کتاب میں آئے گی مگر بے ادبی کے دو نمونے

[1] النجم: 17

گزارشاتِ راسخ میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔

1 غیروں کو داتا کہنا

اولیاء کرام اور بزرگان دین کا احترام کرنا حد درجہ ضروری ہے، بلکہ ہمارے ہاں تو اولیاء اللہ کی توہین کرنا اللہ تعالیٰ کی بے ادبی کرنے کے مترادف ہے۔ لیکن احترام اولیاء کا وہی مقام ہوگا جس سے قرآن وحدیث نے ان کو نوازا ہے۔ اولیائے کرام میں خدائی صفات ثابت کرنا یا انکے مقام کو انبیاء ورسل علیہم السلام سے بھی بڑھا دینا بلاشبہ غلو ہے اور جو القابات واعزازات اور الفاظ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہوں وہ غیروں پر بولنا سراسر اللہ اور اس کے رسول کی بے ادبی وتوہین ہے۔

مثال کے طور پر قرآن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو "رحمۃ للعالمین" کہا، "سراج منیر" کہا، اب یہ الفاظ کسی ولی، بزرگ یا پیر صاحب کے لیے بولنا، کہ فلاں صاحب رحمۃ للعالمین ہیں یا فلاں صاحب سراج منیر ہیں تو یقینا یہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین ہے اور کوئی بھی زندہ ضمیر سمجھدار عاشق رسول اس بے ادبی کو پسند نہیں کرے گا۔

لیکن جب یہی بے ادبی وتوہین سچے خالق ومالک رب رحمن کی ہوتی ہے تو کوئی توجہ ہی نہیں کرتا، اس بے ادبی سے باز ہی نہیں آتا۔ اب "غوث اعظم" کا معنی ہے سب سے بڑا مددگار صرف اور صرف اللہ ہے لیکن غوث اعظم سرعام غیر اللہ کو کہا اور لکھا جاتا ہے۔ اور عجیب دکھ کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غوث ہے اور پیر عبدالقادر

جیلانی رحمۃ اللہ علیہ غوثِ اعظم ہیں...... اناللہ وانا الیہ راجعون۔

امام عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بلا شبہ بغداد کے عظیم ولی اور محدث تھے، لیکن ان کی محبّت میں اس قدر زیادہ غلو کسی صورت بھی ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے۔ اسی طرح ''داتا'' کا معنی ہے رزق دینے والا اور ہر شخص یہ جانتا ہے کہ رزق دینے والی ذات صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے۔ لیکن ہمارے ہاں حضرت علی ہجویری کو داتا کہا جاتا ہے۔ اسی طرح گنج بخش کا معنی ہے خزانے دینے والا، ہر چھوٹے بڑے کو خزانے دینے والا اور دیگر لینے والا اللہ ہی ہے لیکن ہمارے ملک میں اولیاء کو گنج بخش اور نہ جانے کیا کیا کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ کے علاوہ دوسروں کو غریب نواز کہنا یا لجپال کہنا بھی کسی طرح درست نہیں۔ ہم ان القابات کو ادبِ الٰہی کے سراسر خلاف سمجھتے ہیں۔

برائے کرم......!

ایسے الفاظ اللہ کے سوا انبیاء علیہم السلام یا اولیاء رحمۃ اللہ علیہم پر بولنے سے حد درجہ گریز کریں یہی وجہ ہے کہ ''آل رسول، اہل بیت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین'' سے لے کر ائمہ اربعہ تک اور کسی دوسرے ثقہ امام نے یہ الفاظ اللہ کے سوا دوسروں کے لیے استعمال نہیں کیے اور انھی کی راہ میں ہدایت اور عافیت ہے۔ اللہ ہمیں بھی سمجھ نصیب فرمائے۔

2 گلے شکووں کی بوچھاڑ

اکثر بندے اپنی بغل میں گلے شکووں کے پلندے لیے پھرتے ہیں، بس کسی سے پوچھ لو جناب کیا حالات ہیں......؟ وہ صاحب گلے شکووں کی (Detail)

''تفصیل'' آپ کے سامنے بیان فرمائیں گے یا اگر زبان سے ہمت کر کے الحمدللہ کہہ بھی دیں تو لب ولہجہ بول کر بتلاتا ہے کہ دل مطمئن نہیں ہے۔

محترم قارئین......! سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر ربِ کریم کے باادب اور قدر شناس تھے کہ کبھی کسی مسئلہ میں پریشان بھی ہوتے تو پھر بھی یہی کہتے:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ ﴾ [1]

''ہر حال میں اللہ کا شکر''

دل میں گمان رکھنا کہ جس قدر میں نیک ہوں یا باصلاحیت ہوں اس طرح مجھے اللہ کی طرف سے نوازا نہیں جا رہا ہے یا مجھے میرا حق نہیں مل رہا۔ ایسے وسوسات خالصتاً شیطانی ہیں ان کا اظہار کر کے بے ادب نہ بنیں، بلکہ دل وجان سے اپنے رب کی ہر عطا پر خوش رہیں آپ کا نصیب ہی آپ کو ملے گا۔ بیماری، فقر، پریشانی کے باوجود راضی رہ کر درجات حاصل کریں اور بہتری کی دعا کرتے رہیں۔

صاحبِ ذوق عربی شاعر نے کیا خوب کہا!

اِذَا شَكَوْتَ اِلَى ابْنِ آدَمَ اِنَّمَا
تَشْكُوْ الرَّحِيْمَ اِلَى الَّذِيْ لَا يَرْحَمُ

[1] سنن ابن ماجہ: 3803......خوشی کے لمحات اور عام موافق حالات میں صرف ''اَلْحَمْدُلِلّٰهِ'' کہنا چاہیے یا '' اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِيْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ '' اور اگر کوئی پریشانی یا تکلیف لاحق ہو تو پھر اَلْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ کہنا چاہیے۔ بعض احباب عام حالات میں بھی ''اَلْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ'' کہتے ہیں جو کہ سنت کے مطابق نہیں۔ صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا رَاٰى مَا يُحِبُّ قَالَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِيْ بِنِعْمَتِهٖ تُتِمُّ الصَّالِحَاتُ وَاِذَا رَاٰى مَا يَكْرَهُ قَالَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ (اخرجہ ابن ماجہ وحسنہ الامام الالبانی رحمہ اللہ)

”جب تو آدم کے بیٹے کے پاس شکوہ شکایت کرتا ہے (تو ظلم) صرف یہی ہے کہ تو ہمیشہ رحم کرنے والی ذات کی شکایت اسے کرتا ہے جو رحم نہیں کرتا۔“ [1]

اہل توحید متوجہ ہوں

دنیا کی زندگی میں سب سے بڑی نعمت و دولت کا اگر کوئی نام ہے تو وہ بلاشبہ عقیدہ توحید ہے یہی بنیاد ہے اس کے بغیر کچھ نہیں۔ لیکن اہل توحید کا حق بنتا ہے کہ وہ سب سے بڑھ کر رب تعالیٰ کے باادب ہوں ادبِ الٰہی کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے والے ہوں۔

سید ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: موحد ہو کر باادب ہونا بہت بڑی سعادت ہے۔ وگرنہ اکثر موحد، توحید پالینے کی خوشی میں ادب کھو دیتے ہیں۔ حضرت غزنوی صاحب نے ادبِ الٰہی، ذکرِ الٰہی اور شانِ آل رسول کے ضمن میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں اللہ آپ کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین!

یاد رہے......! یہ کتاب ادبی شہ پارہ ہے نہ ہی علم کی معراج، بلکہ دردِ دل، جذبہ اور شوق ہے جو قربتِ الٰہی کے حصول کے لیے، بندگان رحمٰن کو اس کے قریب کرنے کے لیے سپردِ قلم کیا گیا ہے۔ اور مجھے امیدِ راسخ ہے کہ جس ذات کی توفیق سے، اور جس کی خوشی کی تلاش میں ادبِ الٰہی کے انمول موتی جمع کر کے اشرف المخلوقات حضرتِ انسان کے گلے کی مالا بنائے گئے ہیں وہ ضرور ان میں چمک دمک اور

---

[1] الفوائد: 126 ابن قیم رحمہ اللہ۔ ط دار عالم الفوائد

جاذبیت پیدا کرے گا اور ہماری اس کاوش کو حسن قبولیت سے نوازے گا کیونکہ وہ حوصلہ دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا﴾ [1]

اور یہ بات ہمارے لیے باعث سعادت ہے کہ الحمدللہ یہ کتاب غیر ثابت روایات وواقعات سے مکمل پاک ہے گو اس میں خطیبانہ انداز غالب ہے کیونکہ یہ میرے مرکزی مسجد مومن آباد فیصل آباد میں پڑھائے گئے خطبات کا ہی مجموعہ ہے۔

آخر میں اگر اپنے مشفق ومحسن چوہدری مصباح الدین ضیغم بن چوہدری محمد علی صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا نہ کروں تو یقیناً بے انصافی ہوگی۔ آپ علم وفضل اور علم وادب کے عظیم پیکر ہیں اور آپ نے میرے ساتھ علمی وعملی میدان میں بہت محبّت کی۔ مدرسہ سے فراغت کے بعد آپ کی شخصیت میرے لیے روشنی کا مینار ثابت ہوئی، اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کرے اور ہمہ وقت خدمت دین کے لیے قبول فرمائے۔

آمین ثم آمین!

اللہ ہمارا حامی وناصر ہو۔

والسلام مع الاکرام ، اخوکم فی الاسلام

ابوالحسن عبدالمنان راسخ

فیصل آباد۔ پاکستان

0300-6686931

---

[1] الدھر:22

دعائیہ کلمات

استاذ مشفق اور روحانی والد

حافظ ثناء اللہ زاہدی حفظہ اللہ

کے نام جو ممتاز باعمل عالم دین ہی نہیں، روحانی مربی بھی ہیں
آپ کی شفقت ومحبت اور تربیت سے علم وعرفان کی راہیں ہی ہموار
نہیں ہوتیں بلکہ روحانی نور اور ایمانی ذائقہ بھی نصیب ہوتا ہے

(اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وسلامتی، ایمان اور علم وفضل سے مزین عمر نوح عطا فرمائے)

کثر اللہ امثالہ فینا آمین

تلمیذہ

عبدالمنان راسخ

اہم ترین حدیث

﴿ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَلَا يَزْدَادُ النَّاسُ عَلَى الدُّنْيَا اِلَّا حِرْصًا وَلَا يَزْدَادُوْنَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا بُعْدًا ﴾ [1]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت قریب آچکی ہے اور لوگ دنیا ہی کے لالچی بن کر اللہ تعالیٰ سے دور جارہے ہیں۔''

قیامت کے قریب ہونے کی وجہ سے حق تو یہ تھا کہ قربتِ الٰہی کی منزلیں طے کی جاتیں، ہمہ وقت اس کے ادب کا لحاظ کیا جاتا، مگر دنیا کی لالچ نے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیا اور دل آدابِ الٰہی سے خالی کر دیئے، لوگ چند ٹکوں کی خاطر ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں جبکہ یہ دنیا میں بھی خسارے اور ذلت کی بات ہے اور ایسے لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو بھی چہرہ دکھانے کے قابل نہیں ہوں گے ان کے چہرے ذلت سے جھک جائیں گے اور دیدارِ الٰہی سے محروم کر دیئے جائیں گے۔

---

[1] المستدرک علی الصحیحین 461/5 حدیث 7987، سلسلہ احادیث صحیحہ: 1510

خطبائے کرام کی خدمت میں

یہ کتاب آدابِ الٰہی اور اس کے تقاضوں پر مشتمل 10 خطبات کا بہترین مجموعہ ہے اور یہ خطبات ہم نے اللہ کی توفیق سے آج سے تقریباً 12 سال قبل پڑھائے تھے۔ یہ کتاب **''کیا ہم اللہ کا ادب کرتے ہیں؟''** کے نام سے متعدد بار چھپ چکی ہے، لیکن اب ہم نے اس کے ہر مضمون میں مواد اور تحقیق و تعلیق کا اضافہ کیا ہے۔

اب یہ موضوع اور مواد کے لحاظ سے نہایت ہی منفرد اور جامع کتاب بن چکی ہے۔

آپ اپنی مسجد میں تمام مضامین کو ایک ترتیب کے ساتھ بیان کریں اور جس مضمون کو بھی آپ شروع کریں اس پورے مضمون کا بار بار مطالعہ کرنے کے بعد اپنے ذوق کی ترتیب کے مطابق اس کو ڈھال لیں اور **''آدابِ الٰہی کی پہلی درسگاہ''**، **''جعلی ادب''** اور **''آدابِ الٰہی کے سنہرے اصول''** ان تینوں کو بطور تمہیدی گزارشات اور معاون اپنے خطبے میں بیان کرتے رہیں۔ اللہ کی توفیق سے سامعین کے دل جہاں اللہ کی محبّت سے بھر جائیں وہاں ان کے ایمان کو بھی تازگی نصیب ہوگی۔ اس کتاب کے ہر موضوع میں قرآنی آیات، احادیثِ نبویہ صحیحہ، آثارِ صحابہ اور نادر واقعات موجود ہیں اگرچہ یہ خطبات ہمارے عام خطبات کی ترتیب سے قدرے مختلف ہیں۔

آدابِ الٰہی
کی پہلی درس گاہ

بچے کی تربیت میں ماں کا کردار بنیادی حیثیت رکھتا ہے نیک ماؤں کی تربیت اوران کی دعاؤں کے سائے تلے جوان ہونے والے وقت کے امام، فقیہ اورمحدث بنتے ہیں بچے کو بچپن ہی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ادب سکھلانا شروع کرنا چاہیے، عربی کا مقولہ ہے:

الحِفْظُ فی الصِّغْرِ كالنَّقْشِ عَلَى الْحَجَرِ [1]

''چھوٹی عمر میں سمجھی ہوئی بات پتھر پر نقش کرنے کے برابر ہے''

جس طرح پتھر پر نقش کی ہوئی تحریر نہیں مٹتی اسی طرح بچپن میں سنے، سمجھے اور یاد کیے ہوئے کلمات ذہن نشین ہوجاتے ہیں۔

اس لیے گالی، جھوٹ اور فضولیات کی جگہ بچے کو چھوٹے چھوٹے توحیدی کلمات سُبْحَانَ اللهِ ، اَللّٰهُ اَكْبَر ، اَلْحَمْدُلِلّٰه ، ماشاءاللہ وغیرہ باترجمہ یاد کروانے چاہئیں کہ عزت، ذلت، رزق اور موت وحیات کا خالق ومالک اللہ ہی ہے، بس وہی اللہ مقصود زندگی ہے۔ والدین کی گود ادبِ الٰہ سکھلانے کی پہلی یونیورسٹی ہے کئی ماں باپ ہروقت مال ودولت کمانے اور کھانے کی باتیں کرتے ہیں جس کا لازمی اثر یہ مرتب ہوتا ہے کہ بچہ بڑا ہو کر اپنی ساری توجہ دنیا کی طرف مرکوز کرلیتا ہے اور وہ کمانے کھانے کو ہی زندگی سمجھتا ہے اس طرح یادِ الٰہی سے غافل رہ کر اس کی ساری زندگی برباد ہوجاتی ہے، عموماً والدین کہتے ہیں بیٹا کوئی ہنر سیکھ لو، کسی

---

[1] اس جملے کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف درست نہیں، بلکہ اسلاف میں سے کسی کا نفیس قول ہے۔لا تصح نسبته الى رسول الله ﷺ وانما هو من كلام السلف وقال شيخ الاسلام هذا مثل سائرٌ ليس من كلام النبي ﷺ

کام میں مہارت پیدا کرلو وگرنہ ذلیل ہو جاؤ گے، اس میں کوئی شک نہیں اچھا ہنر اور کام سیکھنا چاہیے اور بیٹے کی سوچ بنانی چاہیے لیکن یہ ادب کون سکھائے گا......؟ بیٹا اللہ تبارک وتعالیٰ کی مان کر چلنا، اس کے ہر ادب کا ساری زندگی خیال رکھنا وگرنہ ذلیل ہو جاؤ گے کہیں دنیا میں کھو کر اس کے بے ادب نہ بن جانا۔

آج کا مسلمان سب کچھ جانتا ہے مگر اپنے پیارے خالق ومالک کے متعلق بے خبر ہے دنیا کے رکھ رکھاؤ کا بخوبی علم ہے مگر اللہ سبحانہ کے آداب سے کوئی واقفیت نہیں، اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ شروع سے رب والا ماحول ملتا ہی نہیں۔ چھوٹی عمر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت وجلالت اور کبریائی ذہن میں بٹھانے کی بجائے سارے دماغ کو دنیا سے بھر دیا جاتا ہے اور وہ بے چارہ ساری زندگی، دنیا کی حرص کرتا مر جاتا ہے۔ ماں کی گود، گھر کا ماحول ہی پہلی تربیت گاہ ہے یہاں سے بگڑ جانے والے اکثر سیدھے نہیں ہوتے اس لیے بچے کی تربیت اور اس کو اپنے رب کی پہچان کروانے میں کوئی لمحہ ضائع نہ کریں بلکہ ہر مناسب موقع پر بیٹے کی توجہ رب کی طرف مبذول کریں زندگی خوشیوں سے مالا مال ہوگی۔

روٹی اللہ دیتا ہے

ہمارے شیخ اور روحانی استاذ امام زاہدی حفظہ اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ ایک بچہ سکول سے واپسی پر جب آتا تو کتابیں رکھ کر سب سے پہلے یہی کہتا "امی روٹی دے، امی روٹی دے" والدہ سب کچھ چھوڑ کر بیٹے کو چومتی پیار کرتی اور تر وتازہ روٹی بیٹے کے سامنے رکھ دیتی جب روزانہ بچہ یہی کہتا کہ امی روٹی دے، امی روٹی دے تو ایک دن آدابِ الٰہی سے شناسا ماں کے دل میں خیال آیا کہ اس طرح کہیں بیٹے کا یہ عقیدہ نہ

بن جائے کہ روٹی ماں دیتی ہے! جب کہ روٹی دینے والا تو رب ہی ہے۔ ایک دن والدہ نے بیٹے کو اپنے پاس بٹھایا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا ادب سکھاتے ہوئے کہنے لگی:

''بیٹا روٹی اللہ دیتا ہے اگر وہ ہمیں نہ کھلائے پلائے تو ہم بھوکے مر جائیں اس لیے بیٹا روٹی اللہ ہی سے مانگا کرو۔''

ماں نے بچے کی تربیت اور اس عقیدہ کو مزید ذہن نشین کرانے کے لیے انداز یہ اپنایا کہ روٹی بچے کے آنے سے چند منٹ قبل چھابے کے نیچے رکھ دیتی اور بچہ جب آتا کتابیں رکھ کر کہتا اللہ تبارک وتعالیٰ روٹی دو، پھر چھابا اٹھاتا تو نیچے سے تر و تازہ کھانا نکل آتا وہ سیر ہو کر کھالیتا۔ اب کئی ماہ ایسی مشق کروانے سے بچے کے ذہن میں یہ عقیدہ اچھی طرح مضبوط ہو گیا کہ روٹی صرف اللہ دیتا ہے اللہ کے سوا روٹی کوئی نہیں دیتا اور اس درمیان ایک کرامت کا ظہور بھی ہوا۔ کہ ایک روز ماں چھابے کے نیچے کھانا رکھنا بھول گئی اور بیٹا گھر آ گیا کتابیں رکھیں اور کہا: اے اللہ روٹی دو......! جب ماں نے یہ سنا تو پاؤں تلے زمین نہ رہی، یاد آیا کھانا رکھنا بھول چکی ہوں لیکن فوراً چہرہ آسمان کی طرف اٹھایا اور کہنے لگی: اے خالق و مالک......! بھولی بھی تیرے بھلانے سے ہوں، اب اپنی کمال قدرت سے چھابے کے نیچے سے کھانا مہیا فرما دے، کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا بیٹا آج تیرا نام لے کر تجھے پکار کر چھابا اٹھائے اور روٹی نہ ملنے پر اس کے ذہن میں خیال آ جائے کہ اللہ بھی روٹی نہیں دیتا۔ (اللہ اکبر)

چنانچہ ماں کی دعا اسی وقت شرف قبولیت سے نوازی گئی جب بچے نے چھابا اٹھایا تو تر و تازہ روٹی نکال کر کھانا شروع کر دی۔ اور قرآن بھی اس لیے کہتا ہے:

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا

﴿يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ﴾ [1]

''جو اللہ تعالیٰ سے ڈر گیا (اس کا باادب بن گیا) اللہ اس کے لیے آسانی کی راہ ہموار کر دیتے ہیں اور اس کو وہاں سے رزق دیتے ہیں کہ وہ وہم و گمان بھی نہیں کر سکتا اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر لے تو وہ اسے کافی ہو جاتا ہے۔''

مندرجہ بالا واقعہ تحریر کرنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ بیٹے کی اسلامی تربیت اور اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے آداب بتلانے کے لیے غور و فکر کرتے رہنا چاہیے جب ہر معاملہ میں شان قدوسیت کو آپ سامنے رکھیں گے تو ان شاء اللہ آپ کا بیٹا باادب ہی نہیں صاحب جمالات و کرامات بھی ہو گا۔ [2] (ان شاء اللہ)

پرندوں کا بے موسمی کھجوریں پھینکنا

جن لوگوں کا اللہ پر بھروسہ مضبوط ہوتا ہے اور وہ ہر پل اللہ کی ذات اور اس کی حدود کا لحاظ رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا میں ہی ایسے لوگوں کی خاص مہمان نوازی کا اہتمام فرماتے ہیں۔ اسلام کی تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں ان میں سے ایک تاریخی واقعہ ایمان کی تازگی کے لیے پیشِ خدمت ہے۔ ایک اللہ کے ولی حضرت صلہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں سفر پر تھا اور سفر کافی لمبا ہونے کی وجہ سے زادِ راہ مکمل ختم ہو گیا اور میرے پاس کھانے

---

[1] الطلاق:3

[2] غائب سے رزق کا اہتمام اور اپنے اہل یقین بندوں تک ظاہری وسائل سے ہٹ کر قدرتی ذرائع سے رزق پہنچانا اللہ تعالیٰ کی سنّت ہے۔ اس سلسلہ میں مائی مریم علیہا السلام، حضرت خبیب اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہما کے واقعات قرآن و حدیث میں بڑی صراحت سے موجود ہیں۔

پینے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ اسی دوران بھوک کی شدت نے بھی مجھے حد درجہ بے چین کر دیا، راستے میں مجھے ایک آدمی ملا وہ اپنے کندھے پر کوئی چیز اٹھائے ہوئے تھا میں نے اس کو کہا اس کو زمین پر رکھ دو، جب اس نے زمین پر رکھا تو اس میں ایک روٹی تھی۔ میں نے اسے کہا: مجھے بھوک کی شدت نے نڈھال کر دیا ہے مجھے اس روٹی میں سے کچھ کھلا دو، وہ جواب میں کہنے لگا: آپ بلا تکلف کھا لیں لیکن ذہن میں رہے اس میں خنزیر کی چربی ہے۔ حضرت صلہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب میں نے اس سے سنا کہ اس میں خنزیر کی چربی ہے تو باوجود سخت بھوک کے میں نے روٹی کو وہیں چھوڑ دیا اور اپنے سفر کو چل نکلا۔ اسی دوران ایک اور شخص سے ملاقات ہوئی اس سے بھی میں نے کھانے کا مطالبہ کیا تو اس نے میرے سامنے یہ عذر رکھ دیا کہ میرا سفر بہت لمبا ہے اگر تو نے اس کھانے میں سے کچھ بھی لیا تو میں بھوکا رہوں گا اور بہت زیادہ تکلیف کا سامنا کروں گا۔

حضرت صلہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے اسے بھی مجبور نہ کیا اور بھوکا پیاسا چلتا رہا کہ اچانک میں نے ایک آواز سنی گویا کہ پرندوں نے کسی چیز کو زمین پر گرایا ہے، میں نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو سفید دوپٹے میں کوئی چیز لپیٹی ہوئی تھی۔ میں نے سواری سے نیچے اتر کر اس کو دیکھا تو وہ کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی تھیلی تھی اور اس میں تر و تازہ کھجوریں بھری ہوئی تھیں، حالانکہ وہ تر و تازہ کھجوروں کا موسم نہیں تھا، چنانچہ میں نے جی بھر کر انھیں کھایا، پانی پیا اور پھر دوبارہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ [1] اللہ اکبر

یاد رہے......! آج بھی ان لوگوں کے ساتھ غیبی رزق کا وعدہ ہے جو کسی

---

[1] کتاب الزہد: امام عبداللہ بن مبارک: 865؛ حلیۃ الاولیاء: امام اصفہانی: 2/239، اسنادہ حسن

صورت بھی لقمہ حرام کو منہ نہیں لگاتے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو زندگی بھر لقمہ حرام سے محفوظ فرمائے۔ آمین

بیٹا اللہ کی سپرد

ہمارے استاد صاحب بیان کرتے ہیں کہ میری والدہ بات بات پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام لیتی تھیں یعنی جو بھی بات کرتیں ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کسی نہ کسی طرح ضرور کرتیں۔ ایک دن میں نے سوال کیا اماں جان......! میں اعلیٰ دینی تعلیم حاصل کرنے کے باوجود اللہ والے چھوٹے چھوٹے ننھے منھے جملوں کا خیال نہیں رکھتا لیکن آپ ہر معاملہ میں اللہ بہتر کرے گا...... اللہ رحم کرے گا...... اللہ خیر کرے...... اللہ کی رضا...... اللہ کے سپرد...... وغیرہ کہتی ہیں۔

والدہ فرمانے لگیں: بیٹا......! ہر معاملہ میں جب اللہ کو یاد رکھ کر معاملہ اس کی سپرد کر دیا جائے پھر وہ اپنے بندے کو ضائع نہیں کرتا۔ شیخ فرماتے ہیں: بیماری کے دنوں میں والدہ نے مجھے بلایا۔ اور کہنے لگیں بیٹا میں نے تجھے ساری زندگی اللہ کے سپرد کیا ہے دیکھنا کہیں دنیا میں نہ کھو جانا، میرا وقت آیا تو اپنے ہاتھوں سے مجھے اللہ کی سپرد کرنا۔ (اللہ اکبر) چنانچہ جب والدہ فوت ہوئیں تو میں نے اپنے ہاتھوں اللہ کی سپرد کیا۔ اس کے بعد آج تک میں تنہائی میں رب تعالیٰ کو یہی کہتا ہوں:

یا اللہ! میری ماں نے مجھے دین پڑھا کر تیری سپرد کیا اور ہر بار تیری سپرد ہی کرتی رہی۔ وہ جاتے وقت مجھے کہہ گئیں تھیں کہ مجھے اللہ کی سپرد کرنا۔ اے اللہ! میری ماں یہ جملہ اس لیے تو نہیں کہہ کر گئی کہ آپ اس کو جہنم میں ڈال دیں یا عذاب میں مبتلا کر دیں۔ اے میرے پروردگار عالم......! بتقاضہ بشریت اگر کوئی کمی تھی تو کمال

رحمت سے معاف فرمادے کیونکہ سارے کا سارا معاملہ تیری سپرد ہے۔''

شیخ فرماتے ہیں: کہ معرفتِ الٰہی ادبِ الٰہی اور عظمتِ الٰہی کو میرے دل ودماغ میں موجزن کرنے میں سب سے زیادہ کردار میری والدہ کا ہی تھا۔ نماز کی عادت، تلاوت کا ذوق اور ذکر واذکار کا شوق پیدا کرنے میں نیک ماں باپ کا کردار نمونہ ہوتا ہے۔ والدین کو بات بات پر اللہ تعالیٰ کا نام زبان پر لانا چاہیے اس سے روحانیت اور برکت جیسے دونوں خزانے نصیب ہوتے ہیں، مثال کے طور پر کوئی نعمت ملے تو آپ یہی کہیں اللہ کی رحمت ہوئی ہے، اللہ کا فضل ہوا ہے، میں اللہ کی طرف سے اس قابل ہوا ہوں، اللہ کی طرف سے برکت ملی ہے، یہ میرے اللہ کی عطا ہے، ایسے ذکرِ الٰہی پر مشتمل کلمات پر جہاں آپ فخر وغرور جیسی مہلک بیماری سے بچیں گے وہاں آپ کے لمحے لمحے میں برکت ہوگی اور نعمت بھی ہمیشہ ہمیش کے لیے آپ کے پاس رہے گی اور سب سے بڑھ کر فائدہ یہ ہوگا کہ آپ کی اولاد کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور محبّت کے جذبات پروان چڑھیں گے۔

دینی مدارس اور سکول و کالج کا کردار

ادب کا درخت ہمارے ملک میں سوکھ گیا ہے بالخصوص ادبِ الٰہی کی شاخیں مرجھا گئیں ہیں کسی نے اسے تربیت کا پانی دیا ہی نہیں، بڑی توجہ سے مروّت لحاظ، حیاء، وضع داری، اخلاق اور اچھے آداب کے بیج لگائے جاتے ہیں تب جا کر کونپلیں پھوٹتی ہیں آج چمنِ آداب ویران ہے اس حوالہ سے ہمیشہ سے دینی مدارس اور سکولز کا کردار بے مثال رہا کیونکہ دینی مدارس اور سکولز ہی علم وعمل کی روشن قندیلیں

ہیں یہیں سے روشنی پھوٹتی ہے جو پورے عالم کو روشن کرتی ہے۔کل کا فتائد، امام اورعالم آج اِنہی اداروں کا طالب علم ہے، ان طلباء کرام کو تعارفِ الٰہ اور ادبِ الٰہ سے اچھی طرح آگاہ کردیا جائے تو یقیناً کل کا معاشرہ امن وسلامتی اور رحمت وبرکت کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

علوم وفنون اور جدید تعلیمی ضروریات کیساتھ ساتھ ''عظمتِ اِلٰہ'' کا باقاعدہ سبق ہونا چاہیے بلکہ اسی سبق کو بنیادی ولازمی حیثیت حاصل ہو۔ لیکن موجودہ حالات میں سب جانتے ہیں کہ سکولز وکالجز کے علاوہ دینی مدارس میں بھی کما حقہ ذات الٰہ کو متعارف نہیں کرایا جاتا۔محض ترجمہ پڑھاکرنحوی، صرفی تحلیلات میں اتارکرسال کے بعدرسمی امتحان لے لینا ہی کافی نہیں، بلکہ طالب علم کے قول وعمل کو دیکھیں کہ اس میں عظمت الٰہ اورادب الٰہی کا رنگ کتنا ہے؟ کیا صرف کل کو پیشہ ورانہ خطابت وامامت کرنا ہی مقصد حیات تونہیں......؟ کہ تنخواہ کی کمی بیشی کو کامیابی کا معیار سمجھے، ایک ہزارزیادہ ملنے پرخطابت بھی چھوڑی اورامامت کو بھی خیرآباد کہہ دیا۔ دینی مدارس کے ہزاروں فارغ التحصیل مالی مفادات کے لیے دینی سرگرمیاں چھوڑ چکے ہیں اورداڑھی مبارک کٹواکردنیا کے کھوٹے سکّے جوڑرہے ہیں۔

اگران لوگوں کوسات آٹھ سال میں عظمتِ اِلٰہ، ادبِ الٰہ اورمقام الٰہ کا سچا درس ملتا نیک ماحول میں اسلامی تربیت ہوتی توانجام اتنا برانہ ہوتا بلکہ وہ ذات الٰہ کے لیے مرمٹنے کے لیے تیار ہوتے۔ہم بڑی معذرت سے اس کتاب کے ذریعے مدارس کے ناظمین اورذمہ داران کی خدمت میں بعدازآداب گزارش کریں گے کہ طلباء کوصرف آدابِ حلوہ ہی نہ سکھائیں، آپس میں ایک دوسرے سے جنگ

وجدل اور فرقہ واریت کے گُر دھندوں کے ماہر نہ بنائیں، بلکہ ایسا داعی الی اللہ تیار کریں۔ جو خود بھی ذات الٰہ کا مؤدب ہو اور لوگوں کو بھی ادب الٰہی کا درس دے۔ [1]

مسلمانو......! جب مدارس سے شرک و بدعت پھیلانے والے وارثان منبر و محراب تیار کیے جائیں تو پھر غیر مسلموں سے گلہ نہیں کرنا چاہیے۔

آخر میں دعا ہے اے اللہ......! ایسے جامعات کی اینٹ اینٹ کو آباد و شاد وقائم رکھ جہاں سے تیری توحید کا درس ملتا ہے جہاں سے ادب الٰہی کی خوشبو سے مسلم معاشرہ کی فضاؤں کو معطر کیا جاتا ہے اور تیری ذات کی بڑائی کا پرچار ہوتا ہے۔ آمین!

آدابِ الٰہی

قرآن پاک شہنشاہِ کائنات کا مبارک کلام ہے۔ اس کتاب میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو خطاب کرتے ہوئے احکامات جاری فرماتے ہیں۔ ایک مقام پر نہایت فصیح وبلیغ اسلوب میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ

﴿مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝﴾ [2]

---

[1] طلبا کی روحانی تربیت کے لیے ائمہ کرام میں سے امام ابن قیم رحمہ اللہ کی کتب کو ہم نے سب سے زیادہ مفید پایا ہے۔ کسی بھی ادارے اور استاذ کا اپنے شاگردوں پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ وہ انھیں امام ابن قیم رحمہ اللہ کی کتابیں پڑھائے، پڑھنے کا سلیقہ بتادے یا کم از کم ان کی طرف رہنمائی کرے۔
نہایت تکلیف دہ بات ہے کہ دینی مدارس کے نصاب میں عربی ادب کے نام پر ابھی تک ایسی کتابیں موجود ہیں جن سے طلبا کی زندگی میں اخلاقی اور روحانی بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ جب کہ اس کے مقابلے میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، امام ابن قیم رحمہ اللہ، امام ابن رجب رحمہ اللہ وغیرہ کا عربی ادب نہایت مفید ہے۔

[2] نوح: 13-14

''تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کے وقار کا خیال نہیں رکھتے، حالانکہ اس نے تمہیں کئی حالتوں سے گزار کر پیدا کیا۔''

لفظِ ''وقار'' کا معنی عظمت، شان اور جلال وجمال ہے کہ تم اپنی بدمستیوں میں کھو چکے ہو اور تمھارے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کا کبھی تصور تک بھی نہیں آیا اور اسی طرح لاترجون للہ وقارا..... کی تفسیر میں علمائے مفسرین نے لکھا ہے:

لَا تُعَظِّمُوْنَ اللهَ حَقَّ عَظْمَتِهِ [1]

''تم اللہ کی عظمت اس طرح نہیں مانتے جس طرح اس کی عظمت کا حق ہے۔''

یعنی قوم نوح اللہ تبارک وتعالیٰ کا اقرار تو کرتی تھی، مگر ان کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت کا احساس اس طرح چھایا ہوا نہیں تھا جس طرح کسی سچے انسان پر چھایا ہوا ہونا چاہیے۔ حقیقت میں وہی لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کو بجالاتے ہیں جو اس کی عظمت کے احساس میں جی رہے ہوں، جن کے دلوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمتوں کا احساس نہیں ہوتا وہ کسی صورت میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے آداب کو بجا نہیں لا سکتے۔ اور اسی طرح قرآن پاک کے کئی ایک مقامات پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ وہ میری نوازشات کے مقابلے میں اس طرح میری قدر، میرا احترام اور میرے آداب کا حق ادا نہیں کرتے جس طرح میری عظمتوں کے شایانِ شان ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ [1]

''لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں پیدا فرمایا اور وہی ہماری تمام ضرورتوں کو اپنے فضل وکرم سے پورا کر رہا ہے۔ اللہ کی نصرت ورحمت کے بغیر ہم ایک سانس بھی نہیں لے سکتے۔ ہمارا سب سے پہلا فرض یہی ہے کہ ہم اپنے خالق ومالک کا دل وجاں سے ادب کریں اور اس عظیم پروردگار سے حیا اور اس کی تکریم وتعظیم میں ذرّہ بھر کوتاہی کا شکار نہ ہوں۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ جس شخص کے انسان پر احسانات زیادہ ہوں وہ اسی قدر زیادہ اس کا ادب کرتا ہے، خیر خواہ اور محسن کو ہمیشہ عزت وتکریم دی جاتی ہے اس اعتبار سے بھی غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے بڑھ کر کوئی ہمارا خیر خواہ ہے نہ ہی اس سے زیادہ کوئی احسانات کرنے والا ہے، لہٰذا ہمیں سب سے زیادہ ادب اپنے پیارے رب کا ہی کرنا چاہیے۔ اسی طرح جس کے پاس علم زیادہ ہو لوگ علم کی وجہ سے زیادہ علم والے کو ادب کی نظر سے دیکھتے ہیں جس قدر کسی عالم کا علم زیادہ ہوگا اس کا ادب بھی اسی قدر زیادہ ہوگا۔

اس لحاظ سے بھی اگر غور کیا جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہمارے ادب کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی علام الغیوب اور علیم بذات الصدور نہیں یا لوگ کسی کی طاقت وقوت کو دیکھ کر اس کا ادب کرتے ہیں جو شخص جس قدر زیادہ طاقت اور قوت کا مالک ہوگا لوگ اس قدر زیادہ اس کا ادب کریں گے۔ لوگو! اس انداز سے بھی اگر دیکھا جائے تو سب سے زیادہ قوت وطاقت

[1] الزمر: 67

کا مالک ہمارا رب ہی ہے، قوت وطاقت میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، افسران ولیڈران تو اپنی قوت، طاقت کے اظہار کے لیے فورسز کے محتاج ہیں، مگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایسی قوت، طاقت اور غلبے کے مالک ہیں کہ جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ فرمالیں تو ''کُنْ'' کہتے ہیں ''فَیَکُوْنُ'' وہ ہو جاتا ہے (سبحان اللہ) غرض کہ جن جن اوصاف حمیدہ، خصائصِ جلیلہ اور اختیارات عالیہ کو دیکھ کر کسی کا ادب واحترام کیا جاتا ہے وہ تمام بہترین اور عظیم خوبیاں ہمارے معبود، الٰہ اور پروردگار میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہیں۔

مگر افسوس......! کہ آج کا انسان غیروں کے ادب کا تو بہت خیال رکھتا ہے ذرّہ بھر ایسی کوئی حرکت نہیں کرتا جو با کمال حضرات کی شان کے خلاف ہو لیکن جب شہنشاہِ کائنات، پروردگار کی باری آتی ہے تو حد درجہ بے ادبی کا مظاہرہ کرتا ہے باوجود عقیدہ رکھنے کے کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے میں ہر وقت اس کی نگرانی میں ہوں، لمحہ بھر کے لیے بھی اس کی نظر سے اوجھل نہیں ہوتا مگر پھر بھی ایسی حرکات وسکنات کرتا ہے جو سراسر اللہ تبارک وتعالیٰ کی جلالت وعظمت اور مقام کے خلاف ہوتی ہیں زبان سے ایسے ایسے ناشکری وکفر کے کلمات نکالتا ہے کہ جن میں ادب واحترام اور تعظیم کا ذرّہ بھی نہیں ہوتا، کچھ لوگ تو جہالت کی بنا پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے بے ادب ہیں اور بعض احباب جان بوجھ کر یہ ظلم کماتے ہیں۔

حضرات......! ہمیں ہر وقت یہ احساس تر وتازہ رکھنا چاہیے کہ ہمارا رب مہربان ہے عظمت وجلالت وبزرگی میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس لیے کبھی بھی ایسی عادات وحرکات صادر نہ ہوں جو اس کی شان، مقام اور احترام کے خلاف ہوں۔

بلکہ ایک سچے مسلمان کو تو ذاتِ اطہر کا ایسا باادب ہونا چاہیے کہ قدم قدم اور بول بول سے یہ حقیقت آشکارہ ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بزرگی و بڑائی اور عظمت اس کے جوڑ جوڑ میں رچ بس چکی ہے۔ اور یاد رہے......! جب انسان حقیقی معنوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا باادب بندہ بنتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ بھی اس کی زندگی میں نور پیدا فرما دیتے ہیں جس سے اس کی زندگی کے تمام اندھیرے ختم ہو جاتے ہیں۔ باادب بندے کی روح کو قرار اور ضمیر کو اطمینان نصیب ہوتا ہے اور پھر ساری خدائی ایسے شخص کا ادب کرتی ہے یوں پھر دنیا کی زندگی جنت کا نظارہ پیش کرتی ہے مگر جو لوگ لوگوں کے لیے تو آداب کا خیال رکھیں ان کی شخصیت اور منصب کا لحاظ کرتے ہوئے کوئی خلاف شان حرکت نہ کریں۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ عالیہ کے لیے ایسے اچھے آداب بجا نہ لائیں تو گویا انہوں نے اپنے کردار سے بندوں کے آداب کو خالق حقیقی کے آداب پر مقدم کر دیا بندوں کے آداب کا تو پورا لحاظ کیا مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کے آداب میں بے پرواہی کی تو رب تعالیٰ بھی ایسے احسان فراموش اور بے ادب بندوں کی زندگیوں کا نور ختم کر دیتے ہیں اور وہ ساری زندگی تاریکی وظلمت میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہتے ہیں۔

اسلامی تزکیہ کے علمبردار امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

﴿ مِنْ اَعْظَمِ الظُّلْمِ وَالْجَهْلِ اَنْ تَطْلُبَ التَّعْظِيْمَ وَالتَّوْقِيْرَ لَكَ مِنَ النَّاسِ وَ قَلْبُكَ خَالٍ مِنْ تَعْظِيْمِ اللّٰهِ وَ تَوْقِيْرِهِ ﴾ [1]

---

[1] الفوائد۔ امام الاولیاء ابن قیم رحمہ اللہ

"یہ بہت بڑی جہالت ہے اور ظلم عظیم کی بات ہے کہ تو اپنے لیے تو لوگوں سے تعظیم اور ادب طلب کرے یعنی تیری خواہش ہو کہ لوگ تیرا ادب کریں تجھے عزت اور احترام کی نظر سے دیکھیں اور تیرا دل اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعظیم سے خالی ہو۔"

یہ بھی حد درجہ زیادتی ہے کہ تو غیروں کے وقار کو تو ملحوظِ خاطر رکھے اور ذاتِ اللہ کے آداب کی تجھے فکر تک نہ ہو، جبکہ بلوغت اور شعور کی عمر کو پہنچ کر سب سے پہلے کرنے والا کام یہی ہے کہ اپنے سچے معبود کے ادب اور وقار کی تعلیم حاصل کی جائے اور ہمیشہ ایسا کردار پیش کرے جو ادبِ الٰہی اور اس کے وقار کے شایانِ شان ہو۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ کے وقار کے لائق

بحیثیت مسلمان ہم پر لازم ہے کہ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کے وقار، اس کی قدر، شان اور آداب کا مکمل خیال رکھیں، ہماری غفلت، سستی اور بے توجہی کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بڑے بلیغانہ انداز سے پوچھا:

کہ "اے میرے بندو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم میرے وقار کا خیال نہیں رکھتے حالانکہ میں سب سے زیادہ تم پر احسان کرنے والا ہوں۔ اور تم میری قدر ومنزلت کو بھی ہمیشہ اہمیت نہیں دیتے۔" [1]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وقار اور قدر کے شایانِ شان یہی ہے کہ ہم ساری زندگی مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھتے ہوئے بسر کریں اور ان میں ذرہ بھر کوتاہی نہ ہو۔

[1] الزمر:67، نوح:13-14

①......کسی غیر کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے برابر نہ کیا جائے، بلکہ اللہ کی عزت وعظمت اور مقام سب سے زیادہ اور نمایاں ہو، حتیٰ کہ الفاظ میں بھی اسے اور مخلوق کو برابر نہ کیا جائے مثلاً

...... وَاللهِ وَحَيَاتِكَ ''اللہ کی اور تیری زندگی کی قسم!''

یہ درست نہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے وقار کے خلاف ہے اس میں ذات الٰہ اور مخلوق کی زندگی کو برابر اہمیت دی گئی ہے اسی طرح

...... مَا شَاءَ اللهُ و شِئْتَ اور جو اللہ چاہے اور تو چاہے۔

اب اللہ تبارک وتعالیٰ اور کسی بندے کی چاہت برابر حیثیت کی نہیں، وقارِ الٰہی کے شایانِ شان یہی ہے کہ ہر اعتبار سے اس کی عظمت کو منفرد، نمایاں اور اعلیٰ مقام دیا جائے۔

②......محبت، بزرگی اور تعظیم میں بھی کسی کو اس کے برابر نہ کیا جائے، بلکہ ذاتِ الٰہ کی محبت، بزرگی اور تعظیم دل میں سب سے زیادہ ہونی چاہیے اور زبان سے اس کا اظہار بھی اچھے، اعلیٰ اور باوقار انداز سے ہونا چاہیے۔ اللہ سے بڑھ کر کسی کی تعظیم کرنا یا اس سے بڑھ کر کسی کی بزرگی کا خیال رکھنا یقیناً ناانصافی اور ظلم ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے وقار کا یہی تقاضا ہے کہ سب سے بڑھ کر اس کی تعظیم کی جائے اور اس کی بزرگی کا خیال رکھا جائے۔

③......جب ایک طرف رب ہو۔ اور دوسری طرف مخلوق ہو، تو اللہ ہی کی طرف جھکا جائے اسی کی منشا، رضا، حکم اور خوشی کو قبول کیا جائے جس شخص نے رب تعالیٰ کو چھوڑ کر، کسی غیر کی طرف اپنا میلان کر لیا گویا اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی

عظمت، بزرگی اور وقار کا خیال نہیں رکھا۔

4 ......اس کی نازل کردہ شریعت کو من وعن اسی طرح قبول کیا جائے جس طرح اس نے حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا اللہ کے احکامات اور بیان کردہ مسائل میں ردوبدل کرنا اللہ تبارک وتعالیٰ کے وقار کو مجروح کرنے کے برابر ہے۔

5 ......اللہ تبارک وتعالیٰ کے منکرین ومعاندین سے نفرت رکھی جائے جو اس عالی ذات کی بے قدری کرے اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا...... یقیناً غیرت وحمیت کے خلاف ہے۔

اور عملی طور پر اس عظیم احسان فراموشی کو دیکھا گیا ہے کہ جب انسان ادب کرنے پہ آتا ہے تو کسی عام انسان کی نیکی اور حسنِ سلوک پر بھی اس کا ادب بجالاتا ہے ،مثال کے طور پر دورانِ سفر اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے لیے اپنی سیٹ چھوڑ دے تو وہ ایسے شخص سے ہمیشہ ادب واحترام کے ساتھ پیش آتا ہے اور جب انسان غافل ہوتا ہے تو وہ شہنشاہِ کائنات کہ جس نے ہر طرح کی نعمت وسہولت دے رکھی ہے اس کے آداب اور احترام کا لحاظ بھی نہیں رکھتا...... قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَكْفَرَه

بہر حال اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان، عظمت، بزرگی، بڑائی اور وقار کا یہ موضوع اگرچہ اپنی اہمیت، وسعت کے اعتبار سے حددرجہ تفصیل طلب ہے، مگر میں انتہائی اختصار اور جامعیت سے ادبِ الٰہ کے بنیادی دس تقاضوں کو تحریر کرنا چاہتا ہوں جن کو پورا کیے بغیر کوئی شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کا باادب نہیں کہلا سکتا، بلکہ ان دس تقاضوں کو پورا نہ کرنے والا بے ادبی کی زندگی بسر کرتا ہے اور اگر اسی حالت میں موت آگئی تو بے ادبی کی موت مرے گا۔

خطبہ نمبر 1

آدابِ الٰہی کا پہلا تقاضا

عقیدہ توحید کا اقرار

یہ تو مسلمہ حقیقت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سب کچھ اپنے پاس سے دیتا ہے اور باقی لوگ جو کچھ دیتے ہیں وہ خدا کے دیئے ہوئے سے دیتے ہیں اپنے پاس سے نہیں دیتے اس کے سوا باقی سب واسطے ہیں۔ خدا ان کے پیالے میں ڈالتا ہے تو وہ آگے دیتے ہیں بوریاں تجوریاں صرف وہی بھرتا ہے آپ غور کریں! ماں کی چھاتی میں دودھ کس نے ڈالا......؟ اس حقیقت کو مان لینے کی بعد ادبِ الٰہ، احترام معبود اور تعظیم رب العالمین کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ اس کی ''توحید'' کا اقرار کیا جائے اس کی ذات وصفات اور اختیارات میں اس کو وحدہ لاشریک سمجھا جائے کیونکہ اس کے حسن میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں وہ عظیم خوبیوں کا مالک ہے جو خوش نصیب دل وجاں سے عقیدہ توحید کو قبول کرلے اور اپنی زبان سے اس سچے عقیدے کا اقرار کرلے اس نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ادب کا پہلا اہم تقاضا پورا کردیا اور اسی پہلے تقاضے پر باقی تمام چیزوں کی بنیاد ہے وگرنہ عقیدہ توحید کا اقرار نہ کرنے والا چاہے لاکھوں نیک اعمال کرلے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا بے ادب ہے اور مشرک اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا بے ادب اور گستاخ ہے۔

صحیح البخاری کے مطابق اللہ تبارک وتعالیٰ کی زمین پر سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ آپ کی آمد سے قبل نبی مبعوث ہوا کرتے تھے، لیکن

جب اللہ تعالیٰ نے رسالت کے عظیم منصب پر آپ کو فائز کیا تو آپ نے سب سے پہلے اپنی قوم کو یہ ادب سمجھایا کہ

﴿ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾ [1]

''اے میری قوم......! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں۔''

حضرت نوح علیہ السلام کی اس صدا میں سب سے پہلے قوم کو جو ادب بتلایا گیا وہ یہی تھا کہ اکیلے اللہ کو اپنا معبود، حاجت روا اور مشکل کشا سمجھو، اس کے سوا تمھاری پوجا کا کوئی حقدار نہیں۔ اسی طرح قرآن مجید میں حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم الشان انبیاء ورسل نے بھی جب اپنی قوموں کو اللہ کی دعوت دی تو سب سے پہلے یہی کہا کہ اللہ کا سب سے پہلا ادب اور اس کی سب سے پہلی تعظیم یہی ہے کہ اس کو وحدہ لاشریک مانا جائے اور اس کی ذات، صفات اور اختیارات میں کسی دوسرے کو شریک نہ کیا جائے۔

سب سے آخر میں امام الانبیاء، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے تیئیس سالہ دَورِ نبوت میں قریشِ مکہ اور اہل مدینہ سمیت پورے عالم کو یہی دعوت دی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ادب واحترام کا سب سے پہلا تقاضا یہی ہے کہ اس کے ساتھ شرک نہ کیا جائے۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

﴿ وَكُنْتُ رِدْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى حِمَارٍ يُقَالُ لَهٗ عُفَيْرٌ

---

[1] اعراف:59

قَالَ : يَا مَعَاذُ! هَلْ تَدْرِيْ مَا حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ ؟ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ ؟ قَالَ: قُلْتُ: اللهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ: فَإِنَّ حَقَّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ اَنْ يَّعْبُدُوْا اللهَ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا ..... الخ ﴾ [1]

’’ میں عفیر نامی گدھے پر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار تھا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے معاذ......! تو جانتا ہے اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ اور بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر کیا ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں ۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔‘‘

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کا سب سے پہلا ادب یہی ہے کہ بندہ اس کے حق کا غاصب نہ بنے بلکہ اس کی خالص عبادت کرتے ہوئے ہر قسم کے شرک سے دور رہے۔ اور اس پہلے تقاضے کا دعوت وتبلیغ کے میدان میں بھی پہلے خیال رکھا جاتا ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

﴿ لَمَّا بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ مُعَاذًا اِلٰى نَحْوِ اَهْلِ يَمَنَ قَالَ لَهُ إِنَّكَ تَقْدَمُ عَلَى قَوْمٍ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ فَلْيَكُنْ اَوَّلَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلٰى أَنْ يُوَحِّدُوْا اللهَ تَعَالٰى... الخ ﴾ [2]

[1] صحیح البخاری:2856
[2] صحیح البخاری:7372

”جب رسول اللہ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو اہل یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا: تو اہل کتاب کی قوم کے پاس جائے گا تو سب سے پہلے ان کو یہی دعوت دینا کہ وہ اللہ کو ایک مانیں۔“

یعنی جو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس پہلے حق کو قبول کرتے ہوئے ادبِ الٰہ کا پہلا تقاضا پورا کرتے ہیں ان کے لیے دین ہر طرح کے انعامات اور نوازشات کی بشارت سناتا ہے اور جو اس پہلے تقاضے اور حق کو پورا نہیں کرتا اس کی ساری محنت کو رائیگاں کر دیا جاتا ہے۔

توحید کیا ہے؟

توحید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات، صفات، اختیارات اور اس کے حقوق میں یکتا تسلیم کیا جائے......اس کی ذات وصفات اور اس کے اختیارات میں کسی نبی، ولی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی آمد سے قبل مشرکینِ مکہ شرک فی الذات بھی کیا کرتے تھے، فرشتوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی بیٹیاں کہتے اور جنات کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا شریک ٹھہراتے اور اسی طرح ستاروں اور بتوں کی پوجا بھی کیا کرتے تھے۔ یہ سارے طور طریقے چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عزت وعظمت اور اس کے عالی آداب کے خلاف ہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے سب سے زیادہ توجہ اسی موضوع پر دی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے سب سے پہلے ادب ”ادب توحید“ کو بغیر کسی مصلحت اور مداہنت کے پورے دلائل کے ساتھ کھول کر بیان کیا۔

مشرکین مکہ کے ساتھ ساتھ عیسائی بھی شرک فی الذات کیا کرتے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی مائی مریم علیہا السلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا حصہ سمجھتے تھے، کئی عیسائی عقیدہ تثلیث کے قائل تھے جو یہ کہتے تھے کہ کائنات کی فرمانروائی تین ذاتوں کے مجموعے پر مشتمل ہے، باپ، بیٹا اور مقدس روح۔

اسی طرح یہودی بھی شرک فی الذات کیا کرتے تھے اور انھوں نے نعوذ باللہ، حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا بیٹا قرار دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشریف لا کر مشرکین مکہ اور اہل کتاب کے شرکیہ ظلم کا خاتمہ کیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت اور اس کے آداب کو بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ اعلان کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

توحید کی اقسام

توحید کی کئی ایک اقسام اہل علم نے تحریر فرمائیں ہیں جن میں سے چند ایک کو تحریر کیا جاتا ہے۔

1 ......توحید ذات:

اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس کی ذات میں یکتا، تنہا، منفرد اور اکیلا مانا جائے اور اس کی ذات میں کسی کو شریک نہ کیا جائے جیسا کہ سورۂ اخلاص میں توحید فی الذات کو بیان کر دیا گیا ہے۔

2 ......توحید ربوبیت:

اللہ تعالیٰ کو ہی زمین وآسمان کا خالق، مالک اور قابض تسلیم کرنا کہ وہ تنہا بغیر

کسی کی مدد کے خالق و مالک اور صاحبِ اقتدار بادشاہ ہے وہ اکیلا تمام مخلوقات کی دیکھ بھال خبر گیری اور پرورش کرتا ہے۔

عربی زبان میں لفظ رب کا مفہوم کافی وسیع ہے، پرورش کرنے والے، دیکھ بھال اور خبر گیری کرنے والے، نشو ونما اور بڑھانے والے صاحبِ اقتدار اور صاحب اختیار کو رب کہا جاتا ہے۔ اور زمین و آسمان کا حقیقی ''رب'' صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ مشرکین مکہ بھی اللہ تعالیٰ کی توحیدِ ربوبیت کے قائل تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ادب کی اس شق کو اچھی طرح جانتے ہوئے یہی کہتے تھے کہ اس کائنات کا خالق و مالک زمین و آسمان، سورج و چاند کو مسخر کرنے والا صرف اور صرف اللہ ہے۔ وہی بارش برساتا ہے اور اسی کی قدرت سے مردہ زمین لہلہا اٹھتی ہے...... لیکن یہ بدنصیب توحیدِ ربوبیت کو تسلیم کر لینے کے باوجود غیروں کے نام کی نذر و نیاز دیتے، چڑھاوے چڑھاتے، غیروں کو سجدہ کرتے، ستاروں کو موثر سمجھتے ہوئے ان سے اپنا مستقبل وابستہ کرتے، فرشتوں اور جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے جو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی بے ادبی کے برابر تھا۔

3...... توحیدِ الوہیت:

صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کو اکیلا معبود سمجھ کر کامل محبت، تعظیم، خشیت اور خوف سے اس کی عبادت کرنا توحیدِ الوہیت ہے۔ عملی زندگی میں پوجا پاٹ، فرمانبرداری اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی سچی غلامی اختیار کرنا اس قسم کا بنیادی تقاضا ہے۔

لفظِ ''الوہیت'' الٰہ سے بنا ہے، جس میں شدتِ شوق اور محبت کے تمام پہلو بدرجۂ اتم موجود ہیں، لہٰذا ہمیں اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے، اسی کی خشیت اور خوف سے

ہمارے دل میں رہنا چاہیے، وہی ہماری سچی چاہتوں کا مرکز ہونا چاہیے اور ہماری تمام نذر و نیاز اسی کے لیے ہوں، دعائیں اسی سے ہوں، سجدہ اسی کو ہو اور قربانی بھی اسی کو خوش کرنے کے لیے کی جائے، غرضیکہ توحیدِ الوہیت کے اقرار کے بعد مسلمان پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ہر قسم کی عبادت کو اپنے اللہ ہی کے لیے خاص کر دے۔

یاد رہے......! اللہ کی زمین پر سب سے بڑا شرک توحید کی اسی قسم میں ہوا ہے کہ لوگوں نے اللہ کو تو مان لیا، لیکن اس کی عبادت اور الوہیت میں غیروں کو بھی شریک کر لیا اور یہ شرک کا سلسلہ بتوں کی پوجا سے شروع ہو کر قبروں اور مزاروں کی پوجا تک آج تک جاری ہے جو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی بے ادبی کے برابر ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بندہ ہو کر قبروں، شجروں اور حجروں سے اپنی امیدیں وابستہ کرے اور غیروں کو اپنے چاہتوں کا مرکز بنا لے۔

4 ......توحید اسماء وصفات

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کو ہر قسم کی خامی اور کمزوری سے پاک کرتے ہوئے اس کو پاکیزہ ناموں اور اعلیٰ صفات سے متصف کرنے کا نام "توحیدِ اسماوصفات" ہے، یعنی اس کے نام ان گنت لاتعداد ہیں اور سب کے سب پاکیزہ اور بلند و بالا ہیں اور اسی طرح کی صفات کسی دوسری ہستی میں موجود نہیں ہیں۔ توحید کی اس قسم میں بہت سے مسلمانوں کے بہت سے فرقے بری طرح گمراہ ہوئے ہیں، کسی نے سرے سے صفات کا انکار ہی کر دیا اور کوئی تعطیل، تحریف، تمثیل اور تشبیہ کی غلط راہ پر چل نکلا۔ جب کہ سچے مسلمانوں کا کہنا یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی صفات میں بھی وحدہ لاشریک ہے۔ اس کی تمام صفات میں کسی قسم کی تاویل نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ

تبارک وتعالیٰ کا عرش پہ مستوی ہونا، آسمانِ دنیا پر نزول فرمانا اور اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاتھ اور آنکھوں کا ہونا بعینہٖ اسی طرح ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان صفات میں قطعی طور پر کوئی تاویل نہیں کرتے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات میں اس کے یکتا ہونے کو ہم مزید وضاحت سے تحریر کرتے ہیں کہ مثال کے طور پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک صفت ''حیی'' ہے کہ وہ زندہ ہے...... اب مخلوق بھی زندہ ہے...... لیکن یہاں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ مخلوق کی زندگی نہایت عارضی ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے، بلکہ مخلوق کو زندگی دینے والے بھی وہی ہیں، لیکن اس کو کسی نے زندگی نہیں دی، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ ''سمیع وبصیر'' ہیں یعنی سننے والے اور دیکھنے والے ہیں...... اور اس کی مخلوق بھی سننے اور دیکھنے والی ہے...... لیکن یہاں یہ عقیدہ رکھنا کہ مخلوق کی سماعت وبصارت محدود ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے، جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت سمع وبصر لامحدود ہے اور ذاتی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہر وقت، ہر جگہ، ہر چیز اور ہر مخلوق کو بیک وقت دیکھتا اور سنتا ہے

اسی طرح وہ اپنی دیگر صفات میں بھی یکتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ کسی کو عالم الغیب، مختار کل اور حاضر ناضر کہنا توحید کی اس قسم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔

اولیاء کرام اور بزرگانِ دین نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ادب کا ذکر کرتے ہوئے اس بات پر بہت زیادہ زور دیا ہے کہ جس شخص کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام اور صفات کا جس قدر زیادہ علم ہوگا وہ اسی قدر زیادہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا باادب اور

اس کی ذاتِ اقدس کا حیا اور احترام کرنے والا ہو گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو عقیدہ توحید کی محبّت اور غیرت نصیب فرمائے، عقیدہ توحید پر زندہ رکھے اور اسی پہ ہمیں قیامت والے دن اٹھائے۔ آمین!

شرک کرنے والے بے ادب کا انجام

اللہ تبارک وتعالیٰ بڑے سے بڑے گنہگار کو بھی معاف فرما دیں گے لیکن جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہوئے مر گیا ایسے بے ادب گستاخ کو کسی صورت بھی معاف نہیں کیا جائے گا۔

اور مشرک بے ادب سے اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس قدر نفرت ہے کہ قرآن میں اس کو نجس اور پلید قرار دیا ہے اور شرک کو ظلم عظیم قرار دیتے ہوئے اعلان فرمایا کہ ایسا بے ادب نا قابل معافی ہے۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ﴿٤٨﴾﴾ [1]

''بیشک اگر اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے تو یہ گناہ وہ کبھی معاف نہ کرے گا۔ اس کے علاوہ جسے چاہے معاف کر دے گا اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا اس نے عظیم بہتان باندھا۔''

حضرات ذی وقار......! غور فرمائیں رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس

[1] النساء:48

نے میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اس نے بہت بڑا بہتان باندھا، اب بہت بڑا بہتان باندھنے والا اللہ تبارک وتعالیٰ کا باادب کیسے ہوسکتا ہے......؟

بہرحال میں اس وقت شرک کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا، الحمدللہ آپ سب سچے موحد اور شرک سے بیزار ہیں۔

لیکن ادبِ الٰہ کا دوسرا تقاضا بیان کرنے سے پہلے شرک کی چند مشہور اقسام بیان کرنا چاہتا ہوں تا کہ آپ کو معاشرہ میں مروجہ شرکیہ امور کا علم ہو۔

قبروں کا پختہ بنانا

اولیائے کرام کا ادب واحترام فرض ہے اور ان پاکباز ہستیوں کا نام لے کر شرک کے چور دروازے کھولنا بہت بڑا جرم ہے۔ اولیائے کرام کی قبروں پر دعائیں کرنا بلاشبہ مستحسن امر ہے اور اسلام ہمیں قبروں کے ادب واحترام کی تلقین کرتا ہے لیکن یہاں یہ بات یاد رہے کہ جو لوگ قبروں پر نذرونیاز لے کر جاتے ہیں، قبروں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں، قبروں کا طواف کرتے ہیں، قبر والوں سے مانگتے ہیں یا قبروں پر مجاور بن کر بیٹھتے ہوئے وہاں دیئے جلاتے ہیں، چادریں چڑھاتے ہیں، ایسے سارے کام اسلامی تعلیمات سے ہٹے ہوئے ہیں اور یہ بالآخر انسان کو عقیدہ توحید کی دولت سے محروم کردیتے ہیں۔

غیر اللہ سے مدد مانگنا

غمی ہو یا خوشی، امیری ہو یا غریبی، خوشحالی ہو یا تنگدستی، ہر حال میں ایک اللہ کو پکارنا ہی توحید کی اصل ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جو تنگ

دستوں کی فریاد کو سن کر پورا کرنے والا ہو، وہی سب کی بولیاں سمجھتا ہے اور جھولیاں بھرتا ہے۔

اللہ کے بندو......! یہی تو وہ کام ہے جو صرف اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کرتے ہیں کہ لوگوں کی دعائیں سنتے ہیں اور ان کو عطا کرتے ہیں جب یہی کام دوسروں نے کرنے شروع کر دیئے ہیں کہ وہ پکاریں بھی سنتے ہیں اور حاجتیں بھی پوری کرتے ہیں تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے............؟؟؟؟

یاد رہے......! اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کو مدد کے لیے پکارنا جس طرح کہا جاتا ہے:

یا رسول اللہ مدد...... یا علی مدد...... یا حسین مدد...... یا غوث الاعظم مدد......

یہ سب شرکیہ جملے ہیں، یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کی رحلت کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر پر جا کر مدد مانگی نہ ہی قبر کے علاوہ کبھی کسی مجلس و میدان میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مدد کے لیے پکارا، حالانکہ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ ﷺ سے حد درجہ عقیدت اور والہانہ محبت رکھنے والے تھے، بلکہ کسی تابعی سے بھی غیر اللہ سے مدد مانگنے کا عقیدہ ثابت نہیں اور حقیقت میں یہ بہت بڑی بے ادبی ہے کہ ایک با اختیار، قدرت کاملہ اور رحمت واسعہ رکھنے والے پروردگار کو چھوڑ کر کسی غیر سے مدد طلب کی جائے۔

لیکن آج کل کئی لوگ علی الاعلان اس بے ادبی کا مظاہرہ کرتے ہیں بلکہ طرح طرح کے حیلے بہانے اور مغالطات دے کر سادہ لوح لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے ادب بناتے ہیں۔ اور فوت شدہ ولی سے مدد مانگنے کے دلائل یوں دیتے

ہیں کہ ....

دیکھو جی......! ہم بیمار ہوتے ہیں تو ڈاکٹر سے مدد حاصل کر لیتے ہیں۔
شاگرد اپنے استاد سے مدد مانگتا ہے۔
بیوی اپنے شوہر کو کہتی ہے: اے میرے سرتاج......! میری مدد کرو!
جب یہ مدد درست ہے تو کیا فوت شدہ ولی سے مدد لینا ہی جرم ہے......؟
حالانکہ وہ رب تعالیٰ کا حد درجہ محبوب ہے۔
قارئین کرام......!

اندازہ فرمائیں کیسے جعلی حیلے بہانوں سے سادہ لوح مسلمانوں کو شرک کی طرف بلایا جاتا ہے اور ادبِ الٰہی، توحید الٰہی بلکہ عظمتِ الٰہی کی دولت سے محروم رکھا جاتا ہے اس بات میں تو کسی کا اختلاف ہی نہیں، کہ اپنی اپنی بساط، ہمت اور طاقت کے مطابق ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے، بلکہ دین تو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ ﴿ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾ [1] نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور یہ درست ہی نہیں بلکہ باعث اجر و رحمت ہے۔

بیوی موجود ہو تو اس سے خدمت لینا، یہ خاوند کا حق ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے خاوند کی خدمت کو بیوی کے ذمہ لگا رکھا ہے، لیکن بیوی اگر میکے ہو اور خاوند گھر اکیلا ہو، یا بیوی قبر میں ہو اور یہ گھر میں بیٹھا اسے پکارے کہ مجھے کھانا کھلاؤ، پانی پلاؤ، تو یہ کسی صورت بھی درست نہیں اور نہ ہی کبھی کسی نے ایسے کیا ہے۔

اور ویسے بھی وہ مدد جس کو شرک کہا جاتا ہے اس کا تعلق ایسے امور سے

---

[1] المائدہ:2

ہے کہ جو انسان کے اختیار میں ہی نہیں ہیں۔

مثلاً کسی کو اولاد دینا...... کسی کو محروم رکھنا...... کہیں بارش برسانا یا کہیں قحط رکھنا، اب اگر کوئی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی دوسرے سے مدد مانگے کہ

حضرت صاحب......! مجھے بیٹا دیں

پیر صاحب......! مجھے رزق دیں

یا یوں کہنا کہ میرا کاروبار پیر صاحب چلا رہے ہیں یا اللہ کے علاوہ کسی سے شفا مانگنا تو یہ سب شرک ہے۔

قرآن پڑھ لیں، احادیث کا مطالعہ فرمالیں یا مؤحد اولیاء کرام کی سیرت دیکھ لیں......! آپ کو یہی ملے گا کہ انہوں نے اولاد کے لیے کسی دربار کا رخ نہیں کیا، کسی بڑے ولی یا نبی کی قبر پر جا کر اولاد کی التجائیں نہیں کیں، بلکہ ہمیشہ دربارِ الٰہی پر ہی جھکے اور اسی کو ہی پکارا اگر اس نے عطا کر دیا، قبول کر لیا شکر بھی اسی کا ادا کیا صدقہ، نذر و نیاز بھی اسی کے نام پر دی۔ اور اگر بالفرض محروم رکھا، دعا کو قبول نہ کیا تو تب بھی اس عظیم شہنشاہ کا در چھوڑ کر کہیں نہیں گئے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کی طرح اپنی ذات ہی کو پکارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ کسی پیر، فقیر یا حضرت صاحب کے نام پر ذبح کرنا یا ذبح کرتے وقت تو مسنون تکبیر پڑھنا مگر اس کے ذریعے کسی

حضرت صاحب، پیر یا سرکار کا قرب چاہنا یہ بھی شرک ہے۔ غیر اللہ کی نذرونیاز یا قربانی کرنے سے آدمی موحد نہیں رہتا ہے، بلکہ امام الموحدین حضرت محمد ﷺ نے ایسے بےادب پر لعنت فرمائی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

﴿ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ [1]

"اللہ ایسے شخص پر لعنت کرے جس نے غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کیا۔"

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں:

مَلْعُوْنٌ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ

"اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی غیر کے نام پر ذبح کرنے والے شخص پر لعنت کی گئی ہے"

اس لیے کہ جانور اللہ تبارک وتعالیٰ کی مخلوق ہے اس کو اسی کے نام پر اس کے قرب کے حصول کے لیے ذبح کرنا چاہیے۔

یاد رہے...... ! عرس گاہوں، درباروں اور میلوں پر جانور ذبح کرنا جائز نہیں، بلکہ حضرت محمد ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

﴿ عَنْ ثَابِتِ بْنِ ضَحَّاكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ نَذَرَ رَجُلٌ اَنْ يَنْحَرَ اِبِلًا بِبَوَانَةَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ هَلْ كَانَ فِيْهَا مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ ؟ قَالُوْا لَا ، قَالَ فَهَلْ كَانَ فِيْهَا

[1] صحیح مسلم: 5126

عِيْدٌ مِّنْ اَعْيَادِهِمُ الْجَاهِلِيَّةِ ؟ قَالُوْا لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَاِنَّهٗ لَا وَفَآءَ لِنَذْرٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا فِيْمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ ﴾ [1]

''ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے نذر مانی کہ وہ مقام بوانہ پر اونٹ نحر کرے......اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کچھ ہے جس کی عبادت کی جاتی تھی......؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا: نہیں! آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کیا وہاں مشرکین کے میلوں میں سے کوئی میلہ ہوتا ہے......؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا: نہیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو اپنی نذر کو پورا کر لے کیوں کہ اللہ تبارک کی نافرمانی میں نذر کو پورا نہیں کیا جاتا۔ اور نہ ہی ایسی نذر کی وفا ہے جس کی ابن آدم طاقت نہیں رکھتا۔''

اسی طرح اپنی دعا میں کسی فوت شدہ کا وسیلہ پکڑنا یا کسی نبی ولی کو سجدہ کرنا یہ ایسے امور ہیں کہ شریعت ان کی قطعاً اجازت نہیں دیتی۔

کڑے، دھاگے اور منکے

ہمارے ہاں دیکھتے ہی دیکھتے ایک عجیب قسم کا رواج پروان چڑھ چکا ہے کہ بعض نوجوان اور بزرگ نظرِ بد اور بیماری سے بچنے کے لیے مختلف قسم کے کڑے دھاگے اور منکے پہنتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے لیے باعثِ برکت ہیں، ان کی

[1] سنن ابی داؤد: 3313

وجہ سے ہمیں آفات و بلیات اور مصائب سے نجات ملتی ہے، جبکہ ایسا عقیدہ سراسر قرآن و حدیث کے خلاف ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی کھلی بے ادبی کے برابر ہے کہ ایک مسلمان اسلام کا اقرار کرنے کے بعد قرآنی آیات اور مسنون اذکار کو تو اپنے لیے باعثِ برکت نہ سمجھے اور نہ ہی ان کی پابندی کرے اور اس طرح کے کڑے اور دھاگے پہن کر اپنے آپ کو مصائب سے محفوظ سمجھے اور باعث برکت سمجھے۔

ایک مقبول درجہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو پیتل کا کڑا پہنے ہوئے دیکھا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہ تو نے کیوں پہنا ہے......؟ وہ کہنے لگا: مجھے کمزوری ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہ تیری کمزوری میں اور اضافہ کرے گا اور اگر تو اسے پہنے ہوئے مر گیا تو تو کسی صورت بھی دنیا و آخرت میں کامیاب نہیں ہوگا۔ [1] اور اسی طرح کا واقعہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو دھاگہ پہنے ہوئے دیکھا، جب آپ نے اس سے وجہ پوچھی......؟ تو وہ کہنے لگا: مجھے بخار رہتا ہے، اس لیے میں نے یہ کڑا پہنا ہے۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ جواب میں فرمانے لگے: اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان سو فیصد برحق ہے کہ اکثر لوگ ایمان لانے کے باوجود بھی اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ [2]

اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے ادب کا پہلا تقاضا ''عقیدہ توحید'' کو دل و جان سے قبول کرنے کی اور ساری زندگی اپنی بے ادبی یعنی شرک سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

---

[1] مسند احمد: 4/445 ؛ کتاب التوحید: 128۔ سند میں اگرچہ کچھ ضعف ہے۔؛ ابن ماجہ: 3531

[2] کتاب التوحید: 132 طبع دار الغد الجدید

توحید کے معاملے میں غیرت

عقیدہ توحید اور ادبِ الٰہی کے پہلے تقاضے کے حوالے سے ایک اہم بات کا سمجھنا ضروری ہے۔ کسی بھی مجلس اور محفل میں جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید اور اس کی عزت وعظمت کے خلاف کوئی بات ہو تو ہم بغیر کسی مصلحت کا شکار ہوئے اس بات کی تردید کریں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید اور اس کی عزت وعظمت کو دلائل سے واضح کریں۔ ایک سچے مخلص اور باادب صاحبِ توحید غلام کا یہی حق ہے کہ وہ ایسے موقع پر اپنی ایمانی اور توحیدی غیرت کا اظہار کرے اور کسی صورت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید اور اس کے مقام ومرتبے پر آنچ نہ آنے دے۔

حُرمتِ رسول ﷺ کے لیے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو نبوت ورسالت عطا فرمائی اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ساری خدائی کا سردار بنایا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے خصائل وخصائص عطا فرمائے جن میں کوئی آپ کا شریک نہیں جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں وارد القابات کو کسی دوسرے کے لیے استعمال کرے تو استعمال کرنے والے کو بے ادب وگستاخ کہا جائے گا۔

مثلاً آپ ﷺ کو ربّ العالمین نے ''رحمۃ للعالمین'' بنایا۔ اب کوئی کسی ولی، بزرگ یا پیر کو رحمۃ للعالمین کہے تو اسے بے ادب کہا جائے گا۔

اسی طرح آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سراج منیر بنایا۔ اب کوئی اپنے امام وپیشوا کو سراج منیر کہے تو اسے برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

جب رسول اللہ ﷺ کی حرمت وعزت اور عظمت کا یہ تقاضا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عظیم القابات میں کسی کو شریک نہیں کیا جا سکتا یا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاص القابات واعزازات کسی دوسرے پر چسپاں کرنا توہین ہے تو کیا اللہ تبارک وتعالیٰ کے القابات واعزازات کو پیروں، فقیروں پر چسپاں کرنا رب تعالیٰ کی بے ادبی نہیں......؟

☆ مثلاً کسی کو ''داتا'' کہنا یا ''گنج بخش'' خزانے بخشنے والا کہنا

☆ ''یا غوث اعظم'' (سب سے بڑا مدد کرنے والا)

جب کہ ''داتا، گنج بخش، غوث اعظم'' وہی اللہ ہی ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ایسے الفاظ غیر اللہ کے لیے کبھی نہیں بولے۔

یقین مانیں......!

یہ رب تعالیٰ کی بے ادبی کرنے کے برابر ہے، آج ہی ان عقائد سے توبہ کرتے ہوئے اللہ کے سچے باادب بنیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں کما حقہ اپنی ذات کا باادب بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

اکیلے اللہ کے نام کو اونچا کریں

ہر مقام پر اسی کے نام کو قولاً وعملاً بلند کرنا چاہیے باادب ہمیشہ اپنے سچے اللہ کے نام کو بلند کرتا ہے اور بالخصوص جب مسئلہ عزت وغیرت کا ہو تو مسلمان ذاتِ الٰہ کو بلند کرنے کے لیے تن من دھن سب کچھ قربان کر دیتا ہے اور آخر میں یہی کہتا ہے: اے مولا و آقا...... ! ابھی حق ادا نہیں ہوا۔

کثیر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حرف ''لا الہ الا اللہ'' کو با آواز بلند پڑھنے کی پاداش میں ہر قسم کا ظلم برداشت کیا۔

غزوہ احد کے موقع پر جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت کی افواہ پھیلی تو ابوسفیان نے پہاڑی پر چڑھ کر با آواز بلند کہا: هَلْ فِيكُمْ مُحَمَّدٌ ؟ ''کیا تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں......؟''

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا: خاموش رہو......! چنانچہ خاموشی دیکھ کر ابوسفیان نے سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا نام لیا۔ لیکن صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پھر جواب نہ دیا تو ابوسفیان کہنے لگا: سب مارے گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا آپ رضی اللہ عنہ نے با آواز بلند فرمایا: اے اللہ کے دشمن......! ہم زندہ ہیں! اس پر ابوسفیان اپنے بت ہُبل کا نام لے کر کہنے لگا۔

أُعْلُ هُبُلْ ''اے ھبل اونچا رہ۔''

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب سنا تو فرمایا: یہ جھوٹے معبودوں کا نام لے رہا ہے صحابہ......! اس کو جواب دو......! چنانچہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا:

اَللّٰهُ اَعْلٰى وَ اَجَلّْ

''اللہ ہی اونچا اور بزرگی والا ہے۔''

ابوسفیان کہنے لگا:

لَنَا عُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ

''ہمارے پاس عزّیٰ ہے اور تمہارے پاس عزّیٰ نہیں۔''

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے شاندار تاریخی الفاظ میں جواباً فرمایا:

اللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَى لَكُمْ [1]

''اللہ ہمارا آقا ہے اور تمہارا کوئی آقا نہیں۔''

معلوم ہوا جہاں جھوٹے معبودوں کا چرچا ہو وہاں حقیقی رب کے نام کو بلند کیا جائے گا۔

بعض اولیائے کرام کے القابات پر ایک نظر

اولیائے کرام سے محبت رکھنا اور ان کی دل وجاں سے قدر کرنا فرض ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے برگزیدہ اور محبوب بندوں کی گستاخی تباہی ہے، کسی مسلمان کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ وہ کسی اللہ والے کی بے ادبی کرے۔

لیکن اولیاء اللہ سے محبت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان میں خدائی اختیارات ثابت کرنے شروع کر دیے جائیں۔ اور جو ان کا مقام ومرتبہ اللہ تعالیٰ کے برابر نہ کرے اس کو گستاخ سمجھا جائے۔

ہمارے برصغیر پاک وہند میں اولیاء کرام کو مخصوص القابات سے یاد کیا جاتا ہے۔ مثلاً ''قطب، غوث، ابدال'' وغیرہ اور ان کی شان اور عظمت میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیے جاتے ہیں کہ فلاں حضرت صاحب قطب ہیں اور انہوں نے اتنا علاقہ سنبھال رکھا ہے۔ فلاں صاحب غوث ہیں اور ان کے اختیار کی بلندی اتنی تھی کہ انہوں نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے ساری روحیں چھین لیں۔

[1] صحیح البخاری: 4043

بلکہ عجیب حیرت کی بات ہے کہ بریلویت کے اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی صاحب کی معروف کتاب ''ملفوظات'' میں یہاں تک لکھا ہے کہ بغیر غوث کے کائنات کا نظام ہی نہیں چل سکتا...... انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جب کہ قرآن وحدیث میں ایسی کوئی بات نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو کوئی اختیار سونپا ہو، بلکہ ایسی کوئی بات نبیوں کے امام، تاجدارِ مدینہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق بھی کہیں نہیں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہو کہ آپ کے بغیر زمین وآسمان یا کائنات کا نظام نہیں چل سکتا، بلکہ حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آمد سے قبل بھی زمین وآسمان کا نظام عافیت سے چل رہا تھا اور آپ کے جانے کے بعد بھی کائنات کا نظام بدستور چل رہا ہے۔

جب زمین وآسمان کے اختیارات میں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کوئی اختیار بھی اپنے پیارے حبیب امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیا تو کسی دوسرے کو موت وحیات اور رزق کے اختیارات کیسے دیئے جا سکتے ہیں......؟

ہمارے ہاں اولیاء اللہ کی محبّت وعقیدت میں عجیب وغریب مبالغہ کیا جاتا ہے کہ جس کی قرآن وحدیث میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ مندرجہ بالا القابات کا قرآن وسنت میں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین کرام اور ائمہ محدثین رحمۃ اللہ علیہم کے دور تک کہیں تذکرہ نہیں ملتا، حالانکہ یہ زمانہ سب سے بہترین زمانہ تھا، اس دور میں نہایت صاحب تقویٰ اور اولیاء گزرے جو علم وعمل اور نیکی میں روشنی کا مینار تھے۔ ان سب حضرات کو مشکل کشا سمجھا گیا نہ ہی ان کی قبروں پر چڑھاوے چڑھائے گئے اور نہ ہی سالانہ عرس منائے گئے اور نہ ہی ان کو غوث، قطب، ابدال اور داتا جیسے القابات سے

موسوم کیا گیا۔

قارئین کرام......! ادبِ الٰہ کا اولیں تقاضا یہی ہے کہ اولیاء اللہ کی محبت میں مبالغہ آمیز انداز اختیار نہ کیا جائے اور ان میں خدائی اوصاف ثابت کیے بغیر ان کی عظمت کو تسلیم کیا جائے۔

''عقیدۂ توحید'' کی سچائی کا اظہار

انبیاء ورسل علیہم السلام اور ان کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب ''عقیدہ توحید'' کا اقرار کیا، اس کو دل وجاں سے تسلیم کیا تو بعد میں آرام سے گھروں میں نہیں بیٹھ گئے، یا صرف کاروبار ہی نہیں کرتے رہے بلکہ اس سچے عقیدے کی عظمت کے لیے ہر چیز قربان کردی، کسی نے اپنے لہو کا آخری قطرہ دے کر اپنی سچائی کا اظہار کیا، کسی نے اپنے وجود کو چھلنی کروا کر، اپنے جسم کی گرم پتھروں پر چربی پگھلوا کر عقیدہ توحید کی عظمت کو بیان کیا کوئی اس مشن کے لیے اولاد قربان کر رہا ہے کوئی مال اور جان دے رہا ہے آخر کیوں......؟

وہ سمجھتے تھے کہ اللہ کے سچے نام پر مرنا ہی زندگی ہے اور پورے عالم پر پرچم توحید کو بلند کرنا ہی مقصد حیات ہے۔

افسوس......! کہ آج ہم مؤحد بھی ہیں، مومن بھی ہیں اور نہ جانے کیا کچھ ہیں مگر اس سب کچھ کے باوجود ہم نے اپنے عقیدے کی سچائی کے لیے نہ وقت قربان کیا، نہ مال خرچ کیا، نہ ہی اپنی اولاد کو اس مشن کے لیے وقف کیا اور نہ ہی ہم اس عقیدے کی عظمت کے لیے قربان ہونے کو تیار ہیں، ہمیں عقیدے سے بڑھ کر مال پیارا، اولاد پیاری یہی وجہ ہے کہ آج ہر طرف شرک کا راج ہے، غیر اللہ کے نعرے

ہیں قبروں پر سجدے اور مزاروں کے طواف ہیں۔

یاد رکھیں......! یہ سب کچھ ہماری کمزوریوں کی بنا پر ہو رہا ہے، ہم مفاد دیکھ کر شرک کے ساتھ سمجھوتہ کر جاتے ہیں اور محمد عربی ﷺ کی سیرت کو بھول جاتے ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا: اے مشرکین مکہ......! کیا تم مجھے طمع و لالچ اور حرص دے کر عقیدہ توحید سے منحرف کرنا چاہتے ہو......؟ تمہاری ہر پیشکش جوتے کی نوک پر۔ اگر شمس و قمر بھی میرے ہاتھوں پر لا کر رکھ دو، میں تب بھی اسی کی توحید پر زندہ رہوں اور اسی کی توحید پر آخری سانس لوں گا۔ (اللہ اکبر)

ایمان افروز توحیدی آیات واذکار

عقیدہ توحید کی مضبوطی اور پختگی کے لیے سورۃ الفاتحہ، آیۃ الکرسی، سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات اور آخری تینوں قل کو اپنے سفر و حضر کا خاص ورد بنا لیں، ان کو پوری بصیرت کے ساتھ بلا ناغہ کثرت کے ساتھ پڑھتے رہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو عقیدہ توحید کی استقامت کے ساتھ ساتھ اس کی حلاوت بھی نصیب فرمائیں گے اور اسی طرح مندرجہ ذیل تین اذکار نہایت شوق اور پابندی سے پڑھتے رہیں:

﴿ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ [1]

''اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہی اور ہر قسم کی حمد اسی کے لیے ہے اور وہی ہر چیز پر ہمیشہ قدرت رکھنے والا ہے۔''

[1] صحیح مسلم: 1218، مشکوۃ المصابیح: 2555

﴿اَللّٰهُ اَللّٰهُ رَبِّيْ وَلَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا﴾ [1]

''اللہ، اللہ ہی میرا رب ہے نہ میں اس کے ساتھ شرک کرتا ہوں نہ ہی کروں گا۔''

﴿اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّ اَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ﴾ [2]

''اے میرے اللہ! تیری رحمت ہی کی امید رکھتا ہوں۔ مجھے لمحہ بھر کے لیے بھی میرے نفس کے حوالے نہ کرنا۔ میرے تمام معاملات سنوار دے تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔

موجودہ حالات میں بالخصوص جہاں خود مندرجہ بالا آیات اوراذ کار کو اپنا روز مرہ کا ورد بنانا چاہیے، وہاں دوسروں کو بھی تلقین کرنا نہایت ضروری ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آج توحید الٰہ کا ادب سیکھ کر دوسروں کو سکھلانے کی بہت ضرورت ہے گھر گھر میں شرک کے جراثیم پائے جاتے ہیں اور وہ ناپاک جراثیم دن بدن پھیل رہے ہیں اور پورے معاشرے کو عقیدہ کی بیماری میں مبتلا کر رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں عقیدہ توحید کی عظمت کے لیے قبول فرما لے اور ہماری زندگیوں میں پرچم توحید بلند ہو اور پرچم شرک سرنگوں ہو۔

آمین ثم آمین!

---

[1] ابوداود: 1525

[2] ابوداود: 5090

خطبہ نمبر 2

آدابِ الٰہی کا دوسرا تقاضا

اللہ کی پہچان

اللہ تبارک وتعالیٰ کا باادب ہی کامیاب ہے، بے ادبی بربادی ہے۔

''ادبِ الٰہ'' کا پہلا تقاضا ''اقرارِ توحید'' پورا کرنے کے بعد دوسرا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ اس عظیم خالق ومالک کی معرفت، شناخت اور پہچان حاصل کی جائے۔

یاد رہے......! کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت، پہچان اور شناخت جس قدر زیادہ ہوگی ادب بھی اسی قدر زیادہ ہوگا۔ اکثر لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کے بے ادب اسی لیے ہیں کہ ان کو پروردگار عالم کی صحیح معرفت نصیب نہیں اور آپ جانتے ہیں کہ ہر چیز کی قدر وقیمت شناسائی سے حاصل ہوتی ہے جب تک پرکھ، پہچان کی صلاحیت نہ ہوتو سنگریزے اور یاقوت میں فرق کرنا مشکل ہے۔ بھوکے کو اناج کی قدر وقیمت معلوم ہوتی ہے، ننگے کو کپڑے کی اور تاجر کو مال کی قدر کا علم ہوتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ ریشمی کپڑا کیا ہے اور سوتی کیا۔ بے خبر کیا جانے کہ لعل کیا ہوتا ہے اور موتی کیا......؟

ایسے ہی وہ لوگ بھی موجود ہیں جن کو اچھی طرح جان کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی پہچان حاصل ہے ان کی زبان ہمہ وقت اس کی یاد میں تر وتازہ رہتی ہے ان کا سر تسلیم اس کی بارگاہ میں خم رہتا ہے، لیکن ایسے مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جو ازروئے دین اس کا نام لیتے اور اس کے فرامین پر عمل کرتے ہیں ان لوگوں کو اپنی عبادت میں ایسا ذوق اور لطف حاصل نہیں ہوتا، جو ایک عارف نکتہ دان اور قدر دان کو حاصل ہوتا ہے۔ ذاتِ الٰہ کے کمالات وجمالات پر غور وفکر کرنے والا اور اس کے قدرتی شاہکاروں کو دیکھنے والا، اس کے اسمائے حسنیٰ کی مکمل

معرفت رکھنے والا اور اس کی ایمان افروز آیات کو بار بار پڑھنے والا جب اس کے سامنے جھکتا ہے تو عبادت میں دل لگی کا حسن عجیب ہوتا ہے۔

تاریخ کا مطالعہ کریں جن حضرات کو صحیح معنوں میں معرفتِ الٰہی حاصل تھی انہوں نے حکم الٰہی کی تعمیل میں اپنے بچوں کے گلوں پر چھری چلانے سے دریغ نہ کیا، اہل وعیال اور جوان بیٹوں کے میدانِ جہاد میں کٹ جانے پرواویلا نہ کیا، ان کی کھال نوچ لی گئی، گلے میں پھندا پڑا، مگر گھبرائے نہیں، اس موقع پر ابلیس لعین نے آ کر کہا: اے محبت وقربت کا دعویٰ کرنے والو......! تمہیں تعلق کا یہی صلہ ملا......؟ انہوں نے کہا: اے نافرمان لعین......! ذرا گلے میں پھندا ڈال کر اور کٹ کر تو دیکھ کہ اس میں کیسی لذت وحلاوت ہے۔

قارئین کرام......!

جب تک رب تعالیٰ کی صفاتِ عالیہ کا حسن وجمال ہمارے دل ودماغ میں سرایت نہیں کرتا اس وقت تک زندگی کا نور نصیب نہیں ہوسکتا نہ ہی ہم اس کے صحیح معنوں میں باادب بندے بن سکتے ہیں۔

عموماً آپ دیکھتے ہیں کہ جس افسر کے متعلق ہمیں علم زیادہ ہو جس کے اختیارات وکمالات کی جتنی معرفت زیادہ ہوگی اس کی شخصیت کا ادب بھی اسی قدر زیادہ ہوگا۔ اس لیے آپ ذاتِ الٰہ کی مکمل معرفت حاصل کریں۔ آپ ذرا شان ربوبیت کو ہی دیکھیں کیسے آسمان وزمین بچھائے، پہاڑ گاڑے، دریا رواں کیے، چشمے ابلنے لگے، ندیاں بہنے لگیں، سورج چمکنے لگا، چاند دمکنے لگا اور ستارے جگمگانے لگے غرض کہ سدرۃ المنتہیٰ سے لے کر تحت الثریٰ تک، انسان، حیوان، چرند، پرند، درند، شمس وقمر،

شجر و حجر اور بحر و بر ہر ایک کو بے مثال خوبصورت وجود دے کر، کس طرح سب کو سنبھالے ہوئے ہے اس سارے نظام کو بنا کر کس عمدگی سے چلا رہا ہے ہر لحظہ اس کے کرم و فضل اور عطا کا دروازہ کھلا ہے۔ ان سب سلسلوں کے حسن کو دیکھ کر بے ساختہ منہ سے یہی نکلتا ہے: سُبْحَانَكَ ...! مَا اَعْظَمَ شَانُكَ ...!

معرفت کی اہمیت

اللہ تبارک وتعالیٰ کی حقیقی معرفت ہی دین کا خلاصہ ہے، معرفت ہی دین کا آغاز ہے اور یہی دین کا اختتام ہے۔ ہمارے دین میں معرفتِ الٰہی کی حیثیت بیج جیسی ہے، جس طرح ایک چھوٹے سے بیج سے خوبصورت، دراز قد اور ثمر آور درخت بنتا ہے، اسی طرح کامل معرفت اور پہچان سے مسلمان کی شخصیت اور روحانیت ہرے بھرے خوبصورت درخت کی طرح نکھر جاتی ہے یا آپ یوں سمجھ لیں کہ دین اگر جسم ہے تو معرفت اس کی روح ہے۔ بغیر اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت اور صحیح پہچان کے آپ کسی صورت بھی اسلامی تعلیمات پر چلتے ہوئے لذت اور حلاوت محسوس نہیں کر سکتے۔ کسی بھی مسلمان کو سب سے زیادہ توجہ اسی موضوع پر دینی چاہیے کہ کسی نہ کسی طرح اپنے حقیقی مولا و آقا کے جمالات و کمالات کو پہچاننے والا بن جائے۔ قرآنِ پاک کی معروف آیت ''وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون'' [1] کی ایک صحیح تفسیر معرفت کے ساتھ بھی کی گئی ہے کہ جن و انس کی تخلیق کا مقصد ہی یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانیں ((لیعبدون أی لیعرفون)) اس کی مکمل معرفت حاصل کریں اور پھر نہایت عاجزی و انکساری کے ساتھ اس کے سامنے جھکیں......

[1] الذاریات:56

یاد رہے......! عبادت میں تبھی حسن ہوتا ہے جب اس کے پیچھے معرفتِ تامہ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی صحیح پہچان ہو۔

معرفتِ الٰہی میں انداز اپنا اپنا

اللہ تبارک وتعالیٰ کے نیک بندوں میں سے ہر خوش نصیب نے اپنے اپنے انداز سے اللہ تبارک وتعالیٰ کو پہچانا اور اس کی معرفت حاصل کی ہے۔

☆......کسی نے جود وکرم اور احسان کو دیکھا تو اسی کا ہو گیا

☆......کسی نے اس کی برداشت، بردباری، معافی اور درگزر کو دیکھا تو اس کے قریب ہوا۔

☆......اسی طرح کوئی اس کے علم وحکمت پر قربان ہوا۔

☆......کوئی رحمت وبخشش دیکھ کر آیا

☆......کوئی اس کی پکڑ، انتقام اور غلبے کے ڈر سے اس کے سامنے جھکا۔

☆......اور کوئی اس کی کبریائی، بڑائی اور لامحدود بادشاہت دیکھ کر اس کی عظمت کا شیدائی ہوا۔

غرض کہ ہر انسان نے معرفت کی دولت اپنے اپنے انداز سے پائی، آج ہم بھی اس دولت کے متلاشی ہیں تو ہمیں اس کے لامحدود اختیارات وکمالات پر غور کرنا چاہیے۔ ان شاء اللہ اگلی گھڑی یہ انمول دولت نصیب ہوگی۔ (ان شاء اللہ)

معرفتِ الٰہی کے حوالہ سے پہلے اجمالی طور پر قرآنی آیات کی روشنی سے اس کی شہنشاہی اور اختیارات وکمالات پر غور فرمائیں۔ بعد میں پھر قدرے تفصیل سے اس کی بے نیازی وعظمت کا ذکر ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے

دلوں کو اپنی معرفت کے نور سے منور فرمائے۔

''معرفتِ الٰہی'' کا صحیح ذریعہ

معرفتِ الٰہی کا صحیح اور قابل اطمینان ذریعہ انبیاء ورسل علیہم السلام ہیں۔ وحی الٰہی سے ہی صحیح ''معرفتِ الٰہی'' حاصل ہوتی ہے۔ تمام علوم کا سرچشمہ وحی الٰہی ہی ہے اور یہی علمِ وحی قلب وروح کو سچی سکینت بخشتے ہوئے کامیابی کی راہیں ہموار کرتا ہے۔ اور اسی علم سے دنیا وآخرت روشن ہوتی ہیں۔ علمِ وحی ہر قسم کے اختلاط والتباس اور شکوک وشبہات سے بالاتر ہے۔

خداشناسی اور خدارسی کا اہل بننے کے لیے قرآن مجید اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ اس لیے اللہ کی صحیح معرفت حاصل کرنے کے لیے قرآن مجید اور صفات الٰہی کا پہچاننا حد درجہ ضروری ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ سیرتِ طیبہ سے روشنی لی جائے تو صوفیائے کرام کے خود ساختہ مدارج اور طبقات طے کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی پہچان کے لیے اسمائے حسنیٰ، قرآن اور سیرتِ طیبہ ہی کافی ہے۔ انھی راہوں سے ضلالت کے بغیر معرفتِ تامہ حاصل ہوگی۔

اور ہم نے اسمائے حسنیٰ پر تفصیل سے لکھنے کے لیے ایک مستقل کتاب مرتب کرنے کی نیتِ راسخہ کی ہے اور اسی طرح قرآن مجید کی عظمت پر بھی تفصیل کے ساتھ ایک مستقل کتاب علمی وتحقیقی مواد سے بھرپور تحریر کریں گے...... ان شاء اللہ

یہاں پر اشارے میں صرف اتنی بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی پہچان کے لیے سب سے مفید ترین عمل صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء

پر غور کرنا اور قرآن مجید کی گہرائی میں اترنا ہے...... اور یہ غور اور گہرائی میں اترنا رسول اللہ ﷺ کی سیرت کی روشنی میں ہوگا وگرنہ تصوف کی گمراہیوں سے تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی اچھی طرح واقف ہے۔

غور و فکر اور معرفت

قربِ الٰہی کی حلاوت اور ادبِ الٰہی کی بلندیوں پر فائز ہونے والے خوش نصیب ائمہ کرام نے غور و فکر کو بھی معرفت کا بہت بڑا ذریعہ قرار دیا ہے۔ غور و فکر کا سادہ مطلب تو یہ ہے کہ انسان خاموشی کے ساتھ قدرت کے کارخانے پر غور کرتا رہے۔

☆...... آسمان کی بلندی اور اس کی وسعتوں پر غور و فکر کرنا

☆...... زمین کی ہمواری، اس پر ہونے والی کھیتی باڑی پر غور کرنا

☆...... دریاؤں کی لہروں اور سمندروں کی موجوں پر غور و فکر کرنا

☆...... فضاؤں میں چہچہانے والے پرندوں کی اداؤں پر غور کرنا

☆...... اور اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے کئی طرح کے موسم پیدا کیے ہیں اور انسان سمیت لاکھوں مخلوقات کو پیدا کرتے ہوئے ان کو نہایت سلیقے سے اس جہان میں بسایا ہے...... جب کوئی بھی انسان خاموشی کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس کاراگری اور قدرت کی شاہکاری پر غور کرتا ہے تو وہ بے ساختہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبّت میں ڈوب جاتا ہے۔ اس کا دل اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبّت سے بھر جاتا ہے، اس کی نگاہیں اللہ کے سامنے نم ہو جاتی ہیں اور وہ اپنی زبان سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد و ثنا کے گیت گاتا ہے...... ربنا ماخلقت هذا باطلا

بعض صحیح روایات میں جو خاموشی کی فضیلت وارد ہوئی ہے وہ بھی اسی معنیٰ میں ہے کہ انسان خاموشی کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت پر تدبّر، تفکّر اور غور وفکر کرتا رہے...... انبیاء ورسل علیہم السلام سمیت نیک لوگوں میں یہ ایک امتیازی خوبی ہوا کرتی ہے۔

خاموش بڑی محفل میں چلّانا اچھا نہیں ہوتا
ادب پہلا قرینہ ہے محبّت کے قرینوں میں

آیاتِ معرفت

کائنات کی ہر چیز کا خالق

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک پیارا صفاتی نام ''خالق'' بھی ہے۔ جس کا معنی ہے ''پیدا کرنے والا، عدم سے وجود بخشنے والا'' اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان سمیت لاتعداد مخلوقات کو پیدا فرمایا اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ ہر مخلوق اپنی روزمرہ کی زندگی میں، اپنی ضرورت سے بڑھ کر ہر نعمت سے فیض پا رہی ہے۔ انسان ہی کو دیکھ لیں کہ اس کے لیے پیارے خالق نے کھانے، پینے اور پہننے کی ہزاروں نعمتیں پیدا فرمادی ہیں، پھل فروٹ، سبزیاں، لحمیات، اجناس اور پھولوں اور جڑی بوٹیوں کی ایک طویل فہرست ہے کہ جسے کوئی شخص بھی مرتب نہیں کرسکتا، ذہین سے ذہین شخص بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کو اپنے شمار میں نہیں لاسکتا۔ اسی طرح ہر پرندے کے لیے اس کے ماحول کے مطابق غذا پیدا کی اور حسبِ مزاج درختوں اور پہاڑوں پر ان کے آشیانے بنائے، شترمرغوں کے لیے صحرائے افریقہ جیسے مقامات بنائے، پانی کے جانوروں کے لیے الگ سے ایک منفرد جہان ہے، غرضیکہ آپ کسی بھی مخلوق کے رہن سہن کو دیکھ لیں تو آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمتِ ربوبیت اور شانِ خلاّقیت نمایاں نظر آئے گی۔ اسی لیے تو قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی صفتِ خلق کا ذکر فرمایا ہے۔ جیسا کہ سورۂ زمر میں ہے:

﴿1﴾ ﴿ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿٦٢﴾ ﴾ [1]

---

[1] الزمر:62

”اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے وہی ہر چیز پر کارساز ہے۔“

2 ﴿ وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٨٤﴾ ﴾ [1]

”اور اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کو بھی۔“

3 ﴿ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾ [2]

”اور وہ پیدا کرتا ہے اور پیدا کرتا رہے گا جس کو تم نہیں جانتے ہو۔“

آج تک سائنس اس بارے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہے کہ اس کائنات اور اس کے خزانوں کا خالق کون ہے......؟ یہ سارا کچھ کیسے وجود میں آ گیا......؟ ہر سو سال کے بعد ان لوگوں کی تحقیقات بدلتی رہتی ہیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس بنیادی اور اہم سوال کا جواب اپنی صفتِ خلق کے ساتھ دیا ہے کہ اس جہانِ رنگ و بو میں موجود ہر شئے کا پیدا کرنے والا خالق میں ہی ہوں۔

کائنات کی ہر چیز کا مالک

اللہ تبارک وتعالیٰ صرف خالق ہی نہیں، بلکہ ہر ایک چیز کے حقیقی مالک بھی ہیں۔ وہی اس کائنات کا صاحبِ اختیار، صاحبِ اقتدار، حقیقی بادشاہ، بلکہ شہنشاہ ہے۔ اس کے سوا اس دنیا میں ملکیت اور سلطنت کے سب دعوے دار عارضی ہیں یا جھوٹے ہیں اور ہر عقل مند یہ بات اچھی طرح سمجھتا ہے کہ حقیقی مالک وہی ہوتا ہے

1. الشعراء:184
2. النحل:8

جس سے کوئی کچھ بھی نہ چھین سکتا ہو اور وہ صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہی ذات ہے۔ ہم نے دنیا میں دیکھا ہے کہ بڑی بڑی بادشاہتوں کا دعویٰ کرنے والے دنیا سے جاتے ہوئے ہر چیز یہاں چھوڑ کر بے یار و مددگار مر جاتے ہیں۔

یاد رکھو......! ہم مالک ہیں نہ ہمارے باپ دادا مالک تھے اور نہ ہی ہمارے بیٹے اور پوتے مالک ہوں گے۔

سب کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ عارضی ہے اور بطورِ امتحان ہے۔ حقیقی ملکیت، سلطنت، بادشاہت اور اختیار صرف اور صرف اکیلے اللہ کا ہے۔ اس حقیقت کو ہمیں اچھی طرح جان لینا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ملوکیت اور ملکیت کی ہوس ہمیں آپے سے باہر کر دے اور ہم نافرمانی و سرکشی کرتے ہوئے دنیا سے چلے جائیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ملکیت، ملوکیت اور مالکیت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝٨٨ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝٨٩﴾ [1]

”ان سے پوچھیے کہ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ ساری ملکیت و حکومت کس کی ہے......؟ وہ کون ہے جو پناہ دیتا ہے مگر اسکے مقابلہ میں کسی کو پناہ نہیں مل سکتی۔ وہ فوراً کہیں گے اللہ ہی ہے آپ کہیے! پھر تم پر کہاں سے جادو چل جاتا ہے۔“

[1] المومنون:88

اس آیت میں لفظ ملکوت استعمال ہوا ہے جس میں مُلْك ، مِلْك ، مَلْك تینوں معنی پائے جاتے ہیں اور یہ مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے کہ ہر چیز پر مکمل حاکمیت اور بادشاہی صرف اور صرف اسی کی ہے۔

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۶﴾ [1]

''اے محمد! (ﷺ) کہہ دیجیے! اللہ ہی شہنشاہ ہے جسے چاہتا ہے بادشاہت دیتا ہے اور جس سے چاہے چھین لیتا ہے جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلیل کرتا ہے تیرے ہاتھ میں ہی ہر قسم کی بھلائی ہے اور تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔''

یاد رہے! آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اللہ کے سوا کسی کو شہنشاہ نہ کہو۔ [2]

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۝۱ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝۲ [3]

''بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں کائنات کی سلطنت ہے کوئی چیز بھی اس کے حکم کے سامنے دم نہیں مار سکتی اور وہی ہر چیز پر قادر ہے

---

[1] آل عمران:26
[2] جامع الترمذی:2837
[3] الملک:1-2

جس نے زندگی و موت کا نظام بنایا تاکہ وہ آزمائش کرے اعمال میں بہت اچھا کون ہے۔ اور وہی غلبے والا بہت بخشنے والا ہے۔''

الْمُلْكُ لِلّٰهِ ... والأرض لِلّٰه... والحكم لِلّٰه

ہر چیز پر قابض

قابض کا معنی ہے ''قبضے والا، تسلط والا'' اس کائنات کی ہر چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کی گرفت اور قبضے میں ہے۔ کوئی انسان، حیوان، جن، فرشتہ حتی کہ کوئی ذرّہ اور قطرہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی دسترس، گرفت اور پکڑ سے باہر نہیں ہے۔ وہ مخلوق پر جو چاہتا ہے، جب چاہتا ہے کر گزرتا ہے، اس کائنات پہ صرف اسی اکیلے کا تصرف ہے۔ اس کی دی ہوئی مہلت کو شکست سمجھنا بہت بڑی جہالت ہے۔ اسی لیے تو اس نے خود ہی ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ۝ ﴾ [1]

''اور اللہ کو تو آسمانوں یا زمین کی کوئی چیز بھی عاجز نہیں کر سکتی بلاشبہ وہ سب کچھ جاننے والا، قدرت والا ہے۔''

﴿ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ ﴾ [2]

---

[1] فاطر:44

[2] الزمر:67

”قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔“

﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۱﴾ [1]

”اور اللہ اپنے حکم پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ یہ بات نہیں جانتے۔“

یعنی سب کچھ اس کے ماتحت، کنٹرول اور قبضہ میں ہے وہ جس مخلوق کو جیسے چاہے زیر، زبر کرسکتا ہے۔

ہر چیز کا رازق

اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت کے حوالے سے ان بنیادی چار صفتوں کا جاننا نہایت ضروری ہے کہ خالق بھی وہ ہے، مالک بھی وہ ہے، قابض بھی وہ ہے اور ہر ایک کا رازق بھی صرف اور صرف وہی ہے اور وہ ایسا رزاق ہے کہ جو روزانہ روٹی کھاتے ہیں وہ ان کو کھانے کے لیے روٹی دیتا ہے، جو روزانہ بوٹی کھاتے ہیں وہ ان کو کھانے کے لیے بوٹی دیتا ہے اور روزانہ جو موتی کھاتے ہیں وہ ان کو روزانہ موتی دیتا ہے، غرضیکہ ہر ایک کی ضرورت کو لاتعداد ماکولات ومشروبات سے پورا کرتا ہے، اسی لیے تو اس کا ارشادِ پاک ہے:

﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۰﴾ [2]

[1] یوسف:21

[2] عنکبوت:60

''اور کتنے ہی ایسے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے ، اللہ انہیں رزق دیتا ہے اور تم کو بھی وہی دیتا ہے ۔ اور وہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔''

یعنی بیشمار جاندار ایسے ہیں جن کو ہر روز تازہ ،نئ اور عمدہ روزی ملتی ہے اور جو اللہ جانوروں کو عمدہ روزی پہنچاتا ہے کیا وہ اپنے فرمانبردار بندوں کو محروم رکھے گا......؟ ہرگز نہیں۔

﴿ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴾ [1]

''بے شک اللہ ہی بے حد رزق دینے والا ، طاقت والا ، نہایت مضبوط ہے۔''

قارئین کرام......! جب ہر شئے کا خالق و مالک ، قابض اور رازق اللہ ہی ہے اس کے سوا سب عاجز ، بے بس اور محتاج ہیں تو پھر اس قدر عظیم حقائق کو جان کر ، اختیارات پروردگار پہچان کر اور اس کی بے مثال عظمت و قدرت کو مان کر ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ سربسجود ہونا چاہیے۔ اور اس عالی ذات کا ایسا ادب کرنا چاہیے جو اس کی بزرگی اور شان کے لائق ہے۔

اے مولا......! ہم کو اپنی معرفت کا زیور دے کر اپنا ہی بنا۔ تیری غلامی میں جیئیں اور تیری غلامی میں ہی مریں۔ آمین ثم آمین !

---

[1] الذاریات:58

معرفتِ الٰہی کے تفصیلی شہ پارے

سب کو سلائے خود نہ سوئے

ہمارا اللہ، خالق، مالک، قابض اور رازق ہے اور شان یکتائی یہ بھی ہے کہ وہ سوتا نہیں...... ہاں ہاں فرق ہے ہم سوئیں نظام چلے، وہ سو جائے تو نظام نہ چلے، سونا تو درکنار اسے اونگھ بھی نہیں آتی وہ ﴿ لا تاخذه سنة ولا نوم ﴾ ✱ کی شان والا ہے وہ ہمیشہ سے قائم ہے ہمیشہ قائم و دائم رہے گا لیکن کبھی اونگھ تک نہ آئے گی۔

اے غافل انسان......! جو ہر گھڑی تجھے پیار سے دیکھے تو اس کی نافرمانی کر رہا ہے......؟

سب کو بھلادے خود نہ بھولے

اسی طرح وہ بھولتا بھی نہیں، وہم سہو اور نسیان جیسی تمام کمزوریوں سے پاک اور ایسا پاک کہ سب کو بھلائے مگر خود نہ بھولے۔ تب ہی تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے وجیہانہ انداز سے جواب دیا:

اے سہو و نسیان کے پتلے......! میرا رب تو وہ ہے

﴿ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴾ ✱ "جو نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے۔"

اللہ رب العزت نے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا:

﴿ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَى ۝ إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ ﴾ ✱

"قرآن ایسا پڑھائیں گے کہ آپکو بھولے گا نہیں مگر جو میں نے

✱ البقرہ:255 ؛ طٰہٰ:52 ؛ اعلیٰ:6

چاہا وہ بھولے گا۔‘‘

امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی خود فرمایا: اَنْسٰی كَمَا تَنْسَوْنَ [1] ’’میں بھی تمہاری طرح بھول جاتا ہوں‘‘ نہ بھولنا اسی کی شان ہے جو لحظہ بھر کے لیے بھی نہیں اونگھتا۔ سبحان اللہ!

قارئین کرام......!

یہاں ضمناً ایک تربیتی وفکری بات آپ کے پیش خدمت کرنا چاہتا ہوں کہ بالآخر ہر کوئی ہر کسی کو بھول جاتا ہے مال آیا تو جانثار اور حب دار کو بھی بھول گیا، لوگو! جو بھول جاتے ہیں ان کے لیے جیتے ہو، ان کے لیے مرتے ہو......؟ ان کے لیے وقت، مال اولاد حتی کہ جان تک قربان کر دیتے ہو......؟ لیکن جو رب، جو رحمن، جو رحیم و کریم تمہارے ذرّے کو نہ بھولے تمہاری رائی کے دانہ برابر نیکی کو یاد رکھے اور اسی کو پہاڑ بنا دے، ایسے قدردان، مہربان اور عظیم سلطان کو کیوں بھول جاتے ہو......؟ پھر اس سے غافل رہتے ہو، نکمی دنیا کے لیے، فانی مال وزر کے لیے، یقیناً یہ بہت بڑا ظلم اور ناانصافی ہے۔ اور یاد رکھو......! جو آج اس کو اور اس کے ارشادات واحکامات کو بھول گیا، قیامت کے روز مالک ومولا اس بے ادب کو اپنی رحمت سے محروم کر دے گا اور ایسے احسان فراموش کا کوئی حامی وناصر نہ ہوگا، آیئے! آج ہی اس کے قدر شناس بنیں اور اس کی معرفت حاصل کریں، اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

سب کو کھلائے خود نہ کھائے

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی معرفت وعظمت اور پہچان کے لیے یہ بات بھی قابل

---

[1] صحیح البخاری: 401

توجہ ہے کہ وہ ایسا غنی اور بے نیاز ہے کہ سب کو کھلاتا ہے لیکن خود نہیں کھاتا۔ نہ کوئی اسے کھلاتا ہے قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس حوالہ سے اپنی پہچان کرواتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ هُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾ [1]

”آپ ان سے کہیے......! کیا میں اس کو چھوڑ کر کسی اور کو سرپرست بنالوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور سب کو کھلاتا ہے لیکن کسی سے کھانا لیتا نہیں......؟ آپ ان سے کہیے! مجھے یہی حکم ہوا ہے کہ میں سب سے پہلے سرِ تسلیم خم کروں اور شرک کرنے والوں میں شامل نہ ہوں۔“

کائنات میں مختلف جنس کی لاتعداد ذی روح مخلوقات ہیں جن کو جب کھانے، پینے کی ضرورت ہوتی ہے وہ انہیں کھلاتا ہے اور ان کو ان کی پسند کا کھلاتا ہے گوشت کھانے والے کے لیے تازہ گوشت، موتی کھانے والے کے لیے موتی اور اسی طرح بیشمار ماکولات ومشروبات، غذائیں، خوراکیں، پھل پھول اپنی مخلوقات کے لیے پیدا فرمائے۔ سب کو کھلاتا ہے مگر خود نہیں کھاتا...... (سبحان اللہ)

اے غافل انسان......! ایسے بے نیاز، غنی اور بے پرواہ داتا سے رزق مانگ! جس کا کام ہی عطا کرنا ہے خود اسے ان غذاؤں کی حاجت وضرورت نہیں، مگر

---

[1] الانعام: 14

افسوس آج انسان رزق کی فکر تو کرتا ہے مگر رازق کی پروا نہیں کرتا۔

سب کو سکھلائے خود نہ سیکھے

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفت علم بھی معرفت الٰہی کا عظیم جوہر ہے انسان کو دیگر مخلوقات سے زیادہ علم عطا فرمایا۔ مگر ساتھ فرما دیا:

﴿وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ [1]

''تم علم کا بہت تھوڑا حصہ دیئے گئے ہو''

وہ پروردگار عالم، علام الغیوب، علیم بذات الصدور اور بکل شیء علیم کی شان والا ہر مخلوق کو اس کی ضرورت کے مطابق علم عطا کرتا ہے مگر حصول علم میں کسی کا محتاج نہیں۔ اس کے علم کی کوئی حد بھی نہیں لیکن جو علم اس نے اپنے بندوں کو عطا کیا اس کی ایک جھلک سورۂ نمل آیت 40 میں دیکھی جا سکتی ہے اس کے علم کی وسعت وکثرت کا مندرجہ ذیل آیات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

﴿وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَّمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِن قُرْآنٍ وَّلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿٦١﴾﴾ [2]

---

[1] بنی اسرائیل:85

[2] یونس:61

''اور اے لوگو......! جو کام بھی تم کر رہے ہوتے ہو ہم ہر وقت تمہارے پاس موجود ہوتے ہیں جب کہ تم اس میں مشغول ہوتے ہو زمین اور آسمان میں کوئی ذرّہ بھر چیز بھی ایسی نہیں جو آپ کے پروردگار سے چھپی رہ سکے اور ذرّہ سے بھی چھوٹی یا اس سے بڑی کوئی چیز بھی ایسی موجود نہیں جو واضح کتاب لوح محفوظ میں درج نہ ہو۔''

﴿ وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۝۵۹ ﴾ [1]

''اور یہ غیب کی چابیاں تو اسی کے پاس ہیں جسے اس کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا بحر و بر میں جو کچھ موجود ہے اسے وہ جانتا ہے اور کوئی پتہ تک نہیں گرتا جسے وہ جانتا نہ ہو نہ ہی زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہے جس سے وہ باخبر نہ ہو اور تر اور خشک جو کچھ بھی ہو سب کتاب مبین میں موجود ہے۔''

جو علم والا ایک ایک ذرے اور پتے سے باخبر ہے اس کا دل وجان سے ادب کرنا چاہیے اور اس کا ادب یہی ہے کہ اچھی طرح اس کی معرفت حاصل کرنے کے بعد آدمی اسی کا ہو جائے اور اس کی رضا جوئی، ادب اور خوشنودی کے لیے اپنا سب کچھ کھپا دے۔

---

[1] الانعام:59

وہ سب کو پوچھے مگر اسے کوئی نہ پوچھے

مندرجہ بالا کمالات وجمالات کے ساتھ ساتھ وہ اس قدر اقتدار، غلبے اور قوت کا مالک ہے کہ اپنے تمام فیصلوں میں بااختیار ہے وہ جو چاہے جب چاہے اسے کر گزرنے پر پوری قوت وطاقت رکھتا ہے۔ اور وہ جو فیصلہ کر دے اس کے نافذ ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا اور نہ ہی کوئی اسے پوچھ سکتا ہے کہ آپ نے ایسے کیوں کیا......؟ قرآن مجید میں ہے:

﴿ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝۲۳ ﴾ [1]

''جو وہ کرتا ہے اس کے متعلق کوئی باز پرس نہیں کر سکتا اور لوگوں سے ضرور پوچھا جائے گا۔''

یعنی وہ ایسا مطلق العنان بااختیار بادشاہ ہے کہ وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں بلکہ سب اس کے سامنے جواب دہ ہیں۔ (سبحان اللہ) مولائے کریم کی اس عظمت وشان کو حالاتِ حاضرہ سے اس طرح باآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ چند سال قبل سونامی سیلاب آیا جس میں ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں، لاکھوں کا نقصان ہوا یا چند سال قبل کوہاٹ مظفر آباد میں شدید زلزلہ آیا جس میں سینکڑوں بچے، جوان، بوڑھے اور عورتیں کچلی گئیں۔ (اس سب کی حکمتیں وہی جانتا ہے) لیکن کیا آپ نے کبھی کوئی خبر سنی یا پڑھی کہ دنیا کے بادشاہوں، وزیروں، وڈیروں اور سرداروں کی کوئی مجلس یا میٹنگ ایسی ہوئی ہو جس میں انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہو کہ اس رب سے تو پوچھیں وہ

---

[1] الانبیاء:23

کیا کر رہا ہے......؟

یا کہیں غوث، قطب، ابدال اور پیروں کا اکٹھ ہوا ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے پوچھیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے......؟ پوچھنا تو در کنار کبھی کسی کے دل و دماغ میں خیال تک بھی آتا ہے کہ اس سے پوچھیں کہ وہ کیا کر رہا ہے......؟

قارئین کرام......!

جو مولا و داتا اس قدر بے نیاز اور با اختیار غلبے والا ہے تو تنہائی میں بیٹھ کر اسے کہا کریں کہ اے خالق و مالک......! تیری ذات بڑی عظیم ہے اور تجھے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ یا اللہ! اگر تو نے مجھے معاف کر دیا یا میری دلی آس مراد پوری کر دی تو تجھے کسی نے پوچھنا تو نہیں، یا اللہ......! میری آس مراد پوری کر دے اور مجھے معاف فرما دے۔

لاحول ولاقوۃ الا باللہ

یہ مختصر کلمات ہیں مگر معنیٰ ومفہوم کے لحاظ سے انتہائی جامع ہیں، دین میں ان کو خصوصی حیثیت حاصل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کلمات کو پڑھنے کی حد درجہ رغبت، فضیلت اور عظمت بیان فرمائی ہے اور ان کا اجر وثواب بھی بہت زیادہ ہے وجہ یہی ہے اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت، عظمت اور معرفت کو بیان فرمایا گیا ہے سب سے پہلے ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' کے متعلق وارد احادیث کا مطالعہ کریں پھر اس میں پنہاں اللہ کی معرفت، شناخت اور پہچان کا تذکرہ ہوگا۔

جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مبارک کلمات کو جنت کا دروازہ قرار دیا ہے۔

﴿عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ اَنَّ اَبَاهُ دَفَعَهُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَخْدُمُهُ قَالَ: فَمَرَّ بِي النَّبِيُّ ﷺ وَقَدْ صَلَّيْتُ فَضَرَبَنِيْ بِرِجْلِهِ وَقَالَ: اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى بَابٍ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ: قُلْتُ بَلٰى قَالَ: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ [1]

''قیس بن سعد سے روایت ہے ان کے باپ نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کے لیے وقف فرمایا تھا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ چکا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس سے مجھے پاؤں مارتے ہوئے گزرے اور فرمایا: کیا جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے

[1] صحیح سنن الترمذی:183، صحیح الترغیب:1582، سلسلہ احادیث صحیحہ:1746

پر تیری رہنمائی نہ فرماؤں......؟ میں نے کہا: کیوں نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔"

جنت کے پودے

انہیں مبارک کلمات کو جنّت کے پودے قرار دیا۔

﴿ وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَیْلَةَ اُسْرِیَ بِهٖ مَرَّ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ فَقَالَ : مَنْ مَعَكَ یَاجِبْرَائِیْلُ ؟ قَالَ : هٰذا مُحَمَّدٌ ، فقَالَ لَهُ اِبْرَاهِیْمُ یَامُحَمَّدُ مُرْ اُمَّتَكَ فَلْیُكْثِرُوْا مِنْ غِرَاسِ الْجَنَّةِ فَاِنَّ تُرْبَتَهَا طَیِّبَةٌ وَاَرْضَهَا وَاسِعَةٌ ، قَالَ : وَمَا غِرَاسُ الْجَنَّةِ قَالَ : لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾ [1]

"حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام معراج والی رات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انہوں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد (ﷺ)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے محمد (ﷺ)! اپنی امت کو حکم کرنا کہ وہ جنت میں زیادہ پودے لگائیں کیونکہ اس کی مٹی پاکیزہ اور زمین وسیع ہے۔ آپ نے کہا جنت کے پودے کیا ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔"

---

[1] صحیح الترغیب والترہیب:1583، الاسراء والمعراج۔ امام البانی:107

جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ

ان مبارک کلمات کی عظمت و فضیلت کو بیان کرتے ہوئے کبھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو جنت کا دروازہ کہا، کہیں جنت کے پودے قرار دیا اور مزید شان بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

﴿اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى كَنْزٍ مِّنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ فَقُلْتُ: بَلٰى فَقَالَ: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ [1]

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کیا میں تجھے جنت کے خزانوں میں سے کسی خزانے پر راہ نمائی نہ کروں......؟

میں نے کہا: کیوں نہیں......! آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

اور ایک روایت کے الفاظ ہیں:

﴿اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى كَلِمَةٍ مِّنْ تَحْتِ الْعَرْشِ مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ﴾

”کیا میں تیری ایسے کلمے پر راہنمائی نہ کروں جو عرش کے نیچے جنت کے خزانے میں سے ہے؟“

اس قدر عظیم الشان اور رفیع المرتبت کلمات کو جو عظمت و مقام حاصل ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کلمات میں معرفتِ الٰہی کے دریا بہہ رہے ہیں اس کوزے میں پروردگار عالم نے اپنی معرفت و قدرت اور اختیارات کے سمندر بند کر دیئے ہیں جو ان مبارک کلمات کی حقیقت کو سمجھ گیا اور جس کی ان کے مطابق تربیت

[1] صحیح مسلم: 6868

ہوگئی وہ دنیا وآخرت میں کبھی ناکام نہیں ہوسکتا۔

آیئے......! ان کلمات میں پوشیدہ خزانوں سے ذرا پردہ اٹھائیں۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

لفظی معنی تو یوں ہیں کہ ''نہ حرکت نہ قوت، مگر اللہ تبارک وتعالیٰ (کی توفیق) سے''

لفظ ''حول'' کا معنی ہے ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنا

لفظ ''قوۃ'' طاقت وقدرت کے معنی میں ہے، یعنی ہر قسم کی خرابی، برائی اور شر سے بچنے کی توفیق اور کوئی بھی نیک عمل کرنے کی طاقت صرف اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی عطا فرماتے ہیں۔ (سبحان اللہ)

مطلب کہ یہ مختصر کلمات پڑھ کر بندہ اپنی بے بسی کا اظہار کرتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے اللہ......!

ہر قسم کی برائی سے اگر تو مجھے نہ بچائے تو میں بچ نہیں سکتا اور نیک عمل کی توفیق اگر نہ دے تو میں نیک عمل کر نہیں سکتا۔

قارئین کرام......! اس عظیم داتا کی عظیم شان کو اچھی طرح پہچانیں......! برائی سے بچائے تو وہ...... نیکی کی توفیق دے تو وہ...... پھر ہم اتراتے، فخر کرتے اچھے نہیں لگتے......؟

ان مبارک کلمات کو جنت کا خزانہ اسی لیے کہا کہ جو اس کی بڑائی، عظمت، بزرگی اور شان توفیق وقوت کو دل وجان سے پہچانتے ہوئے تسلیم نہیں کرتا۔ اسے جنت تو درکنار جنت کی ہوا تک نصیب نہ ہوگی۔

آپ نے کبھی غور کیا کہ مؤذن جب اللّٰہُ اکبر کہتا ہے تو جواب میں ہم بھی اللّٰہُ اَکبر کہتے ہیں، اسی طرح انہی کلمات کے ساتھ پوری اذان کا جواب دیا جاتا ہے لیکن جب مؤذن حیَّ علی الصَّلوۃ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح حَیَّ، عَلَی الفَلَاح آؤ نماز کی طرف، آؤ نماز کی طرف، آؤ کامیابی کی طرف، آؤ کامیابی کی طرف تو ہم جواب میں حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ یا حَیَّ عَلَی الْفَلَاح نہیں کہتے۔ بلکہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہتے ہیں۔

اس لیے کہ ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ

اے پروردگارِ عالم...... ! اگرچہ مؤذن نے تیری کبریائی و بڑائی کا اعلان کر دیا ہے اور اس نے مجھے یاد بھی کروا دیا ہے

لیکن مولا...... ! اگر تیری توفیق شامل نہ ہوئی تو ادائیگی صلاۃ والی عظیم نیکی میں کبھی نہیں کر سکوں گا۔

پروردگار...... ! مجھے دنیا کے گھیرے سے نکال اور اپنے سامنے سر جھکانے کی توفیق دے۔ الٰہی! ہر شئے سے محفوظ فرما کر نیکی کی توفیق عطا فرما۔ آمین ثم آمین!

یہ چند باتیں معرفت الٰہی اور اللہ کی پہچان میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں ان کو بار بار پڑھیں، غور کریں اور اپنے قلوب واذہان کو نورِ معرفت سے منور کریں تاکہ ادبِ الٰہی میں کوئی تقصیر نہ ہو۔ آخر میں آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی دعا پڑھتے ہیں جس سے اس کی قدرت کی پہچان ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے بعد فرمایا کرتے:

﴿ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا

﴿يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ﴾ [1]

''اے اللہ......! کسی کو تو کچھ عطا کرنا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا اور اگر تو کسی کو نہ دے تو کوئی دے نہیں سکتا اور نہ ہی کسی طاقتور بزرگی والے کی حیثیت ہی تجھ سے کچھ فائدہ دے سکتی ہے۔''

یعنی رب تعالیٰ پر کسی کا زور نہیں چلتا۔ بلکہ وہ دینے پر آئے تو روکنے والا کوئی نہیں اور اگر وہ روکنے پر آئے تو دینے والا کوئی نہیں۔ (سبحان اللہ)

﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۳﴾ [2]

''وہی اوّل، وہی آخر وہی ظاہر، وہی باطن اور وہی ہر چیز کا ہمیشہ کے لیے پورا پورا علم رکھنے والا ہے۔''

دعا ہے کہ مولا......!

ہمیں اپنی حقیقی معرفت نصیب فرمائے اور ہماری زندگی کو خیر و برکت والا بنا کر ہمیں باادب بندہ بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

---

[1] صحیح البخاری: 844
[2] الحدید: 3

معرفتِ الٰہی کے نتائج اور فوائد وثمرات

☆ معرفتِ الٰہی ہی دین کی اصل اساس ہے جس قدر اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت زیادہ ہوگی دین پر عمل کرنا آسان ہوگا۔

☆ عبادت میں لذت اور گناہ سے نفرت تبھی ہوگی جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت وجلالت کا صحیح علم ہوگا۔

جس عمارت کی بنیاد جس قدر مضبوط ہوگی وہ عمارت اس قدر پائیدار ہوگی۔ معرفت الٰہی کو بھی دین میں یہی حیثیت حاصل ہے جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات وعادات سے بخوبی آگاہ ہوتا ہے اس کا ایمان پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے اور اس کی ایمانی حلاوت سے ہر ایک مٹھاس پاتا ہے۔ مزید معرفتِ الٰہی کے نتائج اور فوائد وثمرات ائمہ کرام کے اقوال کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

عارف باللہ کی مجلس کے فوائد

رب والا وہ ہے جس کے پاس بیٹھ کر رب یاد آجائے، توحید کی کرنیں روشن ہوں، سنت رسول ﷺ کے پھول کھلیں اور روح وقلب حبِ الٰہ سے سرشار ہوجائیں۔ اہل معرفت نے عارف باللہ کے پاس بیٹھنے کے چھ فوائد بیان کیے ہیں: کہ آدمی

مِنَ الشَّكِّ اِلَى الْيَقِيْنِ وَمِنَ الرِّيَاءِ اِلَى الإِخْلَاصِ، وَمِنَ الْغَفْلَةِ اِلَى الذِّكْرِ، وَمِنَ الرَّغْبَةِ فِي الدُّنْيَا اِلَى

الرَّغْبَةِ فِي الْآخِرِ، وَمِنَ الْكِبْرِ اِلَى التَّوَاضُعِ وَمِنْ سُوْءِ الطَّوِيَّةِ اِلَى النَّصِيْحَةِ [1]

''شک سے یقین، ریاء سے اخلاص، غفلت سے ذکر، دنیا کی حرص سے آخرت کی رغبت، تکبر سے عاجزی وانکساری، نیت کی خرابی سے نصیحت کی طرف آجانا۔''

یعنی عارف باللہ کی معیت سے علم وعمل وفہم شریعت میں اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن آج کل کئی ''رسمی عارف باللہ'' ایسے ہیں کہ جن کی مجلس میں سوائے بدعات، خرافات، فضولیات اور ڈانس بھنگڑا کے کچھ نہیں ملتا۔

فرمان ھرم بن حیان رحمۃ اللہ علیہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت اور اس کی اطاعت کا جذبہ تبھی پیدا ہوگا جب اس کی حقیقی معرفت نصیب ہوگی۔

﴿ اَلْمُؤْمِنُ اِذَا عَرَفَ رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ اَحَبَّهُ وَاِذَا اَحَبَّهُ اَقْبَلَ اِلَيْهِ ﴾ [2]

''ایمان والا جب اللہ تبارک وتعالیٰ کو پہچانے گا تو اس سے محبت کرے گا اور جب اس سے محبت کرے گا تو پھر اسی کی طرف متوجہ رہے گا۔''

یعنی محبت اس کو دائیں بائیں نہیں جانے دے گی۔

[1] بصائر ذوی التمییز: 2/56

[2] موسوعہ نضرۃ النعیم: 8/3454

فرمان امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی معرفتِ الٰہی کو اصل بنیاد قرار دیا، یہ جس قدر زیادہ ہوگی ہر اچھائی کی رغبت اس قدر زیادہ بڑھے گی، فرماتے ہیں کہ:

﴿مَنْ ذَاقَ طَعْمَ الْمَعْرِفَةِ وَجَدَ طَعْمَ الْمُحَبَّةِ ، فَالرِّضَا مِن جُمْلَةِ ثَمَرَاتِ الْمَعْرِفَةِ ، فَإِذَا عَرَفْتَه سُبْحَانَهُ رَضِيْتَ بِقَضَائِهِ﴾ [1]

''جس نے معرفت کا ذائقہ چکھ لیا اس نے محبت کی لذت پالی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے تمام فیصلوں پر خوشی معرفت کے نتیجہ ہی میں حاصل ہوتی ہے۔''

یعنی جو شخص جس قدر زیادہ اپنے اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت کا عارف ہوگا وہ اس کے فیصلوں پر اسی قدر راضی بھی ہوگا۔''

معرفت اور ٹھنڈک

جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات کو پہچان لیتا ہے وہ اسے مان کر خوش ہو جاتا ہے اور اللہ کے بندے اس کو دیکھ کر خوش ہو جاتے ہیں، یعنی ان کو اس کی قربت سے اللہ تبارک وتعالیٰ یاد آتے ہیں۔

﴿مَنْ عَرَفَ اللهَ قَرَّتْ عَيْنُه بِاللهِ وَ قَرَّتْ بِهِ كُلُّ عَيْنٍ وَمَنْ لَمْ يَعْرِفِ اللهَ تَقَطَّعَ قَلْبُهُ عَلَى الدُّنْيَا حَسَرَاتٍ

---

[1] صید الخاطر: 55 الرضا عن اللہ: 72

وَمَنْ عَرَفَ اللّٰهَ لَمْ يَبْقَ لَهُ رَغْبَةٌ فِيْمَا سِوَاهُ [1]

”جس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو پہچان لیا اس کی آنکھیں اللہ تبارک وتعالیٰ کو پہچان کر ٹھنڈی ہو جاتی ہیں اور پھر اسے دیکھ کر ہر آنکھ ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور جس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو نہیں پہچانا اس کا دل دنیا پر حسرت کرتے کرتے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے اور جو ذات اللہ کی معرفت حاصل کر لے اس کو اس کے علاوہ کسی چیز کا شوق نہیں ہوتا۔“ (سبحان اللہ)

یعنی جس دل میں معرفت کا نور نہ ہو وہ ہر وقت دنیا ہی میں اٹکا رہتا ہے اور کبھی اس کو سکون اور خیر نصیب نہیں ہوتی اور جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت نصیب ہو جائے وہ اسی کا ہو جاتا ہے اس کو دنیا کی رغبت نہیں ہوتی وہ ہر معاملہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی کو مقدم رکھتا ہے۔

فرمان ابن یعقوب فیروز آبادی رحمۃ اللہ علیہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے معرفت ہی کو زندگی قرار دیا ہے جس کو جس قدر اللہ تبارک وتعالیٰ کی پہچان حاصل ہوگی اس کی زندگی کی تاریکیاں اسی قدر روشن ہوں گی۔

مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ تَعَالٰى صَفَالَهُ الْعَيْشُ وَطَابَتْ لَهُ الْحَيَاةُ وَ هَابَهُ كُلُّ شَيْءٍ وَ ذَهَبَ عَنْهُ خَوْفُ الْمَخْلُوْقِيْنَ وَاَنَسَ بِاللّٰهِ [2]

[1] بصائر ذوی التمییز، بصیرۃ فی عرف: 4/53

[2] بصائر ذوی التمییز، بصیرۃ فی عرف: 4/52

''جس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو پہچان لیا اس کی زندگی پاکیزہ ہوگئی اور اس کی حیاتی خوشگوار ہوگئی اور ہر ایک نے اس کی تعظیم وتکریم کی اور مخلوقات کا ڈر اس کے دل سے نکل گیا اور وہ اپنے اللہ سے مانوس ہوگیا۔''

فرمان یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت کو پہچاننے والا جی بھر کر نماز، ذکر، تلاوت اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا میں مصروف رہتا ہے اور اس کی پیاس موت کے آخری سانس تک نہیں بجھتی۔

﴿ يَخْرُجُ الْمَعارِفُ مِنَ الدُّنْيَا وَلَمْ يَقْضِ وَطَرَهُ مِنْ شَيْئَيْنِ: بُكَاؤُهُ عَلٰى نَفْسِهِ وَ ثَنَاؤُهُ عَلٰى رَبِّهِ ﴾ [1]

''اللہ کی پہچان رکھنے والا جب دنیا سے جاتا ہے تو دو چیزوں کے متعلق اس کی خواہش پوری نہیں ہوتی، اپنے آپ پر رونا، اور اپنے رب کی تعریف کرنا۔''

یعنی عارف باللہ مسلمان اپنی کوتاہیوں پر جی بھر کر روتا ہے مگر پھر بھی یہی سمجھتا ہے کہ ابھی حق ادا نہیں ہوا، اور وہ اکثر اپنی زبان کو تعریف الٰہ میں تر رکھتا ہے مگر پھر بھی سیر نہیں ہوتا۔

اے غافل انسان......!

---

[1] بصائر ذوی التمییز، بصیرۃ فی عرف: 4/54

آج تیری زبان غیروں کی عظمت کے قصیدے تو گاتی ہے مگر تجھے مالک ومولا کی حمد وثنا اور تعریف کا وقت نہیں ملتا اور اپنی اس حالت پر رونے کی بجائے تو اتراتا ہے۔

شیخ علی بن عثمان ہجویری فرمان

علی ہجویری اپنی معروف زمانہ کتاب میں لکھتے ہیں:

"اما ہر کہ بخداوند تعالیٰ راہ داند از خلق حاجت نخواہد، کہ حاجت بخلق دلیل بے معرفتی بود، کہ اگر بقایا الحاجات عالمستی از چوں خویشتنی حاجت نخواہدی، استعانۃ المخلوق من المخلوق کاستعانۃ المسجون من المسجون" [1]

"جسے اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اس کو مخلوق کی محتاجی نہیں رہتی کیونکہ مخلوق کی محتاجی عدم معرفت کی دلیل ہے۔ اگر آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کو ضرورتیں پوری کرنے والا سمجھتا ہے تو غیر سے حاجت پوری نہیں کروائے گا کیونکہ مخلوق کا مخلوق سے مدد لینا ایسے ہی ہے جس طرح قیدی کا قیدی سے مدد لینا۔"

فرمان ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ

مجھے امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت کی حد تک محبت ہے آپ کے ذکر پر میں مارے خوشی کے جھوم جاتا ہوں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ آپ صرف علوم وفنون کے ماہر ہی نہیں بلکہ کمال درجہ کے عارف باللہ بھی ہیں۔ اور اسلامی تصوف

[1] کشف المحجوب:98

کے عظیم علمبردار بھی ہیں آپ فرماتے ہیں:

﴿ اِذَا لَمْ یَکُنْ فِیْہِ مَعْرِفَةُ اللّٰہِ وَمُحَبَّتُہُ فَحَظُّہُ الظُّلْمَةُ وَالضِّیْقُ ﴾ [1]

''جب دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت ومحبت نہ ہوتو پھر دل میں سوائے اندھیرے اور تنگی کے کچھ نہیں ہوتا۔''

اے مولا......! تو خاص اپنا فضل وکرم فرماتے ہوئے، نورِ معرفت سے ہمارے دل ودماغ تر وتازہ کردے اور خوشبوئے معرفت سے ہمارے دل ودماغ معطر کردے۔ آمین ثم آمین!

[1] الفوائد:33

خطبہ نمبر 3

سب سے زیادہ محبّت اپنے اللہ سے کی جائے

اَدِّبُوا النَّفْسَ اَیُّھَا الْاَصْحَابُ
طُرُقُ الْمُحَبَّةِ کُلُّھَا آدابُ

''اے لوگو اپنے آپ کو ادب سکھلاؤ کیونکہ محبت کے تمام راستے آداب ہیں''

دین و دنیا کی سب سے بڑی نعمت محبّت ہے اور انسان کے پاس سب سے بڑی طاقت کا نام بھی محبّت ہے اور خاص کردہ محبت جو اپنے سچے مالک وخالق سے کی جائے۔ محبّت دراصل دل کے لگاؤ کا نام ہے۔ گہری قلبی کیفیت کے ساتھ جب آپ کو کسی سے غیر معمولی تعلق قائم ہو جائے تو اسی کا نام محبّت ہے اور یہی صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کا حق ہے کہ سب سے بڑھ کر محبّت صرف اسی سے کی جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید اور معرفت کے بعد تیسرا اہم ادب بھی یہی ہے کہ سب سے زیادہ محبت اپنے اللہ سے کی جائے، محبت میں اوّل ترجیح

ذاتِ الٰہ ہو اور پھر اس کے بعد درجہ بدرجہ ایک دوسرے سے محبت کی جائے، اگر کوئی شخص اللہ تبارک وتعالیٰ سے زیادہ کسی دوسرے سے محبت رکھتا ہے تو وہ ذاتِ الٰہ کا بے ادب ہے، کیونکہ جو سچا الٰہ ہے اور ہر چیز کا خالق و مالک اور قابض ہے تو گہری، سچی، پختہ اور زیادہ محبت بھی صرف اسی سے ہونی چاہیے، بلکہ اللہ کی محبت میں مسلمان اس قدر آگے ہو کہ سب سے زیادہ محبت بھی اسی سے ہو اور اگر وہ کسی دوسرے سے محبت رکھے تو وہ بھی اسی کی وجہ سے رکھے۔

دنیا کا نظام چلانے کے لیے رب تعالیٰ نے بے شمار نعمتیں پیدا فرمائیں اور دل میں ان کا پیار بھی رکھ دیا آدمی اولاد، گھر بار، کاروبار وغیرہ سے محبت رکھتا ہے اور رکھنی چاہیے ان نعمتوں سے محبت عیب نہیں، عیب یہ ہے کہ ان کی محبت میں نعمتیں دینے والے رب کی محبت یاد نہ رہے اور آدمی دنیا اور دنیا کے مال ومتاع کے لیے ذاتِ الٰہ کا نافرمان اور بے ادب بن جائے۔ ہمارا حق ہے کہ ہم فطرتی، عقلی اور شرعی طور پر سب سے زیادہ محبت اپنے پروردگار سے کریں اور یاد رکھیں جہاں ایمان ہوگا وہاں اللہ کی محبت بھی زیادہ ہوگی۔

سچّے محب کی پہچان

اللہ تبارک وتعالیٰ کا سچا محب ہمیشہ اس کی محبت میں سرشار رہتا ہے۔ ہر لمحہ اس کو اسی کی محبت مطلوب ومقصود ہوتی ہے۔ حافظ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ اَلْمُحِبُّ الصَّادِقُ اِنْ نَطَقَ نَطَقَ لِلّٰهِ بِاللّٰهِ وَاِنْ سَكَتَ سَكَتَ لِلّٰهِ وَاِنْ تَحَرَّكَ فَبِاَمْرِ اللّٰهِ وَاِنْ سَكَنَ فَسَكُوْنُہ

اسْتِعَانَةٌ عَلَى مَرْضَاةِ اللهِ فَحُبُّهُ لِلّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَمَعَ اللّٰهِ ❶

''سچا محبّ اگر بولے تو وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے، اللہ کی مدد سے اسی کی بات بولتا ہے اگر وہ خاموش رہے تو اس کی خاموشی بھی اللہ کے لیے ہوتی ہے اگر وہ حرکت کرے تو بھی اللہ کے حکم سے کرتا ہے اور وہ حرکت نہ کرے تو اس کی عدم حرکت بھی خوشنودیٔ الٰہی پر مددگار ثابت ہوتی ہے۔''

اور اس کی محبت اللہ کے لیے، اللہ کی مدد سے، اور اللہ کے ساتھ ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں خالق کائنات نے اہل ایمان کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ ❷

''اور جو ایماندار ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ ہی سے محبت کرتے ہیں۔''

یعنی جو سچے اہل ایمان ہیں وہ محبت الٰہی میں سب سے آگے ہوتے ہیں اور جو مسلمان اللہ تبارک وتعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت نہیں کرتے، ان کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے۔ انبیا ورسل میں ایمان سب سے زیادہ ہوتا ہے، اس لیے ان کے دل میں محبتِ الٰہ بھی سب سے زیادہ ہوتی ہے میرے اور آپ کے محبوب پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے جب مشرکین مکہ کو اللہ کی طرف بلایا تو انہوں نے آپ کے قلبِ اطہر سے حُبِّ الٰہ نکالنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا کبھی لالچ دے کر کبھی ڈرا دھمکا کر مگر محبوب رب العالمین نے یہی جواب دیا:

---

❶ مفتاح دار السعادۃ، قال اللہ شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو: 160 / 1

❷ البقرۃ: 165

﴿ اِنَّنِىْ هَدٰىنِىْ رَبِّىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٦١﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِىْ وَنُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِىْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٦٣﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِىْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَىْءٍ ۭ ﴾ [1]

''میرے رب نے مجھے سیدھی راہ دکھادی ہے یہی وہ مستحکم دین ہے جو ابراہیم حنیف کا طریق زندگی تھا اور سیدنا ابراہیم مشرکوں میں سے نہ تھے۔ آپ ان سے کہیے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب کچھ رب العالمین کے لیے ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے اللہ کا فرمانبردار بنتا ہوں۔ کہہ دیجیے! کیا میں اللہ کے علاوہ رب تلاش کروں حالانکہ وہ ہر چیز کا پالنے والا ہے۔''

آپ ﷺ ساری زندگی محبتِ الٰہ کے لیے سب کچھ قربان کرتے رہے۔ محبوبِ کائنات امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا مانگا کرتے ہیں۔

﴿ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِىْ يُبَلِّغُنِىْ حُبَّكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَىَّ مِنْ

---

[1] الانعام: 162-164

نَفْسِيْ وَاَهْلِيْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ ❶

”اے اللہ......! میں تجھ سے تیری محبت، تجھ سے محبت کرنے والوں کی محبت اور ایسے عمل کا طالب ہوں جو تیری محبت تک پہنچا دے۔ اے اللہ......! تو میرے دل میں اپنی محبت کو میری جان، میرے اہل وعیال اور (گرمیوں کے موسم اور پیاس کی شدت میں) ٹھنڈے پانی کی محبت سے بھی فائق کر دے۔“

رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا حد درجہ منفرد اور اہم ہے فرماتے ہیں:

اے اللہ......! میں تجھ سے تیری محبت کی بھیک مانگتا ہوں۔

اے اللہ......! مجھے اپنا پیار نصیب فرما دے اور اپنے پیارے کا پیار نصیب فرما دے......!

میرے مولا......! مجھے ہر اس عمل کا پیار عطا کر دے جو مجھ کو تیری محبت کے قریب کر دے......!

قارئین کرام......!

ہر وقت اللہ تبارک وتعالیٰ سے صرف دنیا مانگنے والو......!

دنیا کے مال ودولت کے لیے لمبے لمبے وظائف کرنے والو......!

اور ہمیشہ دنیا کے مفاد کے لیے ہی اپنی زبان کو حرکت دینے والو......!

کبھی اپنے پیارے شہنشاہ سے محبت بھی مانگا کرو......! کبھی اس قادر مطلق سے اس کے پیار کا بھی سوال کیا کرو......! خدا کی قسم......! جن کو ذاتِ الٰہ کا سچا

---

❶ جامع ترمذی: 3490

پیار نصیب ہوتا ہے وہ دنیا و آخرت کی تمام نعمتوں اور رحمتوں سے ہمکنار کر دیے جاتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی اپنی عظیم ذات سے سب سے زیادہ محبت رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم کو اپنے پیاروں کی فہرست میں شامل فرمائے۔ آمین ثم آمین!

حضراتِ گرامی......! اللہ کا باادب ہمیشہ سب سے زیادہ محبت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہی رکھتا ہے اور اس کا دل ہر وقت محبتِ الٰہی سے سرشار رہتا ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَغَذَاءُ الْاَرْوَاحِ وَلَيْسَ لِلْقَلْبِ لَذَّةٌ اِلَّا بِهَا وَفَسَادُ الْقَلْبِ اِذَا خَلَا مِنْ مُحَبَّةِ فَاطِرِهِ وَبَارِئِهِ وَاِلٰهِهِ﴾ [1]

"محبت ہی دلوں کی زندگی ہے" اور روحوں کی غذا ہے" دل کی لذت ہی محبت سے نصیب ہوتی ہے اور جب دل حقیقی خالق اور معبود کی محبت سے خالی ہو تو اجڑ جاتا ہے، ویران ہو جاتا ہے، دل کی زندگی خشک ٹہنی کی طرح مرجھا جاتی ہے اور وہ چلتا پھرتا انسان مردہ لاش کی طرح ہوتا ہے۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ سے جب سب سے زیادہ محبت رکھی جائے تو آدمی جہاں ادب کے کمال کو پہنچتا ہے وہاں اس کا دل نورِ محبت سے منور ہو جاتا ہے اور باادب سچا مسلمان اپنی چاروں طرف بلکہ ہر طرف روشنی ہی روشنی محسوس کرتا ہے، بلکہ دین تو کہتا ہے جس کو سب سے زیادہ پیار رب سے ہو اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے باادب کی زندگی مٹھاس سے بھر دیتے ہیں

---

[1] الجواب الکافی: 282،283

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمانی مٹھاس چکھنے والے تین خوش نصیبوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ ﴾ [1]

''جس کو اللہ اور اس کا رسول دنیا و کائنات سے زیادہ محبوب ہو وہ ایمان کی مٹھاس پالیتا ہے۔'' (سبحان اللہ)

اور معلوم ہوا کہ جو سب سے زیادہ اپنے پیارے رب سے پیار نہیں کرتا وہ ساری زندگی بے ادب ہی نہیں رہتا بلکہ ایمان کی چاشنی، حلاوت اور مٹھاس سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔

اللہ کی ملاقات کو پسند کرنے والا باادب

انسان کو جس کے ساتھ والہانہ محبّت ہوتی ہے وہ ہر پل اس کی ملاقات کے لیے ترستا ہے۔ مثال کے طور پر اگر آپ کو والدین اور بچوں کے ساتھ دلی محبت ہے اور آپ نے انکے لیے تحائف کے انبار لگا رکھے ہیں تو آپ کی ہر دم یہی خواہش ہوگی کہ کب میں گھر پہنچوں اور اپنے پیاروں کا دیدار کرکے ان کو یہ قیمتی تحائف پیش کروں یہی کیفیت ہر وقت سچے مومن کی اپنے اللہ تعالیٰ کے متعلق ہوتی ہے وہ اس کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لیے ساری زندگی نیک اعمال میں کھپا دیتا ہے اور اس کی بارگاہ میں صوم وصلاۃ اور صدقات وخیرات کے تحائف پیش کرتا رہتا ہے۔ اس کی بھی یہی خواہش ہوتی ہے کہ کب موت کا پیغام آئے اور مجھے اپنے محبوب کی زیارت ملے

[1] صحیح البخاری: 21

اور میں سب قیمتی تحائف اس کے روبرو پیش کردوں۔اسی جذبات کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ یوں بیان کیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿ مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ ﴾

''جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند فرماتے ہیں۔''

﴿ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ ﴾

''اور جو اللہ کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں۔''

حضرات......! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد سنا تو فرمایا:

کیا اللہ کی ملاقات کو پسند کرنے سے مراد موت ہے......؟

موت کو تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہر ایک ناپسند ہی کرتا ہے زندہ رہنا ہر کوئی پسند کرتا ہے۔آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے میرے صحابہ!

﴿ لَيْسَ كَذٰلِكَ اَلْمُؤْمِنُ اِذَا بُشِّرَ بِرَحْمَةِ اللّٰهِ وَرِضْوَانِهِ وَجَنَّتِهِ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ فَأَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ ﴾ [1]

ایسے نہیں......! جس طرح تم کہتے ہو بلکہ ''مومن کو جب اللہ تعالیٰ کی

[1] صحیح البخاری:6507

رضا ورحمت اور جنت کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو وہ پھر اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے“

دل میں پیارے رب کی ملاقات کا شوق پیدا کرتا ہے اسکا دل ملاقات الٰہی کی محبت میں تڑپتا ہے۔

فَأَحَبَّ اللهُ لِقَائَہٗ تو پھر اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند فرماتے ہیں اور بدعمل منکر کو جب عذابِ الٰہی کی وعید سنائی جاتی ہے تو وہ رب کے پاس جانا ناپسند کرتا ہے اور پھر رب بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں۔

لوگو......! آج دنیا میں جس قدر زیادہ اپنے رب سے پیار کرو گے جس قدر زیادہ اس سے محبت رکھو گے وہ اسی قدر بلکہ اس سے بڑھ کر تم سے پیار کرے گا تمہیں اپنا محبوب بنائے گا۔

اے انسان صد افسوس......!

وہ عظیم شہنشاہ رب العالمین ہونے کے باوجود تیرا خیال کرے، تیری ضرورتوں کو پورا کرے، قدم قدم پر تجھ پہ رحم کرے......مگر تو کمزور انسان ہو کر اس کا حیا نہ کرے، اس کا ادب نہ کرے، بلکہ دنیاداری سے تو زیادہ محبت کرتا ہو، اور پروردگار کی محبت کا کبھی احساس بھی تیرے دل میں نہ آیا ہو۔

آخرت میں دیدارِ الٰہی کی سعادت

اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیدار صرف انہیں کو نصیب ہوگا جو ہر چیز سے بڑھ کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے پیار کرتے ہیں۔

﴿لَا وُصُوْلَ اِلٰی سَعَادَۃِ لِقَاءِ اللّٰہِ فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا بِتَحْصِیْلِ

مُحَبَّتِہٖ وَالْاُنْسِ بِہٖ فِی الدُّنْیَا ، وَلَا تَحْصُلُ الْمُحَبَّۃُ اِلَّا بِالْمَعْرِفَۃِ وَلَا تَحْصُلُ الْمَعْرِفَۃُ اِلَّا بِدَوَامِ الْفِکْرِ ﴾ [1]

''آخرت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ملاقات کی سعادت صرف اسی صورت میں ہوگی جب دنیا میں اس سے انس و پیار ہو اور محبت پہچان کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور نہ ہی پہچان بغیر غور وفکر کے ہوتی ہے۔''

یعنی روزِ آخرت دیدارِ الٰہی کے لیے دنیا میں اس سے انس رکھنا ضروری ہے اس دنیا میں اس وقت تک سچا انس نہیں ہوسکتا جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات اور اس کے کمالات کی پہچان نہ ہو اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی پہچان اس وقت تک ممکن نہیں جب تک آدمی اس کی قدرت کی نشانیوں پر غور وفکر نہ کرے۔

مختصر میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ سب سے زیادہ محبت صرف اپنے اللہ سے کرو، یہ صرف اسی کا حق ہے اور یہ صرف اسی کے ادب کا تقاضا ہے اور اگر تم رب سے زیادہ محبت دنیا سے کرتے ہو اور تمہیں خالقِ دنیا کے مقابلہ میں دنیا زیادہ محبوب ہے تو سمجھ لو تم اپنے رب کے بہت بڑے بے ادب ہو، بلکہ قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے لوگوں کو گمراہ اور فاسق قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَ اَبْنَآؤُکُمْ وَ اِخْوَانُکُمْ وَ اَزْوَاجُکُمْ وَ عَشِیْرَتُکُمْ وَ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَ تِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَ مَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ

[1] احیاء العلوم، کتاب الخوف والرجاء، بیان فضیلۃ الخوف والترغیب فیہ۔

وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٤﴾ [1]

"(اے نبی......! آپ مسلمانوں سے) کہہ دیجیے...... ! کہ اگر تمہیں اپنے باپ، اپنے بیٹے، اپنے بھائی، اپنی بیویاں، اپنے کنبہ والے اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو اور تمہارے مکان جو تمہیں پسند ہیں، اللہ اور اس کے رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا۔"

محبّت بہت بڑی نعمت ہے اس محبت کو صرف دنیاداروں یا دنیاداری تک محدود نہ رکھیں اس قیمتی دولت کو ضائع نہ کریں، بلکہ اپنے باکمال پروردگار سے محبت کریں اور ہر چیز سے بڑھ کر کریں پھر ان شاء اللہ اس محبت کا ثمر میٹھا ہوگا اور آپ جیسے باادب کو رحمتیں اور برکتیں اپنے گھیرے میں لے لیں گی اور آپ ساری زندگی خیر و برکت سے مالا مال رہیں گے۔ دعا ہے کہ رب تعالیٰ اپنے ادب کا اہم تقاضہ "محبّتِ الٰہ" صحیح معنوں میں پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

حَبِيْبٌ لَيْسَ لِيْ بَعْدَهُ حَبِيْبٌ
وَمَا لِسِوَاهُ فِيْ قَلْبِيْ نَصِيْبٌ
حَبِّيْ غَائِبٌ عَنْ بَصَرِيْ وَ شَخْصِيْ
وَ لٰكِنْ عَنْ فُؤَادِيْ لَا يَغِيْبُ

---

[1] التوبہ:24

''یہ میرا ایسا پیارا ہے کہ اس کے بعد میرا کوئی پیارا نہیں اور نہ ہی اس کے علاوہ میرے دل میں کوئی حصہ ہے، وہ میرا پیارا زندہ ہے اگرچہ میرے وجود اور میری آنکھوں سے غائب لیکن وہ میرے دل سے غائب نہیں۔''

اللہ تعالیٰ سے محبّت کیسے کی جاتی ہے......؟

جیسا کہ آپ بھی جانتے ہیں کہ مسلمان ہر آن اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو محسوس کرتا رہتا ہے اور ہمہ وقت اس کا یہی اعتراف ہوتا ہے کہ مجھے اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازتے ہوئے میری تمام ضروریات کو بہترین طریقے سے پورا کرنے والی ذات صرف اور صرف میرے اللہ کی ہی ہے۔ جب انسان ان حقائق پر غور کرتا ہے وہ پھر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور عظمتوں میں جینے والا بن جاتا ہے۔ وہ اللہ کو ٹوٹ کر چاہتا ہے، اللہ کی یاد اور اس کی اطاعت ہی اس کے لیے سکون کا خزانہ ہوتی ہے اور اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اس کی زندگی ہر طرف سے اللہ کے رنگ میں رنگی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کا ہر بول اللہ تعالیٰ کی عظمت کا بول ہوتا ہے اور اسکی ہر تحریر اللہ تعالیٰ کی عظمت کے تعارف میں ہوتی ہے...... اللہ تعالیٰ سے محبّت کیسے کی جائے......؟

اس سوال کے جواب میں مجھے ایک بزرگ یاد آئے وہ فرمانے لگے کہ مجھے ایک شخص نے کہا کہ حضور یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ سے محبّت کیسے کی جائے......؟ اس کا طریقہ کار کیا ہو......؟ وہ کہتے ہیں میں نے کہا کہ آپ کا کوئی بیٹا ہے......؟ اس نے کہا: ہاں! میں نے کہا: کیا تم اپنے بیٹے سے محبّت کرتے ہو......؟ اس نے کہا: بلاشبہ! پھر

میں نے پوچھا جب تیرے ہاں بیٹا پیدا ہوا تھا تو کیا تو نے کسی دوسرے سے جا کر پوچھا تھا کہ میں اپنے بیٹے سے محبت کیسے کروں......؟ اس نے کہا: بالکل نہیں! میں نے کہا: اگر اپنے بیٹے سے تم محبت تو بغیر پوچھے کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے محبت کے لیے تم مجھ سے سوال کر رہے ہو......؟ اللہ اکبر!

ہمارے بزرگ کا اصل میں کہنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہر انسان کو ایک فطرتی محبت اس اعتبار سے ہوتی ہے کہ وہ اس کا خالق ہے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا سب سے خوبصورت طریقہ یہ ہے کہ اپنی پوری زندگی کو رسول اللہ ﷺ کی سنّت کے رنگ میں رنگ دیا جائے۔ اور ہر مجلس اور ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی، بڑائی، توحید اور عزت وعظمت کے چرچے کیے جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی محبّت پانے والے خوش نصیب

اس موضوع کے آخر میں اس عظیم سعادت کو ضرور تحریر کرنا چاہوں گا۔ جو اللہ سے محبت کرنے والے کو حاصل ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب آدمی ہر چیز سے بڑھ کر اپنے اللہ سے محبت کرتا ہے تو پھر اللہ بھی اپنے بندے سے پیار کرتا ہے اس کو اپنی مخلوق میں سے اپنا محبوب اور پیارا بنالیتا ہے، یعنی محبّت کا معاملہ یکطرفہ نہیں ہوتا کہ بندہ تو محبّت کرے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے محبّت نہ کرے۔ ایسا بالکل بھی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے سے پیار کرتے ہیں اور بندے سے کئی گنا بڑھ کر کرتے ہیں۔ اللہ کے پیارے سورۂ قمر کی آخری آیت کے مطابق ﴿فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾، اللہ تعالیٰ کے قریب نہایت عزت کے مقام پر ہوں گے اور صحیح

حدیث کے مطابق واللہ لا یُلقِی حبیبہٗ فی النار ، اللہ اپنے پیارے کو کبھی بھی آگ میں نہیں پھینکے گا۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں 10 ایسے خوش نصیبوں کا ذکر خیر فرمایا ہے جن کو اپنی محبت عطا کرتا ہے، آیئے! آج ہی ان کی فہرست میں شامل ہو جایئے۔

(1) ...... ایمان والے

﴿ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [2]

''اور اللہ تبارک وتعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے۔'' (یعنی ان سے محبت کرتا ہے)

اور ایمان یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا زبان سے اظہار اور اس کا دل وجان سے اقرار کیا جائے اور پھر پوری زندگی کو اس کی اطاعت میں کھپا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں، کتابوں، فرشتوں، قیامت کے دن اور تقدیر پر یقین رکھنے والے ہی کامیاب مومن ہیں اور ایسے خوش نصیبوں کو ہی اللہ تعالیٰ اپنی محبّت کا خزانہ عطا فرماتے ہیں۔

(2) ...... تقویٰ والے

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ [3]

''بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ تقویٰ والوں سے محبت کرتے ہیں۔''

---

[1] سلسلہ صحیحہ: 5/531

[2] آل عمران: 68

[3] التوبہ: 4

اور تقویٰ یہی ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی سے بچ کر اس کے ہر فرمان پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش کرے...... یاد رہے......! کبائر کے مرتکب، زانی، شرابی اور سود خور کسی صورت بھی اللہ تعالیٰ کے متقی بندے نہیں ہو سکتے، چاہے سینکڑوں حج اور اربوں کا صدقہ کرتے رہیں۔

3 ...... سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ﴾ [1]

"کہہ دیجیے......! اگر تم اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تبارک وتعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔"

بدعتی شخص ہمیشہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت ومحبّت سے محروم رہتا ہے اور اس وقت بدعات کا دور دورہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبّت کو پانے کے لیے اپنے اعمال کو آج ہی دیکھیں کہ اس پر مدینے کے تاجدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر لگی ہوئی ہے......؟ بعض نام نہاد ملاؤں نے اپنے پیٹ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت میں بہت سی بدعات کو ملا دیا ہے۔

4 ...... اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ ﴾ [2]

"اللہ تبارک وتعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو اس کی راہ

[1] آل عمران: 31

[2] الصف: 4

میں جہاد کرتے ہیں۔‘‘

اللہ تبارک وتعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کا مطلب یہی ہے کہ ہمہ وقت اس کے دین کی سربلندی کے لیے کوشاں رہیں۔ مخلص داعی کی ہر تحریر اور ہر بیان جہاد فی سبیل اللہ ہی ہے اور اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ کی بہترین صورت جہاد بالسیف بھی ہے کہ تلوار کے ساتھ اللہ کی زمین پر اللہ کی بغاوت کرنے والوں کو روکنا۔

5 ...... ظاہر و باطن کو پاک صاف رکھنے والے

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ [1]

’’اور اللہ تبارک وتعالیٰ پاک صاف رہنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔‘‘

طہارت و پاکی کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان اپنے لباس، اپنے مکان اور پہننے کھانے والی ہر چیز کو ہر قسم کی نجاست سے پاک صاف رکھے اور اسی طرح کردار کی پاکی اور عزت والی چادر کا ہر قسم کے دھبے سے پاک ہونا بھی اسلامی طہارت میں شامل ہے۔ ایسا شخص کہ جس کی تنہائی اور رات ناپاک ہو، طرح طرح کے گناہوں سے اٹی ہوئی ہو تو ایسا ناپاک اور پلید شخص مہنگے پرفیوم لگا کر بھی پاک لوگوں کی فہرست میں نہیں آسکتا۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبّت کو پانے کے لیے ظاہری و معنوی دونوں طہارتوں کا خیال رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

[1] التوبہ:108

6...... انصاف کرنے والے

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ [1]

''بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔''

کسی بھی مسلمان کا منصف مزاج ہونا اس کے صاحبِ ایمان ہونے کی علامت ہے اور انصاف یہی ہے کہ جھوٹے بیٹے کو سچا ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور نہ لگایا جائے، بلکہ اس کو جھوٹا ہی کہا جائے اور اسی طرح قوم، قبیلہ اور برادری کی ناجائز حمایت کرنے کی بجائے سچائی اور حق کا ساتھ دینا ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں انصاف والی بات ہے۔ لیکن افسوس! عدالتوں سے لے کر گھر کی چاردیواری تک کہیں سے بھی انصاف کی خوشبو نہیں آتی۔ الا ماشاء اللہ

اللہ تبارک وتعالیٰ پر توکل کرنے والے

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ [2]

''بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔''

توکل یہی ہے کہ انسان شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے تمام ظاہری اسباب کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر اعتماد ہوتا ہے اور جن لوگوں کا اللہ تبارک وتعالیٰ پر توکل مضبوط ہوتا ہے وہ ناکام بھی نہیں ہوتے اور اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ کے لیے اپنی محبّت کے خزانے

---

[1] المائدہ:42

[2] ال عمران:159

عطا کر دیتا ہے۔

8 ...... صبر کرنے والے

﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ [1]

"اور اللہ تبارک وتعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔"

صبر کا معنی ہے خود کو روک کر رکھنا اور عمومی طور پر اس کا یہی مفہوم معاشرے میں معروف ہے کہ غمی اور تکلیف کے موقع پر اپنے نفس کو قابو میں رکھنا اور نوحہ و ماتم کرنا نہ ہی جاہلیت کے بول بولنا۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ مفہوم بھی درست ہے لیکن اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت والی لگام ڈال کر خود کو ہر قسم کے گناہوں سے روک کر رکھنا یہ بھی صبر کہلاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روزہ بھی صبر کی بہترین کیفیت ہے۔

9 ...... احسان کرنے والے

﴿ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ [2]

"بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔"

ہر نیکی میں احسان یہ ہے کہ اس کو نہایت اہتمام، وقار اور خوبصورتی کے ساتھ انجام دیا جائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی اپنے بندے سے صرف اعمال کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ اعلیٰ درجے کے اچھے اعمال کا مطالبہ کیا ہے۔ اسی طرح عبادت میں

---

1. آل عمران:146
2. البقرہ:195

احسان یہ ہے کہ کمال درجہ کی خشیت اور محبّت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور خود کو جھکا یا جائے ...... آج ہمیں ظاہر نیک اعمال تو نظر آتے ہیں لیکن ان میں حُسن نظر نہیں آتا، جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبّت کرتے ہیں۔

10 ...... توبہ کرنے والے

﴿ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ ﴾ [1]

"بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ بہت زیادہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔"

گناہوں سے لوٹ کر نیکیوں کی طرف آنے والے خوش نصیب حضرات توّابین کی صف میں شامل ہوتے ہیں اور توبہ کا عمومی مفہوم یہ بھی ہے کہ ہر معاملے میں اپنے اللہ کی طرف رجوع کرنا اور اسی کو خوش کر دینے والے اعمال دل کے اخلاص کے ساتھ سرانجام دینا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں دس ایسے خوش نصیبوں کا ذکر فرمایا کہ جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت کے نتیجہ میں اس کا پیار نصیب ہوتا ہے اور اسی طرح امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کئی ایسے خوش نصیبوں کا ذکر فرمایا کہ جو محبت الٰہی کی دولت پاتے ہیں۔ آخر میں ہم اس پاکیزہ موضوع کو جنتی سردار کے ذکر پر مکمل کرتے ہیں کہ جن کی عظمت اور شان وشوکت کو بیان کرتے ہوئے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہِ الٰہی میں دعا فرمائی کہ

[1] البقرہ: 222

﴿اَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ اَحَبَّ حُسَيْنًا﴾ [1]

"حسین رضی اللہ عنہ سے محبت رکھنے والے سے اللہ تبارک وتعالیٰ پیار فرمائے۔"

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے ترجمان مسلک محدثین امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دکھ دیا ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں اور جن ظالموں نے آپ کو شہید کیا، ان پر اللہ تبارک وتعالیٰ، اس کے ملائکہ اور اس کے نیک بندوں کی لعنت ہو اور اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے بدبختوں کی نفلی، فرضی کوئی عبادت قبول نہ کرے۔ [2]

[1] صحیح موارد الظمان، المناقب: 2/368 ، سلسلہ احادیث صحیحہ: 3/229

[2] فتاوی امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ۔ نیز عظمت حسین علیہ السلام کے موضوع پر ہماری علمی وتحقیقی منفرد کاوش "شان حسن وحسین رضی اللہ عنہما" کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ الحمدللہ ہم نے افراط وتفریط سے ہٹ کر اعتدال کا راستہ اختیار کیا ہے اور تحقیق کا دامن تھامے رکھا ہے۔

خطبہ نمبر 4

آدابِ الٰہی کا
چوتھا تقاضا

مکمل اطاعت

اللہ تبارک وتعالیٰ کے ادب کا چوتھا تقاضا یہ ہے کہ شہنشاہ کائنات رب ذوالجلال والاکرام کی مکمل فرمانبرداری کی جائے، اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری ہی اس کا ادب ہے اور اس کی نافرمانی ہی اس کی بے ادبی کرنے کے برابر ہے، کیونکہ دنیا کا ہر شخص جانتا اور مانتا ہے کہ باادب نافرمان نہیں ہوسکتا۔

قرآن مجید میں درجنوں نہیں بلکہ سینکڑوں آیات ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کو اپنے بندوں پر فرض قرار دیا ہے اور جو اس فرض کو ادا نہ کرے اس کا فاسق، فاجر اور ظالم جیسے مکروہ الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے اور ایسے شخص کو حد درجہ کا بے ادب اور گستاخ بھی کہا گیا ہے اور اس کے مقابلے میں جو لوگ ہر معاملے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں ان لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کہیں سچے مومن قرار دیتا ہے اور کبھی ان کو تقویٰ وطہارت اور کامیابی کی ڈگری عطا کرتے ہوئے متقون اور مفلحون کی صف میں شامل کرتا ہے۔

اس سلسلے میں امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ایک شعر نہایت ہی اہم اور ضروری ہے جس کے معنی ومفہوم پر غور کر لینے کے بعد دل ودماغ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت اور اس کی فرمانبرداری کا سچا جذبہ ضرور پیدا ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں

تَعْصِیْ الْاِلٰہَ وَاَنْتَ تُظْہِرُ حُبَّہٗ
ھٰذَا مُحَالٌ فِی الْقِیَاسِ بَدِیْعُ

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَهُ
إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيعٌ

''تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور اس سے محبت کا دعویٰ بھی! یہ ناممکن ہے اور اصول وقواعد میں انوکھی بات ہے، اگر تیری محبت (اللہ) سے سچی ہوتی تو تُو لازمی اس کی فرمانبرداری کرتا، کیونکہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کا فرمانبردار ہوتا ہے۔'' [1]

آج کل کے لوگ

ہمارے معاشرے میں مسلمانوں کی اکثریت کا عالم یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی ذات کے معاملے میں بہت زیادہ غیرت مند ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عقیدت ومحبّت کے دعوے کرتے ہوئے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ باادب باور کرواتے ہیں، جبکہ یہی لوگ عملی زندگی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے حد درجہ نافرمان اور باغی ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ کاروباری تاجر حضرات کو دیکھ لیں کہ وہ بظاہر قرآن پاک کو چوم کر سینے سے لگاتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام کی طرف پیٹھ کرنا بھی اس کی توہین سمجھتے ہیں اور وہ عملی طور پر سودی لین دین کر کے اللہ تعالیٰ سے جنگ بھی کر رہے ہوتے ہیں...... اور اسی طرح بظاہر کئی لوگ صوم وصلوۃ کے پابند ہوتے ہیں، ان کی زندگی میں چند عبادات عادات کے طور پر موجود ہوتی ہیں اور وہ تنہائی اور رات کے معاملے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے

---

[1] آداب الشرعیۃ: 174

حد درجہ باغی اور نافرمان ہوتے ہیں، شرم وحیا کی تمام حدود کو پھلانگتے ہوئے وہ اس قدر دیوث بن چکے ہوتے ہیں کہ ہر پل ان پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار اور لعنت اترتی رہتی ہے، لیکن وہ اپنی ذات کے بارے میں یہی تصور رکھتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں...... ہم عاشق ہیں...... اور ہم ہی اللہ تعالیٰ کی جنت کے وارث ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ظلم کی انتہا

ہمارے معاشرے میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جو حضرات اداروں میں ملازمت کرتے ہیں وہ اپنے عارضی مالک اور استاذ کو خوش رکھنے کے لیے کسی قسم کی کوئی کمی نہیں چھوڑتے...... بلکہ ہر دم اور ہر قدم اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے تیار رہتے ہیں، بلکہ کئی بدنصیب ملازم تو ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ مالک کو راضی کرنے کے لیے رب ورسول کی بغاوت پر بھی اتر آتے ہیں...... ایک طرف تو انسان کا رویہ یہ ہے کہ وہ جس مالک سے پندرہ بیس ہزار روپے ماہانہ لیتا ہے اس کی ہمہ وقت فرمانبرداری میں لگا رہتا ہے اور اس کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ کہیں یہ ناراض نہ ہو جائے لیکن اس کی دوسری طرف جو اس کا حقیقی مالک ہے، جس کا اس کے سانس سانس پر مکمل اختیار ہے، اس کے حکم سے وہ ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا اور جس کی دی ہوئی نعمتوں سے وہ ہر وقت مستفید ہوتا رہتا ہے...... اسی کی بغاوت کرتا ہے، اس کا نافرمان بنتا ہے، اس کے احکامات کو پاؤں تلے روندتا ہے...... دنیا کے ہر فرد کی مانتا ہے لیکن اپنے زمین وآسمان کے مالک کی نافرمانیاں کرتا ہے۔ اسی لیے تو قرآن پاک نے بھی کہا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلۡإِنسَٰنُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ ٱلۡكَرِيمِ ۝٦ ٱلَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّىٰكَ فَعَدَلَكَ ۝٧ فِيٓ أَيِّ صُورَةٖ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝٨ ﴾ [1]

''اے انسان تجھ کو اپنے پروردگار کے معاملے میں کس چیز نے دھوکا دیا (وہی تو ہے) جس نے تجھے بنایا اور (تیرے اعضا کو) ٹھیک کیا اور (تیرے قامت وقد کو) معتدل رکھا۔''

کس قدر بد نصیبی ہے ایسے انسان کے لیے جو دنیا کے عارضی محسن کو تو پہچانتا ہے......اس کی فرمانبرداری بھی کرتا ہے لیکن اپنے حقیقی محسن کو پہچان کر اور اسے مان کر بھی اس کی نافرمانی اور بغاوت کرتا رہتا ہے......

صرف جزوی اطاعت کافی نہیں

دین ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔عقیدے سے لے کر گلی میں پڑے ہوئے ایک تنکے تک اپنے ماننے والوں کی مکمل رہنمائی کرتا ہے اس دین میں ولادت سے لے کر جنّت کے داخلے تک مکمل تعلیمات موجود ہیں جن کو ماننا اور ان پر عمل کرنا ہر مسلمان پر فرض بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ادب کا اہم ترین تقاضا بھی ہے۔لیکن ہمارے ہاں عمومی طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ بڑے بڑے دین کے دعویدار اور مذہب کے علمبردار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے چند ایک احکامات پر عمل کر لینے کو ہی اپنے لیے کافی سمجھتے ہیں اور ساری زندگی درجنوں احکامات کی بغاوت کرتے رہتے ہیں مثال کے طور پر آپ حدیث اور سنّت کا دعوے کرنے والے اہل حدیث اور اہل سنّت حضرات کی عملی زندگیوں کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ چند باتوں پر عمل کرنے کے لیے وہ مر مٹنے کو تیار

[1] الانفطار:6-8

ہوتے ہیں، لیکن دوسری طرف درجنوں اللہ تعالیٰ کے احکامات ایسے ہوتے ہیں جن کی وہ عملی زندگی میں بغاوت کرتے ہیں لیکن ان کے کانوں میں جوں تک نہیں رینگتی...... دل کی طہارت اور معافی و درگزری کے معاملات اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکامات کے مطابق نہیں ہوتے...... شادیاں اسلام کے مطابق نہیں ہوتیں...... کاروبار اسلام کے مطابق نہیں ہوتے...... فیصلے اسلام کے مطابق نہیں ہوتے۔

یاد رہے......! قرآن مجید کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی چند باتوں کو مان لینا جو مزاج کے موافق ہوں اور کچھ کو چھوڑ دینا جو طبیعت کے مطابق نہ ہوں...... اس قدر کبیرہ گناہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے دنیا و آخرت میں سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

نافرمانی کی نذر ماننا

قرآن وحدیث کی روشنی میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے سچے خالق ومالک کی نافرمانی کرنا جو ہر طرح کی نعمتیں عطا کرتا ہے اور شیطان کی فرمانبرداری کرنا جو اس کا دشمن ہے، یہ بہت بڑی بے ادبی ہی نہیں بلکہ احسان فراموشی ہے، رحمتیں، برکتیں اور کامیابیاں رب دے اور کہنا شیطان کا مانا جائے......! یہ انصاف کا خون کرنے والی بات ہے اور ایسا بے ادب وظالم کبھی نجات نہیں پا سکتا۔ کئی لوگ جوش وجذبات میں آ کر ناجائز، غلط بلکہ حرام کاموں کی نذر مانتے ہیں، بلکہ آج کل تو شرکیہ نذر ماننے والوں کی تعداد بھی کم نہیں۔ جب کہ حضرت محمد ﷺ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ادب سکھلاتے ہوئے بیان فرمایا:

﴿مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَهُ

فَلَا يَعْصِهِ ﴾ [1]

''جس نے اطاعتِ الٰہی کی نذر مانی ہو اس کو پورا کرے (کیونکہ نذر ایک طرح کا وعدہ ہے اور خیر کا وعدہ نذر کی صورت میں نیکی واطاعت کرتے ہوئے ضرور پورا کرنا چاہیے۔) اور جس کسی نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانی ہو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے (بلکہ قسم کا کفارہ ادا کرے)''

کیونکہ نافرمانی حرام ہے اور یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ادب کے خلاف ہی نہیں بلکہ صریحاً بے ادبی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جذبہ اطاعت

میرے اور آپ کے مرشد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کے کمال درجہ کے فرمانبردار تھے اور اللہ کی زمین پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا سب سے زیادہ ادب کرنے والے تھے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا لمحہ لمحہ اطاعت الٰہی کے سایہ میں گزرا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمنوں کی طعنہ زنی وسرکشی، حالات کی تنگی وترشی اور کٹھن سے کٹھن موڑ پر بھی اطاعت الٰہی سے ذرہ برابر انحراف نہ کیا، بلکہ اس کی اطاعت وفرمانبرداری کے دامن کو ہی پکڑا۔ اور ہمیشہ مزید جذبہ اطاعت کی دعا مانگتے رہے اور نافرمانی سے ڈرتے ہوئے اس سے پناہ کا مطالبہ کرتے رہے، قرآن مجید میں ہے کہ کفار نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مطالبہ کیا کہ اس قرآن کی جگہ کوئی اور کلام پیش کرو کوئی اور قرآن لاؤ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صریحاً انکار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: مجھے یہ

[1] صحیح البخاری:6696

حق نہیں کہ میں اس کو اپنی طرف سے تبدیل کردوں میں تو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحی ہی کا پابند ہوں اور مزید فرمایا:

﴿قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝۱۵﴾ [1]

''اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔''

یعنی میں حکم الٰہی چھوڑنا تو درکنار نافرمانی تو ناممکن ذرہ بھر آگا پیچھا بھی نہیں کرسکتا۔ یہاں میں ایک بات کرنا چاہتا ہوں کہ امام المرسلین ﷺ سے قرآن پاک میں تغیر وتبدل کرنے کا مطالبہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے قیامت کے عظیم دن سے ڈر لگتا ہے کہ اگر میں نے نافرمانی یا حکم عدولی یا اس میں کوئی کمی بیشی کی تو میرا پروردگار مجھ سے ناراض ہوگا، مگر افسوس کہ آج کے امتی نے دین کو موم کی ناک بنا رکھا ہے جس کا جیسے جی چاہتا ہے دین میں اضافہ کرتا ہے اور جو چاہتا ہے دین کے فرائض کا انکار یا ان کی غلط تاویل کرنا شروع کردیتا ہے اور آج کل کئی لوگوں نے نام نہاد رسومات وبدعات میں قوم کو مبتلا کرکے ان کو سچے دین کی دولت سے محروم کررکھا ہے اور وہ اپنی خرافات ورسومات میں اس قدر مست ہیں کہ حق سننا اور سنت اپنانا ان کے لیے پیالہ زہر سے زیادہ مشکل ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس قوم کو حقیقی دین اسلام کے نور سے منور فرمائے اور شرک وبدعت اور رسومات وخرافات کی دلدل سے باہر نکالے۔ آمین ثم آمین!

تو اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تبارک و

---

[1] الانعام:15

تعالیٰ کی نافرمانی سے اور قیامت کے دن کی سختی سے حد درجہ ڈرا کرتے تھے لیکن آج ہم ہیں کہ بڑی بڑی بغاوت سرکشی اور نافرمانی کرتے ہوئے کبھی ہمیں خیال نہیں آیا کہ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے ادبی کر رہے ہیں اگر یوں ہی عمر گزر گئی تو قیامت کے دن ذلت کا سامنا ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں

اطاعت الٰہی کا خزانہ نہایت قیمتی ہے اور یہ خزانہ ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتا اس خزانے کو حاصل کرنے کے لیے اللہ کے حضور رونا پڑتا ہے، لمبی لمبی دعائیں اور گریہ زاری کرنا پڑتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کئی ایک دعائیں ایسی ہیں کہ جن میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے یہی خزانہ مانگا کہ اے اللہ! مجھ کو اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا لے، حالانکہ دنیا بھر میں آپ جیسا مطیع اور فرمانبردار کوئی نہیں تھا۔ آپ کی بے شمار دعاؤں میں سے ایک اہم ترین دعا پر غور فرمائیں کہ جس کو آل عباس کے موتی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مندرجہ ذیل دعا کیا کرتے تھے:

﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ لَكَ شَكَّارًا ، لَكَ ذَكَّارًا ، لَكَ رَهَّابًا ، لَكَ مُطِيْعًا ، اِلَيْكَ مُخْبِتًا ، اِلَيْكَ اَوَّاهًا مُّنِيْبًا﴾ [1]

”اے اللہ......! مجھے اپنا بہت زیادہ شکر کرنے والا بنا دے، اپنا بہت زیادہ ذکر کرنے والا بنا دے، اپنی ذات سے بہت زیادہ ڈرنے والا بنا دے، اپنی فرمانبرداری کرنے والا بنا دے، اور اپنی طرف ہی جھکنے والا، آہ و بکا اور رجوع کرنے والا بنا دے۔“

[1] سنن ابی داود: 1510

یہ ہے دعائے مصطفیٰ ﷺ ...... یہ ہے پکارِ مصطفیٰ ﷺ ...... کہ دعا کے ایک ایک حرف سے جذبہ اطاعت اور شوق فرمانبرداری کی کئی کرنیں پھوٹتی ہیں۔ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سونے کی دعا، تہجد کی دعا اور نماز کی دعاؤں کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کس طرح جذبہ اطاعتِ الٰہی سے سرشار تھے کس طرح رو رو کر فرمانبرداری کی توفیق مانگتے اور کس طرح جذبہ اطاعت کے کمال کو پہنچتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی سچا تابعدار بن کر باادب اور تعظیم کرنے والا بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

حقّ تُقاتِہٖ کی تفسیر

قرآن پاک کی مشہور ومعروف اور خطبہ مسنونہ میں پڑھی جانے والی آیت مبارکہ:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۰۲ ﴾ [1]

کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے صحیح معنوں میں ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ

﴿ اَنْ يُّطَاعَ فَلَا يُعْصٰى وَ يُذْكَرَ وَلَا يُنْسٰى ﴾ [2]

”اس کی اطاعت کی جائے اور نافرمانی نہ کی جائے اسے یاد رکھا جائے اور اسے بھلایا نہ جائے۔“

---

[1] آل عمران:102

[2] مستدرک حاکم:2/294

معلوم ہوا جو رب سے ڈرنے والا ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کا سچا ادب کرنے والا ہو وہ نافرمان نہیں ہو سکتا اگر نافرمان ہو تو باادب نہیں ہو سکتا۔

افضل عبادت نافرمانی کا چھوڑنا ہے

ہر نیکی کرنا فرض نہیں، لیکن ہر گناہ چھوڑنا فرض ہے۔ کامیابی صرف انہی خوش نصیب لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو مکمل اطاعت اور سچی تابعداری کرتے ہیں۔ اور نافرمانی کے قریب نہیں جاتے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا سب سے بڑا عبادت گزار کون ہے؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جو اطاعت کے ساتھ ساتھ نافرمانی سے بچتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حرام کردہ کاموں کے قریب تک نہیں جاتا۔ [1]

اسی طرح امام ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بھائی کو خط میں لکھا:

﴿ اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ ، الإِمْسَاكُ عَنِ الْمَعْصِيَةِ وَالْمَوْقُوْفُ عِنْدَ الشَّهْوَةِ وَاَقْبَحُ الرَّغْبَةِ اَنْ تَطْلُبَ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْآخِرَةِ ﴾ [2]

"افضل عبادت نافرمانی سے رکنا اور شہوت کے وقت قابو پانا ہے اور بدترین رغبت یہ ہے کہ آدمی آخرت والے عمل کے ساتھ دنیا طلب کرے۔"

یعنی نافرمانی نہ کرنا افضل عبادت ہے جو شخص نافرمانی سے باز نہیں رہتا اس کی عبادت بھی ضائع کردی جاتی ہے۔

---

[1] جامع الترمذی:2305

[2] بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور جذبہ اطاعت

عموماً دیکھا گیا ہے کہ استاذ کا رنگ شاگرد پر ضرور غالب آتا ہے استاذ جس قدر عامل، روحانی اور مربی ہوگا شاگرد بھی اسی قدر تربیت یافتہ ہوں گے اور اگر استاذ کے قول وفعل میں تضاد ہو تو لازماً شاگردوں میں بھی بدعملی کے جراثیم سرایت کر جائیں گے۔

اس امّت کے معلم اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کہا وہ پہلے کر کے دکھلایا حتی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مل کر مزدوری کی، اینٹیں اٹھائیں اور کئی دنوں کے فاقے برداشت کیے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل کی وجہ سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان میں ایسا اثر تھا کہ ابھی وحی کا نزول ہوتا، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پڑھ کر سناتے تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کی تعمیل کے لیے سب کچھ چھوڑ کر مر مٹنے کو تیار ہو جاتے اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جذبہ اطاعت کا عالم یہ تھا کہ کبھی بھی حکم الٰہی کے سامنے نظر نہ اٹھائی، بلکہ گردن کو جھکا دیا چونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حکم الٰہی سن کر اپنی مرضی نہیں کیا کرتے تھے نہ ہی دنیا کے نفع اور مفاد کو دیکھتے بلکہ صرف اور صرف حکم الٰہ کو دیکھتے اور عمل شروع کر دیتے، کئی منافقین نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس جذبہ کو بے وُقوفی سے تعبیر کیا کہ یہ عجیب لوگ ہیں کہ جب ان کا رب ان کو کوئی حکم دیتا ہے تو یہ بغیر سوچے سمجھے اور اپنے مفاد پر نظر دوڑائے اس حکم پر مر مٹنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ جذبہ اطاعتِ الٰہی سے سرشار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق جب منافقین نے اپنی زبان دراز کی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فوراً جواب نازل فرمایا:

﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ ﴾

''خبردار! صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو بے وقوف کہنے والے خود بے وقوف ہیں۔''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین بے سمجھ نہیں ہیں، بلکہ وہ اعلیٰ درجے کے جانثار، وفادار اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا جذبہ اطاعت

ایک دفعہ سیدنا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کہ آپ ایک امت تھے اور اللہ کے لیے قنوت کرنے والے یکسو تھے۔ لوگوں نے کہا حضرت آپ بھول تو نہیں گئے......؟ یہ بات تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدنا ابراہیم خلیل الرحمن علیہ السلام کے متعلق کہی ہے۔ آپ نے فرمایا: میں بھولا نہیں ہوں، بلکہ کیا تم جانتے ہو امت کسے کہتے ہیں اور قَانِتًا لِّلّٰہِ کا کیا مطلب ہے......؟ لوگوں نے کہا: اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

﴿الْأُمَّةُ يُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ﴾

''امت کہلانے کا حقدار وہ شخص ہے جو لوگوں کو بھلائی سکھلائے۔''

﴿وَالْقَانِتُ اَلْمُطِيْعُ لِلّٰهِ﴾

اور قانت اسے کہتے ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کا مکمل فرمانبردار ہو

﴿وَكَانَ مُعَاذٌ يُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ وَمُطِيْعًا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهِ﴾ [1]

''اور معاذ رضی اللہ عنہ لوگوں کو خیر بھی سکھلاتے تھے اور اللہ اور اس کے رسول

[1] حلیۃ الاولیاء: 1/ 230_36

کی تابعداری بھی کرنے والے تھے۔‘‘

بلکہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنی عالیشان کتاب ’’سیر اعلام النبلاء‘‘ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی فرمانبرداری کو اس حد تک نقل کیا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی تو درکنار...... کبھی اپنی دائیں جانب تھوکا بھی نہیں کہ کہیں اس پر بھی اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

﴿مَا بَزَقْتُ عَلٰی یَمِیْنِیْ مُنْذُ اَسْلَمْتُ﴾

’’جب سے میں مسلمان ہوا ہوں میں نے دائیں جانب تھوکا تک نہیں۔‘‘

حالانکہ ہر عالم اور طالب علم جانتا ہے کہ دائیں جانب تھوکنا کوئی بہت بڑا گناہ نہیں ہے، لیکن دائیں جانب اللہ کو پسند ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی پسند تھی...... اس لیے عملی زندگی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کے لیے اس قدر احتیاط برتی کہ کبھی دائیں جانب تھوکا تک بھی نہیں۔ رضی اللہ عنہ

اے عناق! اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام کر دیا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک معروف صحابی حضرت مرثد بن ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ ہیں وہ مسلمان ہوئے...... نہایت صحت مند اور طاقتور نوجوان تھے اور وہ مکے سے قیدی اٹھا کر مدینہ لایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ مکے سے قیدی اٹھانے کے لیے گئے تو ان کو مکے کی ایک زانیہ عورت نے دیکھ لیا۔ دورۂ جاہلیت میں حضرت مرثد رضی اللہ عنہ کو وہ جانتی پہچانتی تھی۔ جب اس نے چاندنی رات میں سایہ دیکھا تو پہچان کر کہنے لگی: کیا تو مرثد ہے......؟ حضرت ابومرثد رضی اللہ عنہ نے سچ بولا اور کہا: میں مرثد

ہوں۔ وہ کہنے لگی:

مَرْحَبًا وَّ أَهْلًا هَلُمَّ فَبِتَّ عِنْدَنَا اللَّيْلَةَ

''خوش آمدید۔ آ جاؤ اور ہمارے پاس رات گزارو۔''

یعنی عناق نے حضرت مرشد رضی اللہ عنہ کو رات کی تنہائی میں زنا کی دعوتِ عام دی۔ اور اس وقت اللہ کے سوا ان دونوں کی باتوں کو کوئی سن رہا تھا اور نہ ہی ان کو کوئی دیکھ رہا تھا۔ حضرت مرشد رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں عناق نامی بدکارہ عورت کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ دیا: اے عناق......!

﴿ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ الزِّنَا ﴾

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام کر دیا ہے۔''

یہ جملہ جونہی پاکبازوں کے امام حضرت مرشد رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے نکلا تو اس عورت نے شور ڈال دیا۔ اس کے بعد بڑی مشکل سے حضرت مرشد رضی اللہ عنہ نے ایک غار میں چھپ کر پناہ لی اور بہت زیادہ مشکل کا سامنا کیا...... لیکن اللہ کی نافرمانی نہیں کی...... سبحان اللہ!

اور یاد رہے......! جو لوگ جس قدر فرمانبردار ہوتے ہیں وہ اسی قدر حق باری تعالیٰ کے باادب، مؤدّب اور احترام کرنے والے ہوتے ہیں ایسے لوگوں کو ہی اللہ تبارک وتعالیٰ عزت وعظمت اور بلندی عطا کرتا ہے رحمت وبرکت اور سعادت کے تمام مراتب انہی کے لیے ہوتے ہیں وگرنہ جو نافرمانی کرتے ہوئے اس ذات کی بے ادبی کرے وہ رحمت الٰہی سے محروم ہو کر صراط مستقیم سے بھٹک جاتا ہے اور حد درجہ گمراہ ہو جاتا ہے۔

نافرمان حد درجہ گمراہ ہے

صرف کلمہ پڑھ لینے سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اور جنّت نصیب نہیں ہوتی، بلکہ رحمت اور جنّت کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت فرض ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾ [1]

''جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ واضح گمراہ ہوا۔''

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کا عذاب نافرمان اور حقیقی معنوں میں بے ادب لوگوں پر ہی آیا ہے۔ آپ بنی اسرائیل کی تاریخ وسیرت کا مطالعہ کرلیں رب تعالیٰ نے ان کو حد درجہ انعام وکرام اور اعزاز سے نوازا، بلکہ ان کو سارے جہان والوں پر فضیلت حاصل تھی لیکن جب وہ نافرمانی کرتے ہوئے بے ادب ہو گئے تو رب تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کیا اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں میں نے ان پر اپنا غضب کیا، ان پر پھٹکار، دھتکار اور لعنت اتار دی۔ کیوں......؟ فرمایا:

﴿ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ؁ ﴾ [2]

یہ سارے عذاب اس لیے آئے کہ وہ نافرمان ہو گئے اور بے ادبی کرنے والے تھے، حد سے بڑھ جانا ہی بے ادبی ہے۔

کبیرہ گناہ تو درکنار ذرّہ بھر نافرمانی سے بھی بچنا چاہیے جو چھوٹی چھوٹی

---

[1] الاحزاب: 36
[2] البقرہ: 61

نافرمانی سے بچتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی زندگی کو خیر اور نور سے بھر دیتا ہے۔

مجھے یاد آیا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت بلال رحمۃ اللہ علیہ جو حد درجہ شعلہ نوا، شیریں مقرر اور خطیب تھے نہایت حکمت بھری گفتگو کرتے لوگ ان کے خطاب کو سننے کے لیے سیلاب کی طرح امڈ آتے تھے وہ فرمایا کرتے تھے یہ نہ دیکھو کہ گناہ چھوٹا ہے بلکہ یہ دیکھو کہ بے ادبی کس عظیم ذات کی ہو رہی ہے۔ (اللہ اکبر)

زہد و ورع اور تقویٰ و طہارت کے عظیم امام صحابی رسول سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ نے سلمہ بن مخلد کی طرف خط لکھا اور اس تحریر میں اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے باادب مسلمان کی عزت و عظمت کا تذکرہ ابتدا میں اس انداز سے کیا:

﴿ اَمَّا بَعْدُ...! فَإِنَّ الْعَبْدَ اِذَا عَمِلَ بِطَاعَةِ اللهِ اَحَبَّهُ اللهُ وَاِذَا اَحَبَّهُ اللهُ حَبَّبَهُ اِلٰى خَلْقِهِ ﴾

''بندہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی مکمل اطاعت کرتا ہے تو رب تعالیٰ اس کو اپنا محبوب بنا لیتے ہیں اور جب اپنے باادب بندے کو اپنا محبوب بنا لیں تو اپنی مخلوق کے دل میں بھی اس کا پیار پیدا کر دیتے ہیں۔''

پھر ساری خدائی ایسے باادب شخص کا دلی ادب کرتی ہے پھر فرمایا:

﴿ وَاِذَا عَمِلَ بِمَعْصِيَةِ اللهِ اَبْغَضَهُ اللهُ فَاِذَا اَبْغَضَهُ بَغَّضَهُ اِلٰى خَلْقِهِ ﴾ [1]

''اور جب بندہ نافرمانی والے کام کرتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے نفرت فرماتے ہیں اور جب اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے نفرت

[1] کتاب الزہد:135

کرتے ہیں تو مخلوق کے دل میں بھی اس کا احترام ختم ہو جاتا ہے۔"

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر لوگ چونکہ جاہل ہوتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت ومعرفت اور بڑائی وعظمت سے ناواقف ہوتے ہیں اس لیے وہ نافرمانی کرتے ہوئے ہچکچاہٹ اور خوف وڈر محسوس نہیں کرتے، وگرنہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے شہنشاہی اختیارات اور اس کی قوت وطاقت سے آگاہ ہوتے ہیں ان کے لیے نافرمانی وبے ادبی کا ارتکاب تو درکنار نافرمانی کے تصور سے وہ لرزہ براندام ہو جاتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

﴿ اِذَا عَلِقَتْ شُرُوْشُ الْمَعْرِفَةِ فِی اَرْضِ الْقَلْبِ نَبَتَتْ فِیْهِ شَجَرَةُ الْمُحَبَّةِ اَثْمَرَ ثَمْرَةَ الطَّاعَةِ ﴾

"جب معرفتِ الٰہی کی جڑیں دل کی زمین سے چمٹی ہوں تو دل میں محبّتِ الٰہی کا درخت اُگ آتا ہے" جب وہ درخت مضبوط، طاقتور اور بڑا ہوتا ہے تو وہ اطاعت، فرمانبرداری اور تابعداری کا پھل دینا شروع کر دیتا ہے۔"

پھر جب تک معرفتِ الٰہی، قدرت اور ختیاراتِ الٰہی کی شاخیں دل میں چمٹی رہتی ہیں تو محبت کا درخت بھی اسی قدر مضبوط رہتا ہے اور اس پر اطاعتِ الٰہی کا میٹھا پھل اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ معصیت ونافرمانی کا کوئی کانٹا قریب نہیں آتا۔

نافرمانی کے چند اسباب

اکثر لوگ چار اسباب کے پیش نظر اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی کرتے

ہوئے اس کی بے ادبی کرتے ہیں۔

1 ......کئی لوگ اپنی عادتوں سے مجبور ہوتے ہیں وہ ارشادِ باری تعالیٰ سن کر بھی ذرّہ برابر اپنے آپ کو تبدیل نہیں کرتے بلکہ اپنی بری عادت پر قائم رہتے ہیں، جبکہ یہ حد درجہ ہلاکت و بربادی ہے کہ آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکامات سن کر، پڑھ کر اور سمجھ کر پھر بھی اپنی جہالتوں میں مست رہے اور مسلسل اس کی بے ادبی کرتا ہوا اس دنیا سے چلا جائے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اکثر لوگ فحاشی اور دنیوی فیشن میں اس قدر غرق ہوتے ہیں کہ ساری زندگی اطاعتِ الٰہی کا نور حاصل ہی نہیں ہوتا۔

2 ......کچھ لوگ دنیوی مفادات کے لیے حکم الٰہی کی پرواہ نہیں کرتے، بلکہ دنیا بنانے، چمکانے اور چلانے کے چکروں میں خالق کائنات، مدبّرِ کائنات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے باغی سرکش اور نافرمان بن جاتے ہیں جب کہ عارضی دنیا کے لیے حقیقی الٰہ کا بے ادب بن جانا یقیناً خسارے کا سودا ہے۔

3 ......بعض اوقات غمی وخوشی کے موقع پر شیطان خوب داؤ لگاتا ہے اور بندے کے دل میں وسوسات ڈالتا ہے کہ آج غمی اور خوشی کا دن ہے بار بار یہ دن نہیں آنا آج جی بھر کر جو چاہو کرلو۔

4 ......اسی طرح اکثر انسان غمی کے موقع پر صبر کا دامن چھوڑ کر اجر سے محروم ہوجاتے ہیں اور نافرمان بھی بن جاتے ہیں اور اسی طرح خوشی کے موقع پر شکر کی بجائے حرام کاموں کے ارتکاب سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی لعنت کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ جب کہ سچا فرمانبردار دونوں حالتوں میں اطاعت الٰہی کا دامن نہیں چھوڑتا، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا سچا مطیع اور فرمانبردار بن کر رہتا ہے۔

اللہ کا نافرمان جانور سے بھی بدتر

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ بیک وقت حدیث فقہ اور روحانیت کے امام تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک فکر انگیز مثال سے وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عَلَّمْتَ كَلْبَكَ ؛ فَهُوَ يَتْرُكُ شَهْوَتَهُ فِي تَنَاوُلِ مَا صَادَهُ ؛ احْتِرَامًا لِنِعْمَتِكَ ، وَ خَوْفًا مِنْ سَطْوَتِكَ وَ كَمْ عَلَّمَكَ مُعَلِّمُ الشَّرْعِ وَأَنْتَ لَا تَقْبَلُ [1]

"تو نے اپنے (شکاری) کتوں کو سکھلایا تو وہ اپنے پسند کے شکار کو تیرے سکھلانے کا احترام کرتے ہوئے اور تیرے رعب سے ڈرتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے (نہیں کھاتا) لیکن اے انسان......! شریعت کے استاذ نے تجھے کتنا سکھلایا ہے اور تو اس کی بات قبول نہیں کرتا۔"

یعنی وہ حیوان ہونے کے باوجود تابعدار ہے وہ نجس ہونے کے باوجود فرمانبردار ہے اور اپنے مالک کا ادب واحترام کرتا ہے مگر تو انسان ہو کر رب تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی فرمانبرداری کی پرواہ نہیں کرتا۔ (اللہ اکبر)

بارگاہِ ربانی میں عاجزانہ التجاء ہے کہ وہ ہمیں اپنی معرفت ومحبت نصیب فرمائے اور ساری زندگی اپنا ادب واحترام اور اطاعت کرنے کی توفیق عطا فرمائے!

کسی نے کیا خوب کہا ہے......!

"نافرمانی کی زندگی سے فرمانبرداری کی موت ہزار درجہ بہتر ہے

---

[1] الفوائد، للامام ابن قیم: 82

بے ادبی کی زندگی سے باادب مرجانا سعادت ورحمت ہے۔‘‘

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ جب ہمیں موت آئے تو ہمارا چہرہ نافرمانی کے بدنما دھبوں سے پاک ہو اور اطاعتِ الٰہی کے نور سے چمکتا ہوا نظر آئے۔ آمین ثم آمین!

أَرَاكَ امْرَءًا تَرْجُوْ مِنَ اللّٰهِ عَفْوَهُ
وَ اَنْتَ عَلٰى مَا لَا يُحِبُّ مُقِيْمُ
فَحَتّٰى مَتٰى تَعْصِيْ وَ يَعْفُوْ اِلٰى مَتٰى
تَبَارَكَ رَبِّيْ اِنَّهُ رَحِيْمُ

’’میں تجھے خیال کرتا ہوں کہ تو اللہ تعالیٰ سے اس کی درگزری کی امید رکھنے والا شخص ہے اور تو ایسی چیزوں پہ اَڑا ہوا ہے جس کو وہ پسند نہیں کرتا، تو کب تک نافرمانی کرتا رہے گا اور وہ کب تک تجھے معاف کرتا رہے گا......؟ میرا رب تو برکت والا اور بلاشبہ ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔‘‘

خطبہ نمبر 5

آداب الٰہی کا پانچواں تقاضا

اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنا

ادبِ الٰہ کا پانچواں اہم ترین تقاضہ یہ ہے کہ اپنے خالق و مالک رب پروردگار کے تمام فیصلوں کو دل و جان سے قبول ہی نہ کیا جائے، بلکہ اسی پر خوشی و مسرت اور رضا کا اظہار بھی کیا جائے۔ رزق، عمر، غمی، خوشی اور دیگر لوازماتِ زندگی کے حوالہ سے جو مل جائے آدمی اس پر قناعت کرتے ہوئے راضی رہے یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا ادب ہے اور ایسا شخص ہی اپنے خالق و مالک کا باادب ہے......

......وگرنہ جو اپنے رب کی تقسیمات اور اس کے فیصلوں پر راضی نہیں، بلکہ گلے، شکوے کرتا ہے اور سمجھتا ہے اگر یوں ہوتا تو پھر صحیح تھا ایسا شخص ساری زندگی نماز وروزہ، حج وعمرہ اور صدقہ وخیرات کرتا رہے، غائب سے آواز آتی ہے کہ بندے تو میری تقسیم پر راضی ہی نہیں، جا میں رب بھی تجھ پر راضی نہیں......

قارئین کرام......! ربِ تعالیٰ نے ہم کو بے شمار نعمتوں، رحمتوں، برکتوں اور سعادتوں سے نوازا ہے ہمیں ہر حال میں اس کا شکر کرنا چاہیے اور اس کی عطا پر راضی ہونا چاہیے یہی ادب الٰہی کا اہم ترین تقاضہ ہے مگر آج کل اکثر لوگ یہ تقاضہ پورا نہیں کرتے، بلکہ آپ جس سے چاہیں پوچھ لیں، اس کی باتیں سن کر یہی محسوس ہو گا کہ گویا رب تعالیٰ اس کے ساتھ بہت ناانصافی اور ظلم کر رہا ہے۔

کئی لوگ زبان سے تو کہتے ہیں: ''اچھا رب کی رضا'' مگر ان کے دل فیصلہ الٰہی پر مطمئن اور راضی نہیں ہوتے، حالانکہ بندے کو اپنے رب کے متعلق اچھا یقین رکھتے ہوئے......

...... اس کے تمام فیصلوں پر دل وجان سے راضی ہونا چاہیے بلکہ وہ محبتِ الٰہی اور ادبِ الٰہی کی اس بلندی پر فائز ہو......

...... کہ اس کا دل اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہر فیصلہ پر لذت محسوس کرے اور اس کا پورا وجود تسلیم ورضا کا عظیم پیکر ہو......

اور یہی زندگی کا مقصد ہے کہ بندہ رب کے فیصلوں کو دل وجان سے قبول کر کے ان پر لذت محسوس کرے۔

یاد رکھیں......!

''دنیا میں اس کی تقسیمات پر قناعت ورضا کا نصیب ہوجانا یہ بہت بڑا قیمتی خزانہ ہے۔''

اس عظیم دولت کو پا کر کبھی اپنے آپ کو غریب سمجھیں اور نہ مایوس ہوں دعا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں یہ دولت نصیب فرمائے۔ آمین!

قارئین کرام......! ہمارے لیے یہ حد درجہ سعادت اور خوش بختی ہے کہ جس کو اپنا الٰہ، معبود اور رب مانا ہے وہ ہر قسم کی غلطی، عیب اور ظلم سے پاک ہے وہ اپنے بندوں کے حق میں ظلم نہیں کرتا بلکہ ہر دم ہم پر اس کی نوازشات وانعامات کا سایہ رہتا ہے اگر کسی وقت اس کا کوئی فیصلہ بظاہر خلاف مزاج بھی نظر آئے تو صبر ہی نہیں بلکہ اس پر خوش ہو کر اس کا قرب حاصل کرنا چاہیے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے باادب بندوں کا یہی انداز رہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی انھی میں شامل فرمائے۔

قارئین کرام......!

چونکہ ادب کا یہ پانچواں اہم تقاضا حد درجہ اہمیت طلب ہے اس لیے میں

اس کی وضاحت وصراحت قدرے تفصیل سے کرنا چاہتا ہوں تا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی تقسیمات اوراس کے فیصلوں پر راضی رہ کر ہم اس کے باادب بندے بن سکیں۔اہل علم وفضل نے ''رضا'' کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:

﴿ هُوَ سُرُوْرُ الْقَلْبِ بِمُرِّ الْقَضَاءِ ﴾

''بظاہر ناپسندیدہ،کڑوے فیصلہ پر بھی دل کا خوش رہنا''

یہ ''رضا'' ہے اور بعض نے ان الفاظ سے ''رضا'' کے مفہوم کو بیان کیا ہے کہ

﴿ هُوَ اسْتِقْبَالُ الْأَحْكَامِ بِالْفَرَحِ لِلّٰهِ تبارك وتعالىٰ ﴾

''اللہ تبارک وتعالیٰ کے تمام فیصلوں اور احکامات کا خوشی سے استقبال کرنا۔''

سامنا کرنا' کہ میرے متعلق جو فیصلہ ہوا میں اس پر دل وجان سے راضی ہوں اور یہی ادبِ الٰہی کا تقاضا اور باادب لوگوں کی پہچان ہے۔

ثُمَّ اسْتَقَامُوْا کا مفہوم

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾ ﴾ [1]

[1] سورۃ فصلت:33-31

''جن لوگوں نے کہا: ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اس پر ڈٹ گئے ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو اور اس جنت کی خوشی مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست ہیں اور آخرت میں بھی وہاں تمہارا جو جی چاہے گا تمہیں ملے گا اور جو کچھ مانگو گے تمہارا ہوگا یہ بخشنے والے مہربان کی طرف سے مہمانی ہوگی۔''

اس آیت میں تمام اعزازات واکرام ان لوگوں کے لیے ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنا رب مان کر، پالنہار اور پروردگار مان کر اس پر ڈٹ گئے۔

ثُمَّ اسْتَقَامُوْا کا مفہوم اور اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے تمام فیصلوں کو زبان اور دل وجان سے مان کر اس پر خوش ہو گئے اور اللہ کے احکامات پر دل جمعی سے قائم رہے، کبھی بھی ان کے دل ودماغ میں اس خالق ومالک کا گلہ شکوہ نہ آیا بلکہ وہ یقین کامل سے اس کے تمام فیصلوں پر راضی رہے، سیدنا سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا:

﴿ قُلْ لِيْ فِي الْاِسْلَامِ قَوْلًا لَا اَسْاَلُ عَنْهُ اَحَدًا بَعْدَكَ قَالَ : قُلْ ! اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ ﴾ [1]

''مجھے اسلام کے متعلق ایسی اہم بات فرمائیں کہ آپ کے بعد کسی سے پوچھنے کی حاجت نہ رہے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کہہ! میں اللہ

---

[1] صحیح مسلم: 159

پر ایمان لایا پھر اس پر ڈٹ جا۔''

یعنی ایسے حالات کی گردش تجھے مایوس نہ کردے کہ تیری زبان پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے متعلق ناراضی کے جذبات آجائیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ایمانی استقامت کو اسلام کی بنیاد قرار دیا گویا جو اللہ کی وحدانیت کو مان کر اس کو اپنا الٰہ تسلیم کرکے اس کے تمام فیصلوں کو دل کی خوشی سے قبول کرتا ہے وہ ساری شریعت کا پیروکار بن جاتا ہے ایسے باادب کو ہی اللہ تبارک وتعالیٰ تمام بھلائیاں نصیب فرماتے ہیں۔

انبیاء ورسل علیہم السلام اور دنیا کے مصائب

قرآن وحدیث اور انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو سب سے پہلی حقیقت یہی واضح ہوتی ہے کہ ہمارے سارے دین کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی رضا پر قائم ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور اس کی رضا پر دل سے خوش رہتا ہے وہ سچا دیندار اور اللہ تعالیٰ کا چنیدہ، برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ ہے۔ بصورتِ دیگر جو شخص اپنے حالات کا گلہ کرے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے فیصلوں پر راضی نہ رہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے شکوے کرتا ہوا اپنے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے فیصلوں کے متعلق گھٹن رکھے تو ایسے شخص کا دین، ایمان اور اسلام سب کچھ خطرے میں ہے۔

سب مسلمان یہ جانتے ہیں کہ کائنات کی سب سے زیادہ پاکباز اور عظیم ہستیوں کا نام ''انبیاء ورسل علیہم السلام'' ہے۔ لیکن آپ غور فرمالیں کون سا ایسا دکھ ہے جو انبیاء ورسل علیہم السلام پر نہیں آیا......؟ اللہ تعالیٰ کی ان پاکباز ہستیوں کو ہر قسم کے دکھوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ مثال کے طور آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھ لیں

☆...... اپنا گھر، در، وطن اور ماں باپ اللہ کے دین کے لیے چھوڑ دیئے

☆...... ہجرت کی راہ میں ظالم بادشاہ نے سیّدہ سارہ کو پریشان کیا

☆...... لمبے عرصے تک بیٹے جیسی نعمت سے محروم رہے۔

☆...... بیٹا ملنے پر اسی کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا حکم آ گیا

☆...... حتی کہ آپ کو آگ تک میں دھکیل دیا گیا

حضرت یعقوب علیہ السلام کی سیرت کا مطالعہ کرلیں کہ وہ کس طرح

☆...... بیٹے کی جدائی میں بے قرار رہے

☆...... حتی کہ آنکھوں کی بینائی بھی چلی گئی

اور اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے آپ کو کس قدر پریشان کیا، حضرت یونس علیہ السلام کس قدر بے قراری کے ساتھ مچھلی کے پیٹ میں رہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کٹھن آزمائشوں سے کون واقف نہیں......؟ اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے جو دکھ دیئے سب لوگ اس سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔

لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ ان پاکباز ہستیوں میں سے کسی نے بھی اللہ کا گلہ شکوہ کیا نہ اس سے ناامید ہوئے اور نہ ہی اس کے فیصلوں پر ناراض ہوئے، بلکہ کڑی سے کڑی آزمائش میں بھی اللہ کی حمد وثنا کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر دل وجان سے لبیک کہتے رہے۔

اللہ کی تقسیم پر راضی نہ رہنے والے......اور ہمہ وقت اس کے گلے شکوے کرنے والے، انبیاء ورسل علیہم السلام کی سیرت کو پوری گہرائی سے پڑھیں اور اپنے احساسات، خیالات اور جذبات کی اصلاح کریں......کیونکہ مؤدب لوگ اپنے آقا

کے فیصلے پر کسی صورت بھی ناراض نہیں ہوتے اور ناراض ہونے والے کسی صورت بھی مؤدب نہیں کہلا سکتے۔

نوح علیہ السلام کے متعلق خلافِ مطالبہ فیصلہ اور آپ کا ادب

سیدنا حضرت نوح علیہ السلام اللہ تبارک وتعالیٰ کے سب سے پہلے برگزیدہ رسول ہیں۔ آپ علیہ السلام نے تقریباً ساڑھے نو سو سال اپنی قوم کو توحید کی تبلیغ کی۔ ہر لمحہ مناسب موقع پر ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف بلایا، مگر قوم کی اکثریت سرکشی و بغاوت کرتی رہی۔ بالآخر آپ علیہ السلام نے بددعا فرمائی، قوم پر سخت سیلاب کا عذاب آ گیا تو آپ علیہ السلام کا بیٹا بھی ڈوبنا شروع ہو گیا جب آپ علیہ السلام نے دیکھا تو رب تعالیٰ سے مطالبہ کیا:

﴿ رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَہۡلِیۡ وَ اِنَّ وَعۡدَکَ الۡحَقُّ وَ اَنۡتَ اَحۡکَمُ الۡحٰکِمِیۡنَ ﴿۴۵﴾ ﴾ [1]

”اے میرے اللہ...... ! بلاشبہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے (اور آپ نے وعدہ کیا تھا تجھے اور تیرے اہل کو نجات دوں گا) اے اللہ...... ! تیرا وعدہ برحق ہے اور تو بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔“

میرے بیٹے کو عذاب سے محفوظ فرما لے، سیدنا نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال وعظ کرنے کے بعد اپنے نافرمان بیٹے کی نجات کا مطالبہ کیا تو رب تعالیٰ نے قبول کرنے کی بجائے جواباً ارشاد فرمایا:

---

[1] ھود: 45

﴿ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ ﴾ [1]

''اے نوح......! تیرا بیٹا برے اعمال کی وجہ سے تیرے اہل سے خارج ہے اور یاد رکھو! جس بات کا تجھے علم نہیں اس کے متعلق مجھ سے سوال نہ کرنا میں تیرا رب تجھے اس بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں سے نہ ہو جانا۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سختی سے حضرت نوح علیہ السلام کا مطالبہ مسترد فرما دیا، قبول کرنے کی بجائے سخت الفاظ میں انکار کرتے ہوئے بیٹے کو غرق کر دیا، مگر اس سب کچھ کے باوجود سیدنا نوح علیہ السلام کے بے مثال قابل اتباع روشن کردار پر غور فرمائیں! آپ علیہ السلام نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ اے الٰہی! میں تیرے لیے ساڑھے نو سو سال دھکے کھاتا رہا، تیرے لیے ہر قسم کی آفت، مصیبت اور آزمائش کو سینے لگایا، مگر آج اگر ایک مطالبہ کر ہی دیا تو اس کو اس قدر سخت انداز میں رد کر دیا ہے......؟ بلکہ حضرت نوح علیہ السلام نے اس قدر باادب انداز، اعلیٰ الفاظ میں اپنے رب کے فیصلہ کو قبول فرمایا کہ قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے لاجواب مثال قائم کر دی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ ﴾ [2]

''اے میرے رب! میں تیری پناہ میں آتا ہوں کہ (آج کے بعد

---

1. ھود: 46
2. ھود: 47

ساری زندگی) کوئی ایسا سوال کروں کہ جس کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں۔"

حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں: یا اللہ......! آج کے بعد کبھی بھی ایسا سوال نہیں ہوگا جس سے تو ناراض ہو یا جس سے بے ادبی کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔

آج ہم اللہ سے کیا مانگتے ہیں، بلکہ رب تعالیٰ کو حکم کرتے ہیں، یا اللہ......! ایسے کر دے......! یا اللہ......! یوں کر دے......! اگر ہمارے مزاج کے مطابق ہماری خواہش پوری نہ ہو تو ہم گلے شکوے کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اس کی نافرمانی و بے ادبی پر اتر آتے ہیں۔

مجھے یاد آیا ہماری کالونی میں ایک شخص ہے وہ مسجد میں صبح کی اذان دیتا اور خیر کے کاموں میں بڑی خوشی سے شریک ہوتا اس نے دعا کی اور کروائی کہ یا اللہ! مجھے بیٹا دے دے، بالآخر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو بیٹی عطا کی اس جاہل شخص نے اذان دینا تو درکنار نماز پڑھنا چھوڑ دی، کیوں......؟ جی......! اللہ نے میری دعا کو قبول نہیں کیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

حضرت نوح علیہ السلام برگزیدہ رسول ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے دعا قبول کی نہ مطالبہ پورا کیا۔ مگر آپ حد درجہ ادب کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں آج کے بعد کبھی لاعلمی کی بنیاد پر سوال نہیں ہوگا اور جو مطالبہ کر چکا ہوں جو سوال والد ہونے کی حیثیت سے بیٹے کی نجات کے متعلق کر لیا ہے وہ مجھے معاف فرما اور فرماتے ہیں۔

﴿ وَ إِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَ تَرْحَمْنِيْٓ أَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝٤٧ ﴾ [1]

---

[1] ھود: 47

''اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں دنیا و آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔''

قارئین کرام......! معلوم ہوا بڑے سے بڑے خونی رشتہ کے متعلق اگر کوئی دعا قبول نہ ہو یا آپ کی خواہش کے مطابق مطالبہ پورا نہ ہو تو اپنے رب پر ناراض نہیں ہونا چاہیے، اس کا گلہ وشکوہ کرنا چاہیے اور نہ ہی اس کی نافرمانی کا ارتکاب کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ طریقے اور انداز بے ادب لوگوں کے ہوتے ہیں باادب ہمیشہ مان کر، جھک کر، عاجزی کے ساتھ خوش رہتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح معنوں میں اپنے فیصلوں پر راضی رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ادبِ یوسف علیہ السلام کی ایک جھلک

معاشرہ میں بڑے بڑے لوگ کبھی نہ کبھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکوہ کر بیٹھتے ہیں۔ لیکن کچھ اللہ والے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ہر آن، ہر گھڑی اور ہر وقت اس کی رضا کے متلاشی رہتے ہیں۔

سیدنا یوسف علیہ السلام عظیم الشان رسولوں میں سے ہیں، زندگی کا اکثر حصہ آزمائشوں میں گزرا، کبھی کنوئیں میں اور کبھی منڈیوں میں کہیں آوارہ عورتوں کی تہمتیں، کہیں قید و بند کی صعوبتیں، باپ کی جدائی کا غم عظیم، غرض کہ ہر کٹھن موڑ ''رضا'' سے طے کیا، گلہ شکوہ کیا نہ کبھی ناراضی کا اظہار، بلکہ جب رب تعالیٰ نے عزت وعظمت اور عظیم منصب عطا فرما دیا تو شکر و رضا کا اظہار کرتے ہوئے فرمانے لگے:

﴿ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴾ (1)

''اے میرے پروردگار......! تو نے مجھے بادشاہت عطا فرمائی اور خوابوں کی تعبیر سکھائی، زمین و آسمان کو پیدا فرمانے والے! (مجھے تجھ پر کوئی اعتراض یا گلہ شکوہ نہیں) تو ہی دنیا و آخرت میں میرا دوست ہے (اور جو کچھ تو نے میرے ساتھ کیا ہے وہ تو تیری دوستی کے رنگ تھے، تیرے پیار کے مراحل تھے اب خواہش یہی ہے) اسلام کی حالت میں فوت کرنا اور نیکوں کا ساتھ نصیب فرمانا۔''

قارئین کرام......!

اگر سیدنا یوسف علیہ السلام گلے شکوے کرنے بیٹھ جاتے تو آج یوسف نہ کہلاتے آپ نے آزمائشوں کی تیز آندھی میں صبر و استقلال کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے فیصلوں پر خوشی و رضا کا اظہار کیا رب تعالیٰ نے آپ کے ذکر خیر کو قیامت تک کے لیے روشن فرما دیا۔

آیئے ...... ! سارا وقت مایوسی، اعتراضات، گلے شکوے اور ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے ضائع نہ کریں۔ بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے باادب، اس کی تقسیمات پر خوش رہنے والے خوش نصیب بننے کی کوشش کریں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو ہر حالت میں اپنی ذات پر خوش رہنے کی

---

(1) یوسف: 101

توفیق عطا فرمائے۔ آمین......!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہر حال میں راضی رہے

میرے اور آپ کے پیر و مرشد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیم و رضا کے عظیم پیکر تھے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عملی طور پر ساری زندگی ادبِ الٰہ کے اس اہم تقاضے کو پورا کیا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہر فیصلہ پر دل کی خوشی سے لبیک کہا۔

☆ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے تو یتیم تھے،

☆ چھ سال کے ہوئے والدہ ماجدہ داغ مفارقت دے گئیں۔

☆ پھر دادا عبدالمطلب بھی نہ رہے

☆ بالآخر چچا ابوطالب بھی دنیا سے رخصت ہوئے۔

☆ شادی ایک بیوہ خاتون سے ہوئی۔

☆ تین بیٹے نوعمری میں رحلت کر گئے۔

☆......اس کے ساتھ ساتھ اہل مکہ نے روحانی و جسمانی دکھ پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

☆......وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا۔

☆......مدینہ آئے تو منافقین کے صدمے، یہود و نصاریٰ کی سازشیں، اہل مکہ کی جنگیں

☆......کئی صحابہ سمیت پیارے بہادر چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا شہید ہونا خود زخمی ہونا۔

غرض کہ آزمائشوں کے پہاڑ ٹوٹے، پریشانیوں اور مصیبتوں کے کئی سیلاب

آئے مگر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی یہ نہ کہا:

کہ اے پروردگار عالم......! مجھے محبوب بنا کر، سید الاولین والآخرین بنا کر اس قدر آزمائشوں میں مبتلا کیوں کیا جا رہا ہے......؟ ہر آنے والا دن پہلے سے بڑی قربانی مانگتا ہے، ایسا کیوں......؟ کوئی سوال نہ شکوہ نہ گلہ نہ بے صبری بلکہ ہمیشہ یہی کہا:

﴿ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا یَرْضٰی رَبُّنَا ﴾

''میں زبان سے ہمیشہ وہی کہتا ہوں اور وہی کہتا رہوں گا جس پر عرش والا رب راضی ہو جائے۔'' (سبحان اللہ)

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہر تقسیم پر دل کی تنگی سے راضی نہیں رہتے تھے بلکہ اس رضا پر حلاوت، لذت اور مٹھاس محسوس کرتے تھے۔

لوگوں میں سب سے زیادہ مالدار کون......؟

ہمارے ہاں مذہبی اور غیر مذہبی...... چھوٹے اور بڑے تقریباً تمام لوگ ہی یہی سمجھتے ہیں کہ مالدار وہ ہے جس کا بینک بیلنس مضبوط ہو اور جس کے پاس دکان، مکان کے علاوہ دیگر سہولیات وافر مقدار میں موجود ہوں، جب کہ اسلام کی رو سے سب سے زیادہ مالدار شخص وہ ہے جو جس حال میں بھی ہو...... اللہ کی تقسیم پر راضی ہو...... دوسرے کی طرف للچائی ہوئی نگاہ سے دیکھے اور نہ ہی حسد کرے۔

مدرسۂ نبوت کے پہلے شیخ الحدیث امام ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کہا کہ کون ہے......؟ جو پانچ قیمتی باتوں پر عمل کرے یا کسی عمل کرنے والے کو سکھا دے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کہا:

اَنَا یارسول اللہ! اے اللہ کے رسول......! میں ان باتوں پر عمل بھی کروں گا اور عمل کا جذبہ رکھنے والے شخص کو یہ باتیں سکھا بھی دوں گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ہاتھ سے پکڑا اور پانچ باتیں شمار کرتے ہوئے دوسرے نمبر پر فرمایا:

﴿ وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ ﴾ [1]

''جو اللہ نے تجھے دیا ہے اس پر خوش ہو جا تو لوگوں میں سب سے زیادہ مالدار ہو جائے گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان سو فیصد سے بھی زیادہ سچا ہے۔ ہم نے بڑے بڑے مالدار بزنس مین ہر لحہ بیقرار دیکھے ہیں جو اللہ کی رضا پر راضی نہیں، بلکہ حرص و ہوس اور لالچ کی وادیوں میں کھوئے ہوئے ہیں...... اور اللہ کی قسم......! کئی ریڑھی بان نہایت ہی خوش باش اور پُرسکون دیکھے ہیں جو ہمہ وقت اپنی زبان پر کلمہ شکر رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر دل و جان سے خوش ہیں۔

ایک شاندار انمول وظیفہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو مسنون دعاؤں کی صورت میں بہت ہی گرانقدر تحفہ عطا کیا ہے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی ایک دعا پر بھی غور کر لیں آپ کو اس سے رضا و تسلیم کی خوشبو ہی آئے گی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے تمام فیصلوں کے سامنے دل و جان سے جھکے رہتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

---

[1] جامع الترمذی: 2342؛ وحسنہ الالبانی فی صحیح سنن الترمذی: 1867

ایک شاندار مختصر اور جامع وظیفے کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ذَاقَ طَعْمَ الْإِيْمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَ بِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا﴾ [1]

''جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو رب مان کر اور اسلام کو دین مان کر اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو رسول مان کر راضی ہو گیا اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔''

آج ہمیں بھی یہی ذائقہ حاصل کرنا چاہیے جب تک ہم اللہ کی تقسیمات اور اس کے فیصلوں پر راضی رہ کر اس کا ادب کر کے ایمان کی مٹھاس محسوس نہیں کرتے، ہماری زندگی کی کڑواہٹ کبھی نہیں بدل سکتی۔ ہر اذان کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کی تقسیمات وعنایات پر راضی رہ کر اس کے ادب کا یہ اہم تقاضا پورا کرنا چاہیے۔

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جو شخص اذان سن کر پڑھے:

﴿رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا﴾ [2]

اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ یعنی نغمہ توحید سن کر، اللہ تبارک وتعالیٰ پر رضا کا اظہار کرنا گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے۔ جو شخص ہر اذان کے بعد اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر اپنی رضا کا اظہار کرتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ بھی ایسے بندے کے گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ امام کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مندرجہ ذیل کلمات صبح وشام کہنے والے کے لیے عظیم الشان تین اعزازات وانعامات بیان فرمائے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں جس نے صبح وشام

---

[1] صحیح البخاری: 151

[2] صحیح مسلم: 851

(ایک روایت کے مطابق تین مرتبہ) کہا:

﴿ رَضِيْتُ بِاللهِ رَبًّا وَّ بِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا ﴾

''میں اللہ کو رب مان کر، اسلام کو دین مان کر اور محمد ﷺ کو نبی مان کر راضی ہوں۔''

ایسے خوش نصیب کے متعلق آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

[1] حَقًّا عَلَى اللهِ اَنْ يُّرْضِيَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ [1]

''اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذمہ حق ہے کہ وہ ایسے شخص کو قیامت کے دن راضی کر دے۔''

[2] وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ [2]

''ایسے خوش نصیب کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔''

[3] فَاَنَا الزَّعِيْمُ ، لَآخُذَنَّ بِيَدِهِ حَتّٰى اُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ [3]

''میں ضامن ہوں البتہ ضرور ضرور اس کو ہاتھ سے پکڑوں گا حتی کہ اللہ کی جنت میں داخل کر دوں گا۔''

اس قدر مختصر وظیفہ صرف تین بار پڑھنے سے گناہوں کی بخشش حصول شفاعت، حصول رضائے الٰہی اور جنت کا لازمی دخول کس لیے؟ اس لیے کہ آدمی یہ کلمات اپنی زبان سے ادا کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے تمام فیصلوں پر رضا

---

[1] جامع ترمذی:3389

[2] صحیح الجامع الصغیر:2/1097

[3] المعجم الکبیر للامام طبرانی:838،سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ:421

پر اقرار کرتا ہے کہ پروردگار عالم آپ نے مجھے جو کچھ دیا آپ جس انداز سے میری پرورش فرما رہے ہیں میں آپ کی عطا، عنایت اور تقسیم پر مکمل راضی ہوں، میں ناراض ہوں نہ ہی کوئی گلہ شکوہ ہے اسی طرح جو عظیم دین اسلام آپ نے مجھے عطا فرمایا، اس کی ایک ایک بات اور ہر ہر حکم پر راضی ہوں اور میری رشد و ہدایت کے لیے جو عظیم رسول حضرت محمد ﷺ مجھے عطا کیے ان کی نبوت و رسالت کو مان کر خوش اور راضی ہوں۔ لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ بھی ایسے خوش رہنے والے بندے پر خوش ہو کر بشارتیں سناتے ہیں۔

لیکن معزز قارئین کرام...... !

مقام غور ہے کہ ایک مسلمان صبح و شام یہ کلمات بھی پڑھتا ہے اور دن میں کئی بار اور رات میں کئی مرتبہ عملاً اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناشکری کرتے ہوئے اس کے گلے شکوے بھی کرے، اسلامی تعلیمات کو چھوڑ کر، یہود و ہنود اور غیر مسلموں کی تہذیب و تعلیم کو پسند کرے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کے مقابلہ میں دیگر اماموں کو لا کر کھڑا کر دے تو یقیناً وہ اپنے اقرار میں سچا نہیں بلکہ وہ جھوٹا ہے کیونکہ اگر وہ سچا ہوتا تو کبھی اس کے فیصلوں پر ناراضگی کا اظہار یا ان پر گلہ شکوہ نہ کرتا، نہ ہی دینی تعلیمات سے روگردانی کرتا اور نہ ہی حضرت محمد ﷺ کی اتباع چھوڑ کر کسی دوسرے امام کا اندھا مقلد بنتا، یہ سب کچھ عدم رضا کی وجہ سے ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان

مومن آدمی کانٹے کی چبھن بعد میں محسوس کرتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اجر و ثواب پہلے عطا فرما دیتے ہیں، مومن کی ہر آزمائش میں خیر پوشیدہ ہوتی ہے اس لیے

بیماری، درد اور ایام مرض میں گلے شکوے کرتے ہوئے بے ادب نہ بنیں، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فیصلہ پر خوش رہیں اور خیر کی دعا لازم پکڑیں۔ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صبح میں بیماری کی حالت میں کروں یا تندرستی کے عالم میں، میرے لیے برابر ہے کیونکہ مجھے یقین کامل ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا فیصلہ میرے متعلق حد درجہ بہتر ہے۔

یقین جانیئے......! جب مومن اس قدر اللہ تبارک وتعالیٰ کے فیصلہ پر راضی ہو تو وہ سخت بیماری میں بھی عجب لذت اور روحانیت محسوس کرتا ہے بظاہر وہ جسمانی طور پر بیمار نظر آتا ہے مگر اس کی روح طاقت وقوت اور لطف کی معراج پر ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور فرمایا:

﴿فَإِنَّ الْخَيْرَ كُلَّهُ فِي الرِّضَى فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَرْضَى وَإِلَّا فَاصْبِرْ﴾ [1]

''ہر طرح کی بھلائی اللہ کی تقسیم پر راضی رہنے میں ہے اگر تو طاقت رکھے تو تقسیم الٰہی پر راضی ہو جا، وگرنہ صبر ضرور کر۔''

یعنی ''رضا'' یہ اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ جو اس درجہ پر فائز ہوتا ہے اس کے لیے بھلائیوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ (سبحان اللہ)

اللہ کے نیک ولی فرمایا کرتے تھے کہ میں رات کروں اور میرے پاس خزانوں کے انبار ہوں اور صبح ہو تو ایک ذرّہ بھر بھی نہ رہے تو میں پھر بھی یہی کہوں گا میرے پیارے رب نے ظلم نہیں کیا بلکہ میرے حق میں بہتر کیا ہے۔ اور اس پر دل

---

[1] مدارج السالکین: 2/ 177

و جان سے راضی ہوں رب تعالیٰ نے بھی سچ فرمایا:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ ﴾ [1]

''ایسا خوش نصیب بھی ہے جو اللہ کی رضا جوئی، خوشنودی اور پسند کے لیے اپنی جان تک کھپا دیتا ہے اور ایسے بندوں پر اللہ بڑا مہربان ہے۔''

اکثر افراد کی زندگی دو طرح گزرتی ہے۔

---

① ...... بندہ اپنے گزرے ہوئے وقت کو یاد کر کے پچھتا تا رہتا ہے۔ کاش! اس طرح ہوتا، میں وہ فیصلہ ایسے کر لیتا تو آج میری کیفیت کچھ اور ہی ہوتی۔ غرض یہ ماضی پچھتاوے کا نام ہے کئی لوگ سوائے پچھتاوے کے اور کچھ نہیں کرتے جب کہ یہ درست نہیں۔

② ...... بندہ آنے والے وقت سے ڈرتا رہتا ہے نہ جانے کل کو کیا ہوگا اگلے سال کیا کریں گے، یعنی مستقبل کا خوف اپنے اوپر طاری رکھتا ہے اور ہمہ وقت مستقبل کا اندیشہ ہی رہتا ہے کیا ہوگا، کیا بنے گا، کیا کریں گے جب کہ یہ انداز بھی درست نہیں بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا: کلمہ ''لو'' (اگر) شیطان کے دروازے کھول دیتا ہے، یعنی پھر شیطان کو فضولیات بکوانے کا خوب موقع مل جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص اللہ کی تقسیم پر مکمل راضی ہوتا ہے وہ گزرے ہوئے زمانہ میں جو گناہ ہوتے ہیں ان کی معافی مانگتا ہے اور نیکیوں کی قبولیت کے لیے دعا گو رہتا ہے اور مستقبل کے لیے خیر و بھلائی کی امید رکھتے ہوئے دعا گو رہتا ہے۔ اے اللہ! آنے والی کل پچھلی سے

---

[1] البقرۃ: 207

زیادہ بہتر بنا دے، غرض وہ عارضی پچھتاوے اور مستقبل کے اندیشوں سے چھٹکارا پا لیتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اپنی تقسیم پر راضی رکھے۔ آمین!

صوفی باقر رحمۃ اللہ علیہ کا فرمانا ''یا اللہ میں راضی''

زمانہ قریب میں ایک بزرگ گزرے ہیں جن کا نام صوفی محمد باقر تھا۔ آپ حد درجہ صوم وصلوٰۃ کے پابند اور درویش صفت آدمی تھے۔ آپ نے ساری زندگی تعلق باللہ کی دولت اکٹھی کی اور اسی کی سخاوت کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے۔ آپ کو اللہ نے بیٹا عطا فرمایا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا نام زکریا رکھا۔ نوعمری میں حفظ کروا کر درس نظامی مکمل کروایا جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی آپ کا شمار ممتاز علماء کرام میں ہونا شروع ہو گیا۔ حضرت صوفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ صالحیت وصلاحیت کی بنا پر اپنے بیٹے حافظ محمد زکریا سے بہت محبت کرتے تھے، حافظ محمد زکریا صاحب قرآن کے قاری، حدیث رسول کے مدرس، علوم وفنون کے ماہر اور فن تصنیف وتالیف سے آشنا ہی نہیں تھے بلکہ ہر شعبہ میں پوری دسترس رکھتے تھے، اللہ کا کرنا عین عالم شباب میں جب آپ کی عمر 27 سال ہوئی تو آپ انتقال فرما گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

حضرت صوفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے حزین خاطر ہوئے بلکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میرا سارا کنبہ چلا جاتا مجھے اتنا دکھ نہ ہوتا جتنا دکھ مجھے زکریا کی وفات پر ہوا ہے۔ مگر اس کے باوجود آپ کمرے میں اکیلے بیٹھ گئے اور درمیانی آواز میں یہ کہنا شروع کر دیا: اے اللہ......! میں راضی، اے اللہ......! میں راضی، اے اللہ......! میں راضی اور تقریباً دو گھنٹے تک صرف یہی کہتے رہے: اے اللہ! میں راضی اے اللہ......! میں راضی کبھی جھوم کر، کبھی رو کر بڑی موج میں یہ سلسلہ جاری رہا تھا کہ باہر سے ایک طالب علم نے کہا حضرت دو گھنٹے ہونے کو ہیں آپ دو گھنٹے سے یہی جملہ بار

بار دھرا رہے ہیں بس کریں۔ صوفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے:

"او کملیا......! مینوں تے دو گھنٹے ہوئے نے ناں اے کہندیاں اے اللہ......! میں راضی اے اللہ......! میں راضی اے اللہ......! میں راضی جے اوہنے اک واری وی کہہ دِتا ناں جا، با قر میں وی راضی تے بیڑے پار ہو جانے نیں۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی اپنے ہر فیصلہ پر مطمئن، راضی اور خوش رہنے کی توفیق دے تاکہ ہم اس کے باادب بندے بنیں۔ باادب اپنے آقا کے فیصلوں پر ناخوش نہیں ہوتا، اعتراض نہیں کرتا بلکہ دل وجان سے قبول کرتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی توفیق دے۔ آمین!

خلاصہ رضا

ایک مخلص استاذ اپنے شاگرد اور ہمدرد باپ اپنے بیٹے پر ظلم نہیں کرتا رب رحمن اپنے بندے پر ظلم کیسے کر سکتا ہے......؟

آپ جانتے ہیں والدین کی ہر سختی، تلخی اور سزا میں بھی ہمدردی شامل ہوتی ہے اور اس سختی وسزا کو برداشت کرنے کے بعد بیٹا محسوس بھی کرتا ہے کہ وہ سختی اور سزا ہی میری کامیابی وترقی کا باعث بنی، جو شاگرد استاذ یا باپ کے تھپڑ پر آگے سے بولنا شروع کردے یا بدتمیزی پر اتر آئے اسے باادب شاگرد یا بیٹا نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح خالق ومالک جب آزمائش میں ڈالتے ہیں تو بندے کا حق یہی ہے کہ وہ حسن ظن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس پر خوش ہو جائے اور خیر کی دعا جاری رکھے۔ اس کے برعکس جو بندہ آزمائش آنے پر ناراض ہو جائے، یا اللہ کے گلے شکوے شروع کردے

یا بداعمالیوں کا ارتکاب کرے تو اس کو باادب بندہ نہیں کہا جاسکتا بلکہ وہ رب تعالیٰ کا بے ادب ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو زبان سے وظیفہ کرنے کے ساتھ ساتھ عملاً بھی راضی رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اے جوانانِ سعادت مند رضائے الٰہی کی نعمت اتنی سستی نہیں کہ بے توجہی اور غفلت سے حاصل ہو جائے، بلکہ اس کے لیے نیک تربیت کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جب آہِ سحر گاہی کو اپنایا جائے، راتوں کو اٹھ اٹھ کر مالک کو منایا جائے، اسی کے سامنے جھولی کو پھیلایا جائے اور جی بھر کے کر اس کے حضور گڑگڑایا جائے تو رضائے الٰہی کا گوہر بہت جلد نصیب ہو جاتا ہے۔

خطبہ نمبر 6

آدابِ الٰہی کا
چھٹا تقاضا

اللہ تعالیٰ کو اکثر یاد رکھنا

بھول جانا بھی ادب کے خلاف ہے، باادب اپنے محسنوں کو ہمیشہ یاد رکھتے ہیں اور بار بار ان کا ذکر خیر کرتے رہتے ہیں اپنے مشفق و محسن کو بھول جانا اس کے احسانات کی قدر شناسی کے خلاف ہے اور یہی سوءِ ادب ہے۔

اللہ جل شانہ کو اکثر یاد رکھنے کے لیے صرف توجہ اور تھوڑے سے اہتمام کی ضرورت ہے اس کے لیے کوئی مشقت نہیں کرنا پڑتی۔ باادب لوگ معمولی سی توجہ سے ذکر الٰہی کی تمام برکات حاصل کر لیتے ہیں۔ آپ زندگی کے ہر کام کو اپنے معمول کے مطابق کرتے رہیں لیکن جب اور جتنا ممکن ہو اپنا دھیان اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف کرنے کی بھرپور کوشش کریں کہ

- ...... وہ مجھے دیکھ رہا ہے......
- ...... میں اس کے احاطہ علم وقدرت میں ہوں......
- ...... وہ میری ہر بات سن رہا ہے......
- ...... وہی کھلا اور پلا رہا ہے، مجھے ہر نعمت اسی کی بخشی ہوئی ہے......
- ...... جس چیز پر نگاہ پڑے فوراً خیال کریں کہ یہ اسی کی پیدا کی ہوئی ہے......
- ...... ہر اچھا کام کرنے سے قبل بسم اللہ، پسندیدہ چیز دیکھنے پر ماشاء اللہ، الحمدللہ، چڑھائی چڑھتے وقت اللہ اکبر، نیچے اترتے وقت سبحان اللہ پڑھیں۔

زندگی کا ہر کام اسی طرح کرتے رہیں جس طرح آپ کرتے ہیں صرف ساتھ تھوڑی

سی توجہ الی اللہ کریں آپ والذاکرین اللہ کثیرا کی صف میں شامل ہو جائیں گے۔

کثرت سے یاد رکھنے کا حکم اور یہی کامیابی

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے اس ادب کو کئی مقامات پر بیان فرمایا ہے کہیں اس کی اہمیت وفضیلت بیان کرتے ہوئے اور کہیں اس کا حکم فرماتے ہوئے جیسا کہ فرمایا:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴾ [1]

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ ذکر کرو۔''

مطلب یہ کہ تمہارا زیادہ وقت اسی کی یاد میں گزرنا چاہیے اور ادبِ الٰہ بھی اسی کا متقاضی ہے کہ اپنے خالق و مالک کو ہمہ وقت یاد رکھا جائے جو ہمہ وقت اپنے الٰہ کو یاد رکھتے ہیں ان کے لیے کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ [2]

''کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

یعنی دنیا وآخرت کی کامیابی و کامرانی بھی انہی باادب لوگوں کے لیے ہے جو کثرت سے اپنے اللہ کو یاد رکھتے ہیں اور جو لوگ کمال ادب کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے رب کو یاد رکھیں رب تعالیٰ ان کو یاد رکھتے ہیں اور اپنے ملائکہ کی خاص مجلس میں ان کا ذکر فرماتے ہیں۔

---

[1] الاحزاب:41

[2] الجمعۃ:10

کثرت سے یاد رکھنے والوں کے لیے اعلان بخشش

وہ باادب خوش نصیب جو کثرت سے اپنے اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی یاد میں مگن رہتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے لیے اعلان بخشش ورحمت فرمایا ہے ارشاد ہے:

﴿ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝۳۵ ﴾ [1]

''اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنیوالے مرد اور ذکر کرنے والی عورتوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بخشش اور بہت بڑا اجر تیار کیا ہے۔''

اب یہ کیسے معلوم ہوگا کہ فلاں شخص یا فلاں عورت کثرت سے ذکر کرنے والوں میں شامل ہے؟ یہی سوال امام ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ سے کیا گیا۔

﴿ وَسُئِلَ ابْنُ الصَّلَاحِ عَنِ الْقَدْرِ الَّذِیْ یَصِیْرُ بِهٖ مِنَ الذَّاكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ الذَّاكِرَاتِ فَقَالَ: اِذَا وَاظَبَ عَلَى الْاَذْكَارِ الْمَاْثُوْرَةِ الْمُثْبَتَةِ صَبَاحًا وَ مَسَاءً وَ فِی الْاَوْقَاتِ وَالْاَحْوَالِ الْمُخْتَلِفَةِ لَیْلًا وَ نَهَارًا كَانَ مِنَ الذَّاكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَالذَّاكِرَاتِ ﴾ [2]

''ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ ذکر کی وہ مقدار بیان فرمائیں

---

[1] الاحزاب:35

[2] فقہ السنۃ:512

جس سے آدمی بہت زیادہ ذکر نے والوں میں شامل ہو جائے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو آدمی صبح وشام، دن رات اور مختلف اوقات واحوال میں مسنون اذکار پر ہیشگی کرے گا وہ بہت زیادہ ذکر کرنے والوں کی صف میں شامل ہوگا۔''

اب صبح وشام، دن رات اور مختلف مقامات پر آتے جاتے مسنون دعاؤں کا پڑھنا اوران کا اہتمام کرنا کوئی مشکل کام نہیں صرف معمولی توجہ کی ضرورت ہے۔ان تمہیدی گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ کثرت سے اپنے اللہ کو یاد رکھنا ہی ادب ہے جو شخص کبھی کبھی، یا جب جی چاہے ذکر شروع کر دے اور زیادہ وقت خرافات وفضولیات میں گزارے ایسا شخص ذکر اور ادب کی روشنی سے محروم ہے۔

اسی طرح لسانی ذکر کے علاوہ قلبی ودوامی ذکر کی طرف بھی ہمہ وقت توجہ ہونی چاہیے قلبی ذکر کا مطلب ہے کہ دل ودماغ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت وجلالت موجزن رہے کوئی بول بولنے سے پہلے، قدم یا قلم اٹھانے سے پہلے رب تعالیٰ کا تصور دل میں موجود ہو کہ وہ طاقتور شہنشاہ مجھے دیکھ رہا ہے اور میں اس کے احاطہ میں ہوں۔اکثر لوگ زبان سے تو تسبیحات کرتے ہیں لیکن ناجائز وحرام دھندوں سے باز بھی نہیں آتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ ذکر کی حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں اوران کا ذکر صرف گلے سے اوپر ہوتا ہے دل میں شانِ ذکر کی بلندی نہیں ہوتی۔

اور دوامی ذکر کا مطلب بھی صرف یہی ہے کہ ہمہ وقت، ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا اور اس کی فرمانبرداری واطاعت میں رہنا، لمحہ بھر کے لیے اس کی یاد سے

غافل نہ ہونا۔لسانی قلبی اور دوامی ذکر ہی سراپا رحمت و برکت ہے سارے دین کا اصل لحاظ یہی احساس ہے۔جو بندہ جس قدر زیادہ زبان و دل سے اپنے خالق و مالک کو یاد رکھے اس کا دین اسی قدر زیادہ کامل ہوگا اور صفاتِ کمال اس میں اسی قدر زیادہ بڑھ جائیں گی اور وہ حقیقی معنوں میں باادب مومن بن جائے گا۔

یادرہے......!

آپ نے سنا ہوگا کہ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ فلاں کا دل ہلتا ہے اور کلمے کی آواز آتی ہے اور اس کا قلب جاری ہو چکا ہے بس اب وہ پہنچی ہوئی شخصیت ہے۔

یادرکھیں......! قلب جاری کے سارے افسانے من گھڑت ہیں دین سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ بعض بدعتی صوفیاء شیطان کے ہاتھوں کھلونا بن چکے ہیں اور اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنا، ذکر کی معراج سمجھتے ہیں اور مریدوں کے آدھے سانس اندر اور آدھے باہر نکلوانے کے چکر میں ساری زندگی ضائع کر بیٹھتے ہیں۔

لوگو......! جو پیارا دین ہمارے پیارے پیر و مرشد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے ہیں اس کو اپنے لیے کافی سمجھو، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل تابعداری میں ہی ہماری کامیابی ہے......غور کرو!

1. کیا قرآن مجید میں قلب کے جاری ہونے اور اس سے آواز کا ذکر ہے......؟
2. کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل سے اللہ ھو یا کلمہ طیبہ کی آواز آتی تھی......؟
3. کیا اعلیٰ حضرت امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی صحابی کا قلب جاری کیا......؟
4. کیا کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے کسی تابعی کے سانس کو اندر باہر کرنے کی مشق کروائی؟
5. کیا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بسند صحیح ثابت ہے کہ وہ اپنے مقلدین کا قلب جاری

کیا کرتے تھے اگر نہیں تو پھر حنفی مقلد صوفی اس طرح کیوں کرتے ہیں......؟

سوچنے کی بات ہے......! جس بات کا ذکر قرآن میں نہ حدیث میں، نہ ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم میں...... آخر یہ گمراہی کہاں سے آئی......؟

قارئین کرام......! ذکر ہی عظیم دولت ہے مگر لوگوں نے اس کے حقیقی چہرے کو بری طرح مسخ کر دیا اور موج میلے، بھنگڑے ڈانس اور قلب جاری کو عین ذکر بنالیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تلاوتِ قرآن، مسنون اذکار، مختلف اوقات واحوال کی ثابت شدہ دعائیں انہی کو لسانی ذکر کے لیے کافی سمجھو! اور دل ودماغ میں ذاتِ الٰہ کی عظمت کا تصور رکھو......! انشاء اللہ! آپ ادبِ الٰہ کی انتہا کو چھو جائیں گے ورنہ بصورت دیگر سوائے گمراہی اور بے ادبی کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کثرتِ ذکر

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ کا باادب اور ذاکر کوئی نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کثرت سے قرآن مجید کی تلاوت فرماتے، تسبیح وتحمید اور تہلیل واستغفار میں مصروف رہتے۔ ہر معاملہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر لاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی پناہ کے بغیر زندگی خطرہ میں سمجھتے، صبح وشام بلکہ ہر نماز کے بعد معوذات کا پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول مبارک تھا ذکر الٰہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی کا باعث تھا بلکہ ذکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غذا تھی بغیر ذکر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے چین ہو جاتے اور فرماتے:

''اے بلال! اذان کہہ کر ہمیں آرام پہنچاؤ''

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شوق اور جوش وجذبہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر فرماتے کہ عبادت اور انداز میں ایک خاص شان پیدا ہوجاتی، جب آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت بیان فرماتے تو دل بے اختیار ذاتِ الٰہ پر قربان ہونے کے لیے تیار ہوجاتے، جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہیبت بیان کرتے تو بدن کانپ اٹھتا، جلال بیان کرتے تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے، اس کی ذات کا خوف شروع کرتے تو پہاڑ دل ریزہ ریزہ ہوجاتے اور خشک آنکھیں دریا کی طرح بہہ پڑتیں۔ اور پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت و شفقت کا ذکر کرتے تو ٹوٹے دل جڑ جاتے، گری ہوئی ہمتیں بڑھ جاتیں، خزاں کی جگہ بہار آجاتی اور چہرے تروتازگی اور خوشی سے تمتما اٹھتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں احکام پر بات ہوتی، مسائل کا ذکر ہوتا دیگر اسلامی تعلیمات زیرِ بحث رہتیں۔ مگر جب ذکرِ الٰہی کی بات ہوتی، عظمتِ رحمٰن کا ذکر ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوشی سے جھوم اٹھتے اور یادِ الٰہی کے گہرے سمندر میں غوطہ زن ہوکر معرفت وقدرت کے انمول موتی پیش کرتے ...... اور روح ذکرِ الٰہی سے معطر ہوجاتی ...... اور شکستہ دلوں کو تسکین ملتی۔

زوجہ محترمہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گواہی

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مطابق تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس قدر محبت وشوق سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکرِ خیر کرتے اور اس کے علاوہ جو وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھر میں گزرتا اس میں بھی زیادہ وقت ذکرِ الٰہی میں گزارتے۔

سیّدہ کائنات رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

﴿كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَذْكُرُ اللّٰهَ تَعَالٰى عَلٰى كُلِّ أَحْيَانِهٖ﴾ [1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اوقات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔"

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد الٰہ سے غافل رہنا، شان اور ادب کے خلاف سمجھتے تھے، اس لیے لحہ لحہ اس کے احسانات وانعامات کو یاد رکھتے ہوئے اس کے ذکر سے اپنی زبان کو تر رکھتے اور اپنے دل کو اس کی عظمت کے احساس سے موجزن رکھتے۔

موت کے عالم میں بھی اسی کی یاد

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری زندگی میں محبوب مشغلہ ذکرِ الٰہی ہی رہا، زندگی میں یادِ الٰہی کی روحانی غذا سے پرورش پائی۔ اور بالآخر جب وقت وصال آیا اس وقت بھی آپ کی توجہ دنیا کی طرف نہیں گئی حالانکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک بڑی اسلامی حکومت کے لیڈر اور سینکڑوں امور کے منتظم تھے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب بے بسی اور موت کا وقت قریب آتا ہے تو لوگوں کو یہی فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ میرے بچوں کا کیا بنے گا فلاں کام کیسے ہوگا کوئی کچھ وصیت کرتا ہے اور کوئی اپنی کسی خواہش کا اظہار کرتا ہے اور کئی لوگوں کا بستر مرگ رنج وغم اور حسرت کا مقام ہوتا ہے اگر اور کاش کے علاوہ کچھ زبان پر نہیں آتا۔

لیکن ہمارے پیرو مرشد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موت سے قبل فکر کی تو وہ

[1] صحیح مسلم:826

نماز کی اور زبان پر اگر کوئی فقرہ جاری ہوا تو وہ بھی یہی تھا:

﴿اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى ، اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى﴾ [1]

''اے اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ میں جگہ عطا فرمانا۔''

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی اور موت کا لمحہ لمحہ، مہذب سے مہذب روحوں کے لیے بہترین نمونہ ہے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ رہے تو ذکر الٰہی میں محو نظر آئے جب آغوشِ موت میں گئے تو یاد الٰہی کی دولت لے کر گئے۔ آج ہمیں دنیا کی دلدل سے نکل کر ذکر الٰہی کی بہاروں میں آنا چاہیے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ذکرِ الٰہی کی تلقین فرماتے اور اس ادب کو خصوصی شان سے بیان فرماتے۔

اپنے پیارے کو کیا کہا

اسلام قبول کرنے کے بعد ہر شخص اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت کرتا ہے اور والہانہ محبّت کرتا ہے اور یہ محبّت کسی بھی مسلمان کے لیے بہت ہی قیمتی سرمایہ ہے......لیکن وہ مسلمان کس قدر خوش نصیب ہوتے ہیں کہ جن سے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود محبّت کرتے ہیں انھی خوش نصیبوں میں سے ایک نام معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ہے۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت محبت فرمایا کرتے تھے اور ایک دن آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لفظوں میں اظہار بھی کر دیا اور فرمایا:

اے معاذ! ''میں تجھ سے پیار کرتا ہوں......''

اور پھر محبت کی کثرت کو بیان کرنے کے لیے اللہ کی قسم اٹھائی اور فرمایا:

---

[1] صحیح البخاری: 3667

﴿ وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاُحِبُّكَ ﴾

''اللہ کی قسم! بلاشبہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ لَا تَدَعَنَّ فِیْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ تَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ أَعِنِّیْ عَلٰی ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ ﴾ [1]

''میں تجھے وصیت کرتا ہوں (اے پیارے......!) ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھنے نہ چھوڑنا، اے اللہ! اپنے ذکر، شکر اور اچھی عبادت پر میری مدد فرما۔''

یعنی اے مولا......! اپنے ذکر و شکر اور اچھی عبادت کے تمام آداب خود ہی سکھلا اور اس پر اپنی طرف سے خاص توفیق عطا کر اور اپنی مدد سے مجھے ان پر قائم رکھ، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے پیارے کو نصیحت کرتے ہوئے سب سے پہلے ذکر کی تلقین فرمائی کہ ہر نماز کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس کی مدد، توفیق اور نصرت مانگ، اسی کی خاص عنایت ہی سے زبانیں ذکر سے تر رہتی ہیں۔ (سبحان اللہ)

آقا......! مجھے خاص اور اہم بات بتلائیں

سیدنا حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

﴿ اَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ، اِنَّ شَرَائِعَ الْإِسْلَامِ قَدْ

[1] سنن ابی داود: 1522

كَثُرَتْ عَلَيَّ ، فَأَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ أَتَشَبَّثُ بِهِ قَالَ: لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللهِ ﴾ [1]

''ایک شخص نے عرض کی، اے اللہ کے رسول......! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسلام کے احکام مجھ پر زیادہ ہو گئے ہیں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے ایسی بات بتلائیں جس کو میں مضبوطی سے پکڑ لوں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے۔''

آپ اس حدیث اور دیگر نصوص کی روشنی میں ذکر کو معیار ادب کہہ سکتے ہیں جو شخص جس قدر شوق و جذبہ اور ہمیشگی سے اذکار مسنونہ اور ادعیہ ماثورہ کی پابندی کرتا ہے وہ اسی قدر ذات الٰہ کا مؤدب ہے اس کے برعکس یادِ الٰہی سے غافل رہنے والا بے ادبی کی زندگی بسر کرتا ہے۔

ذکر ہی سب سے اعلیٰ، ارفع اور افضل ہے

جو خوش نصیب ذکر الٰہی میں مصروف رہتا ہے اور اپنی زبان سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی تقدیس و تمجید اور تکبیر بیان کرتے ہوئے اس کا ادب بجالاتا ہے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے شخص کے اس عظیم عمل کو تمام اعمال سے اعلیٰ قرار دیا ہے۔ سیدنا حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

﴿ أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ وَ أَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيكِكُمْ وَأَرْفَعِهَا فِي دَرَجَاتِكُمْ ، وَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ إِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَ خَيْرٌ لَّكُم مِنْ أَنْ

[1] جامع الترمذی:3375

تَلْقُوا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَهُمْ وَ يَضْرِبُوْا اَعْنَاقَكُمْ ؟ قَالُوْا بَلٰى! قَالَ ذِكْرُ اللهِ تعالٰى ﴾ [1]

''کیا میں تمہیں ایسے عمل کی خبر نہ دوں جو تمہارے اعمال میں سے بہتر، تمہارے مالک کے ہاں سب سے زیادہ پاکیزہ، تمہارے درجات میں بہت اضافہ کرنے والا، تمہارے لیے سونا چاندی خرچ کرنے سے بہتر اور اس سے بھی بہتر ہے کہ تم اپنے دشمن سے مقابلہ کرو اور تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا، ضرور بتلایئے! آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر۔''

اس حدیث میں ذکر کی پانچ فضیلتیں بیان کی گئیں ہیں:

1. تمام اعمال میں سے بہترین عمل۔
2. رب تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پاکیزہ عمل
3. درجات کی بلندی کے لیے سب سے بلند عمل
4. سونا چاندی صدقہ کرنے سے بھی بہتر عمل
5. جہاد اور شہادت سے بھی افضل، وہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر اور اس کی یاد۔

ذکر کرنے والے باادب سب سے آگے

دنیا میں کثرت سے اللہ تبارک وتعالیٰ کو یاد رکھنے والے مرد اور یاد رکھنے

---

[1] جامع الترمذی: 3377 صحیح الجامع الصغیر: 2629

والی خواتین ہی قیامت کے روز سب سے آگے ہوں گی۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

﴿ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَسِيْرُ فِيْ طَرِيقِ مَكَّةَ، فَمَرَّ عَلٰى جَبَلٍ يُقَالُ لَه جُمْدَانُ، فَقَالَ: سِيْرُوْا، هٰذَا جُمْدَانُ، سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ قَالُوْا: وَمَا الْمُفَرِّدُوْنَ؟ يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ: الذَّاكِرُوْنَ اللهَ كَثِيْرًا وَّالذَّاكِرَاتِ ﴾ [1]

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کے راستے پر چل رہے تھے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام جمدان نامی پہاڑ کے پاس سے گزرے اور فرمایا سفر جاری رکھو یہ جمدان ہے اور مفردون سبقت لے گئے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا مفردون کون ہیں اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں۔“

اور بعض روایات میں ہے کہ ”رب تعالیٰ ذکر کرنے والے اپنے باادب بندے کے لیے محافظ فرشتہ مقرر فرما دیتے ہیں اور اس کا سارا وقت خاص حفاظت اور نگرانی میں گزرتا ہے۔“ [2]

یعنی جس طرح ہم باادب لوگوں کی تکریم وحیاء کرتے ہوئے ان کی حفاظت کا مکمل خیال رکھتے ہیں اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ بھی اپنے باادب ذاکر بندوں کی حفاظت کے لیے نورانی ملائکہ مقرر فرما دیتے ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم:6808

[2] مجمع الزوائد:10/ 134

سب سے بہترین ذکر

بعض لوگوں نے بہت زیادہ تکلفات کرتے ہوئے اپنی طرف سے دُرود، اذکار اور دعائیں بنا رکھی ہیں اور ان میں سے اکثر تو ایسی ہیں جن میں شرکیہ کلمات بھی موجود ہیں، جبکہ بحیثیت مسلمان ہم کو سب سے زیادہ توجہ قرآن وحدیث پر دینی چاہیے...... قرآنی دعائیں اور قرآنی اذکار سب سے بہتر، برتر اور اعلیٰ تر ہیں اور اس کے بعد احادیث میں وارد ہونے والا ہر ذکر اور ہر وظیفہ اپنی مثال آپ ہے۔ کائنات کا کوئی شخص اذکار بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا لے وہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلنے والے کلمات کی عزت وعظمت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

حدیث شریف میں آنے والے جس ذکر کو بھی آپ کریں گے اس میں اجر و ثواب کے علاوہ برکت ہی برکت ہے، البتہ دو اذکار نہایت قابل توجہ ہیں:

1... ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [1]

''اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی اور وہی تعریف کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر ہمیشہ قدرت رکھنے والا ہے۔''

2... ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ﴾ [2]

---

[1] صحیح البخاری:3293
[2] صحیح مسلم:2695

''اللہ پاک ہے۔سب تعریف اللہ کی ہے اور اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے۔''

مندرجہ بالا کلمات نہایت ہی پاکیزہ اور اللہ کے ہاں پسندیدہ ہیں۔ان کلمات کی شان میں بہت سی صحیح روایات کتبِ احادیث میں موجود ہیں ہم صرف امام البانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سلسلہ احادیثِ صحیحہ سے ایک روایت کو نقل کرتے ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس شخص کو اپنے نفس پر بخل کا خدشہ ہو، اور جہاد بھی نہ کر پاتا ہو اور اسی طرح قیام اللیل میں بھی غافل ہو تو ایسا شخص اس وظیفے کو کثرت اور محبّت سے پڑھے اللہ تبارک وتعالیٰ ہر قسم کی کمی کو اس وظیفے کی برکت سے ختم فرمادیں گے۔

جسمانی اعضا کا ذکر

آج کل جہالت اور شیطانی اثر کا غلبہ ہے لوگوں نے احکامِ الٰہی کو چھوڑ کر ذکر واذکار کی مصنوعی مجالس قائم کر رکھی ہیں اور وہ حلقہ بنا کر اپنے اوپر وجد کی کیفیت طاری کرتے ہوئے عجیب انداز سے محفل ذکر کو رونق بخشتے ہیں جب کہ قرآن وحدیث میں اس کیفیت اور انداز کا تصور تک نہیں ملتا۔

بلکہ سنن دارمی میں صحیح روایت ہے کہ چند لوگ مسجد میں حلقہ بنا کر ذکر کر رہے تھے۔اور لوگوں کو......سو سو مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور لا الہ الا اللہ...... پڑھنے کا کہہ رہے تھے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: اے لوگو......!

ابھی تمہارے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی کثیر تعداد موجود

ہے۔ابھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے بھی بوسیدہ نہیں ہوئے کہ تم لوگوں نے دین میں نئے طریقے ایجاد کر لیے۔ وہ لوگ جواب میں کہنے لگے: اے عبداللہ بن مسعود......!

مَا اَرَدْنَا اِلَّا الْخَيْرَ

''ہم نے تو بھلائی ہی کا ارادہ کیا ہے۔''

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ بھلائی نہیں، بلکہ تم گمراہی کا راستہ کھول رہے ہو۔'' [1]

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ذکر کے لیے

- ...... حلقے بنانا...... جھومنا...... بھنگڑے ڈالنا...... اور محفل ذکر میں جلوہ افروز پیر صاحب کے ہاتھ کو چھو کر مسجد ہی میں دوڑیں لگانا...... اور وجد میں آکر آپے سے باہر ہونا یہ سب ''خرافات'' ہیں دین سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

البتہ بعض محدثین کرام نے اعضا کے ذکر کو اس انداز سے بیان کیا ہے کہ

- ...... ہاتھ کا ذکر یہ ہے کہ اس سے صدقہ کیا جائے، اس سے صرف حلال چیز کو چھوا جائے۔
- ...... آنکھ کا ذکر یہ ہے کہ اس سے فحاشی اور عریانی کے مناظر نہ دیکھے جائیں بلکہ اس کو حدود اللہ کا پابند بنایا جائے
- ...... دماغ کا ذکر یہ ہے کہ اس سے بری سوچ سوچنے کی بجائے پاکیزہ دینی سوچ سوچی جائے۔
- ...... پاؤں کا ذکر یہ ہے کہ ان کو حرام کی طرف نہ چلایا جائے، بلکہ ان کے ذریعے حسنات کی طرف جلدی کی جائے۔

---

[1] سنن الدارمی: 1/79، حدیث: 204

افسوس......! کہ آج لمبی لمبی تسبیحوں والے اور بڑی بڑی پگڑیوں والے اور خوبصورت داڑھی والے بظاہر تو بہت بڑے ذاکر نظر آتے ہیں لیکن وہ اپنے دیگر اعضا کو حرام کاموں سے روکنے میں حد درجہ کوتاہی کا شکار پائے گئے ہیں۔

یاد رہے......! حقیقی ذکر کا یہی تقاضا ہے کہ انسان کا پورا وجود اللہ تبارک وتعالیٰ کا مکمل مطیع اور اس کی شرع کا مکمل پابند رہے۔

بھول جانے والے بے ادب لوگوں کا انجام

قرآن مجید میں ذکر الٰہی کی ترغیب، فضائل، مسائل، مواقع اور کئی احکامات بالتفصیل ذکر کیے گئے ہیں اور جو لوگ اس اہم ادب کا خیال نہیں رکھتے قرآن مجید انہیں سخت وعید بھی سناتا ہے۔ چار مقامات کا مطالعہ فرمائیں:

• ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١٩﴾﴾ [1]

''اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے انہیں ایسا بھلایا کہ وہ اپنے آپ کو بھی بھول گئے یہی لوگ فاسق ہیں۔''

اس آیت مبارکہ میں ایمان والوں کو بالخصوص خبردار کیا گیا ہے کہ ان فاسقوں کی طرح نہ ہو جانا جو یاد الٰہی سے غافل ہو گئے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو بھلا دیا اور نتیجۃً رب تعالیٰ نے ان کو ان کی اپنی جانیں بھلا دیں اور وہ ساری زندگی بے مقصد فسق و فجور میں سرگرداں پھرتے رہے۔

[1] الحشر:19

﴿ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝۳۶ ﴾ [1]

''اور جو شخص رحمٰن کے ذکر سے آنکھیں بند کر لیتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔''

یعنی ایسے بے ادب کو نورانی ملائکہ کی حفاظت و خدمت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور شیطان اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔

﴿ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝۱۲۴ ﴾ [2]

''اور جو میری یاد سے منہ موڑے گا تو اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔''

معلوم ہوا ایسے بے ادب کی دنیا بھی تنگ اور آخرت بھی اندھیر ہو جاتی ہے۔

آخر میں دست بستہ دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اپنے ذکر کی روشنی نصیب فرمائے اور ہمیں اپنی یاد میں دل لگانے کی سعادت بخشے، تا کہ ہم اس کے باادب ذاکر بندے بن کر اس کی ملاقات کو حاضر ہوں۔ آمین ثم آمین!

یاد میں تیری سب کو بھلا دوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پر سب گھر بار لٹا دوں ، خانہ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگا دوں غم سے تیرے دل شاد رہے
سب کو نظر اپنی نظر سے گرا دوں ، تجھ سے فقط فریاد رہے

[1] الزخرف:36
[2] طٰہٰ:124

خطبہ نمبر 7

آدابِ الٰہی کا ساتواں تقاضا

عبادت میں رغبت وخشیت

اسلام میں عبادت کا طریقہ بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے ہر عبادت کی بنیاد دو امور پر ہے۔ ''ظاہری و باطنی'' ظاہری سے مراد عبادت کے وہ انداز و آداب اپنانا جن کو شریعت نے ذکر کیا ہے، مثلاً نماز میں قیام کرنا، رکوع کرنا، سجدہ میں گرنا، اسی طرح حج میں طواف وسعی، احرام وغیرہ اور باطنی سے مراد رغبت وخشیت ہی ہے کہ ظاہری طریقے کے ساتھ ساتھ مکمل شوق، خواہش، میلان اور خشوع وخضوع اس کی ادائیگی میں شامل ہو۔ اللہ کے باادب کی ایک خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس کی عبادت واطاعت میں کمال درجہ کی رغبت وخشیت ہوتی ہے۔ حکم الٰہی کو فوراً مان کر، دربارِ الٰہی میں نہایت تذلّل، عجز اور خشوع سے جھک جانا اس کا امتیازی وصف ہوتا ہے۔

''ادبِ الٰہ'' کا اہم تقاضا یہ بھی ہے کہ اس کی عبادت میں ''رغبت و خشیت'' کا لحاظ رکھا جائے اور ''رغبت وخشیت'' کا مطلب یہ ہے کہ عبادت اول وقت یا بروقت کرنا اور نہایت محبت، توجہ، گریہ زاری اور ڈر سے کرنا، شہنشاہِ مطلق کے حکم کی بڑائی اور اس کے سامنے حاضر ہوتے ہوئے اس کی ہیبت، عظمت اور جلالت کو پیش نظر رکھنا، باادب مسلمان اپنا آرام، اپنی سہولت یا اپنا مفاد نہیں دیکھتا، بلکہ وہ اپنے آقا ومولا کا حکم اور اس کی رضا دیکھتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت واطاعت میں خیر اور اس میں بے توجہی سوءادب ہے اور آج کل ایسے بے ادب حضرات کی تعداد کافی زیادہ ہے۔

رغبت

عبادت کے لیے ''رغبت'' کا ہونا از حد ضروری ہے۔ صحیح معنوں میں عبادت ہوتی ہی وہ ہے جو حرص، خواہش، میلان، شوق اور جذبہ سے کی جائے، جس کی عبادت میں رغبت کی جگہ کاہلی، سستی، غفلت اور بے پرواہی ہے وہ بے ادب ہے کیونکہ باادب ہمیشہ شوق، چاہت اور رغبت سے حکم پر لبیک کہتا ہے وہ طبیعت کی نزاکت نہیں دیکھتا جب جی آیا بات مان لی، جب جی چاہا نافرمانی کر دی، جب دل میں آیا عبادت شروع کر دی اور جب چاہا وقت عبادت میں کوتاہی کر لی۔

باادب مسلمان ہمیشہ عبادت کا منتظر ہوتا ہے اس کے خلوص میں کمال شوق کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے وہ عبادت کو اول ترجیح سمجھ کر بروقت ادا کرتا ہے اور اس عظیم جذبہ کی ادائیگی میں جو چیز بھی حائل ہو وہ اس کو ہٹا کر دور کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں جھک جاتا ہے۔ باادب عظیم شخصیات کی رغبت عبادت کا مطالعہ فرمائیں اور عبادت کے اس نور کو مزید بڑھائیں۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور رغبت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ طور پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر چالیس راتیں بسر کرنا تو تمھیں بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے تورات عطا کی جائے گی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں سے ستر آدمی اپنے ہمراہ لیے اور طور پہاڑ کی طرف روانہ ہو گئے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی ملاقات کا اس قدر شوق اور اس کی خوشنودی کی اس قدر رغبت تھی کہ اپنے ساتھیوں

کو پیچھے چھوڑ کر سب سے پہلے کوہِ طور پر پہنچ گئے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اگرچہ اس بات کا اچھی طرح علم تھا اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی جلدی میں جو جذبہ کارفرما تھا رب تعالیٰ اچھی طرح اس سے واقف تھے مگر اس سب کچھ کے باوجود سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا:

﴿ وَمَآ أَعْجَلَكَ عَن قَوْمِكَ يَٰمُوسَىٰ ۝٨٣ قَالَ هُمْ أُولَآءِ عَلَىٰٓ أَثَرِى وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ۝٨٤ ﴾ [1]

''کون سی چیز تمہیں اپنی قوم سے پہلے یہاں لے آئی؟ انہوں نے کہا: وہ لوگ بھی میرے پیچھے ہی آرہے ہیں اور میں نے آپ کے حضور آنے میں جلدی اس لیے کی تاکہ آپ مجھ سے خوش ہو جائیں۔'' (سبحان اللہ)

یعنی جلدی، تیزی اور پہلے آجانے کا مقصد ایک ہی تھا کہ آپ مجھ سے راضی ہو جائیں اور ادب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آدمی دینی معاملات میں رغبت وشوق کا مظاہرہ کرتے ہوئے پہل کرے اور اول وقت اس کے حضور سربسجود ہو۔ ایسے سچے اور باادب پر رب تعالیٰ کی نوازشات کیا ہوتی ہیں حضرت زکریا علیہ السلام کے ذکر خیر سے اس کا اندازہ لگائیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام اور رغبت

حضرت زکریا علیہ السلام اللہ تبارک وتعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے آپ بے اولاد تھے، خود بوڑھے ضعیف اور بیوی بانجھ تھی۔ اولاد کی بظاہر کوئی توقع نہ تھی مگر دل میں دبی ہوئی خواہش ضرور تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے نیک وارث عطا

---

[1] طٰہٰ: 83-84

فرمائے، آپ نے جب سیدہ مریم علیہا السلام کے پاس بے موسمے پھل دیکھے اور پھر ان کا ایمان افروز جواب سنا کہ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ''وہ تو اللہ کی طرف سے ہیں۔'' تو آپ کا ایمان تازہ ہو گیا یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظیم ولیہ کا جواب سن کر نبی علیہ السلام کا ایمان تازہ ہو گیا تو آپ علیہ السلام نے کم وبیش 90 سال کی عمر میں دعا فرمائی۔

﴿ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَّأَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِينَ ﴾ [1]

''اے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑنا اور تو بہترین وارث عطا کرنے والا ہے۔''

جب آپ علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی تو رب تعالیٰ نے یہ نہیں کہا:

اے زکریا......! اب تو اولاد لینے کا وقت گزر چکا ہے......اب تو شاخ مرجھا کر خشک ہو چکی ہے......بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَأَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ﴾ [2]

''ہم نے ان کی دعا کو قبول کر لیا اور ان کی بیوی کو اس قابل کرتے ہوئے یحییٰ (نامی) بیٹا عطا فرما دیا۔'' (سبحان اللہ)

قارئین کرام......! مقام غور ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بظاہر ایک ناممکن کام کو اپنے پیارے نبی سیدنا حضرت زکریا علیہ السلام کے لیے ممکن بنا دیا اور باوجود بڑھاپے اور بیوی کے بانجھ ہونے کے ان کو نیک سیرت بیٹا حضرت یحییٰ علیہ السلام عطا فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ خود ہی ان کا نمایاں وصف اور امتیازی خوبی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

[1] الانبیاء:89

[2] الانبیاء:90

﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ﴾

''وہ نیکی کے کاموں میں جلدی کیا کرتے تھے۔''

اور نیکی خیر و بھلائی کے کام بڑے ذوق و شوق، جذبے اور رغبت سے کیا کرتے تھے اور نیکی کے کاموں میں کوتاہی کا شکار نہ ہونے کے ساتھ ساتھ

﴿ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝۹۰ ﴾ [1]

''وہ رغبت و خشیت کیساتھ ہمیں پکارتے تھے (ان کی دعا، پکار اور التجا میں رغبت ہوتی تھی وہ حد درجہ شوق سے ہمیں آواز دیتے ہوئے خشیت سے) ہمارے سامنے جھک جاتے تھے۔''

معلوم ہوا، جو لوگ ''رغبت وخشیت'' سے اپنے رب کے سامنے جھکتے اور اس کو پکارتے ہیں رب تعالیٰ ایسے باادب لوگوں کے ناممکن کام بھی اپنی قدرت سے ممکن بنا دیتے ہیں۔ آج ہم میں سے ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ اس کی نیک تمنا پوری ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی نیک آرزوؤں کو پورا فرما دیں۔

آیئے...... ! اپنی دعاؤں کی قبولیت اور اپنے دلی جذبات کی تکمیل کے لیے آج ہی اپنی عبادت میں ''رغبت وخشیت'' شامل کریں، بے شمار فوائد کے ساتھ ساتھ ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ آپ کے بظاہر ناممکن کام بھی اپنی رحمت سے ممکن بنا دے گا۔ سیدنا زکریا علیہ السلام میں من جملہ خصائص میں سے اہم خوبی یہ بھی تھی کہ وہ رغبت وخشیت کے پیکر تھے اور ان کی ''رغبت وخشیت'' درجہ کمال تک تھی۔

[1] الانبیاء:90

اللہ ہمیں بھی رغبت کی دولت نصیب فرمائے۔ آمین!

سیدنا وامامنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رغبتِ عبادت

سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت واطاعت میں رغبت، شوق اور حرص کا رنگ اس قدر نمایاں تھا کہ ساری زندگی لمحہ بھر بھی عبادت کے اوقات میں کمی بیشی یا تاخیر نہ کی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مکہ معظمہ میں اہل شرک کی طرف سے ہر قسم کی تکلیف پہنچی مگر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر حال اور ہر آن اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت و عبادت کے ہی مشتاق رہے اور قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ رغبت کے ساتھ اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جا، یعنی کمال شوق اور رغبت سے ہمیں یاد کر، ہماری عبادت میں دل لگا کر عجز و نیازی کرتا رہ ایک وقت آئے گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمام سختیوں کو آسانیوں میں بدلتے ہوئے مستقبل روشن فرما دیں گے اور آپ کی دعوت کا پرچم پوری دنیا پر غالب آئے گا۔

یہاں سے ایک لطیف اشارہ یہ بھی ملتا ہے کہ داعی، مبلغ اور عالم کو بالخصوص راغب الی اللہ ہونا چاہیے۔ وہ دنیاوی معمولی مصروفیات میں الجھ کر رب تعالیٰ کی جناب میں تاخیر سے حاضر نہ ہو، بلکہ اصل ترجیح عبادت کو بنائے، جو شخص بھی ہر شئے کو پیچھے ڈال کر عبادت کو ترجیح دیتا ہے اور رغبت وشوق سے حاضر ہوتا ہے رب تعالیٰ اس کے معاملات میں برکت بھی ڈالتے ہیں اور غیب کے خزانوں سے اس کی مدد بھی جاری رہتی ہے، آج ہماری بے سکونی اور بے قراری و بے برکتی کی اہم وجہ یہ بھی ہے کہ ہم عبادت کی بجائے دنیا کے کاموں میں رغبت زیادہ رکھتے ہیں، عبادت کا وقت ضائع

ہوتا ہے اور ادائیگی میں شوق کی بجائے بوجھ سمجھ کر نیکی کی جاتی ہے اور اسی وجہ سے ساری زندگی نورِ الٰہی سے محروم رہتے ہیں۔

قیام اللیل میں رغبت

دن بھر کی مصروفیت کے بعد رات کا قیام کرنا انتہائی مشکل ہے۔لیکن جن کو معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے ان کے لیے رات کا قیام ایسے ہی ہے جس طرح پیاسے کے لیے پانی، جب تک پیاسا جی بھر کر پانی نہ پیے تو اس کی پیاس نہیں بجھتی۔اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت کو پہچاننے والا جب تک جی بھر کر رات کو اس کے سامنے عجز و نیازی اور گریہ زاری کا اظہار نہ کرے تو اس کو دلی اطمینان حاصل نہیں ہوتا آپ ﷺ رات کا لمبا حصہ عبادت میں مصروف رہتے اور قرآن پاک کے کئی پاروں کی تلاوت فرماتے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ:

﴿ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ لَيْلَةً فَافْتَتَحَ الْبَقَرَةَ فَقُلْتُ : يَرْكَعُ عِنْدَ الْمِائَةِ فَمَضَى ، فَقُلْتُ : يَرْكَعُ عِنْدَ الْمِائَتَيْنِ فَمَضَى ، فَقُلْتُ : يُصَلِّيْ بِهَا فِي رَكْعَةٍ فَمَضَى، فَافْتَتَحَ النِّسَاءَ فَقَرَأَها ثُمَّ افْتَتَحَ آلَ عِمْرَانَ فَقَرَأَهَا ، يَقْرَأُ مُتَرَسِّلًا إِذَا مَرَّ بِآيَةٍ فِيْهَا تَسْبِيْحٌ سَبَّحَ وَإِذَا مَرَّ بِسُؤَالٍ سَأَلَ وَإِذَا مَرَّ بِتَعَوُّذٍ تَعَوَّذَ ، ثُمَّ رَكَعَ فَقَالَ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ، فَكَانَ رُكُوْعُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ

ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ : سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَكَانَ قِيَامُهُ قَرِيْبًا مِنْ رُكُوْعِهِ ثُمَّ سَجَدَ فَجَعَلَ يَقُوْلُ : سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى فَكَانَ سُجُوْدُهُ قَرِيْبًا مِنْ رُكُوْعِهِ ﴾ [1]

''میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورۃ فاتحہ شروع فرمائی۔ میں نے کہا آپ سو آیات پڑھنے کے بعد رکوع کریں گے۔ لیکن آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تلاوت جاری رکھی، پھر میں نے کہا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام دو سو آیات کی تلاوت کرنے کے بعد رکوع فرمائیں گے لیکن آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تلاوت جاری رکھی، پھر میں نے کہا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک رکعت میں پوری سورۃ بقرہ پڑھیں گے مگر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورۃ بقرہ مکمل کرنے کے بعد سورۃ نساء کی تلاوت شروع کردی۔ اور اس کی مکمل قرأت کی ۔ پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے بعد سورۃ آل عمران کو شروع کیا اور اس کو پڑھا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ٹھہر ٹھہر کر تلاوت فرماتے تھے جب کسی ایسی آیت کی تلاوت فرماتے جس میں تسبیح کا ذکر ہوتا تو اللہ کی تسبیح بیان کرتے، اور جب کسی تعوذ والی آیت سے گزرتے تو اللہ سے پناہ مانگتے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکوع کیا اور رکوع میں سبحان ربی العظیم کہا اور آپکا رکوع بھی قیام کی ہی طرح لمبا تھا۔ پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا سر اٹھایا اور سمع اللہ لمن حمدہ کہا، اس کے بعد

[1] سنن النسائی:1665 صفۃ صلاۃ النبی، امام البانی:118

آپ ﷺ کا قیام رکوع جتنا ہی تھا، پھر آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ کہہ رہے تھے۔ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سجدہ رکوع کے قریب ہی تھا۔" (اللہ اکبر)

قارئین کرام......!

یہ ہے رسول اللہ ﷺ کی رغبت اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شوقِ عبادت اور اسی طرح آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رغبت کا اندازہ آپ کے سنن ونوافل سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز تہجد کے طویل قیام کے بعد

......فجر کی دو رکعتیں ادا فرماتے...... پھر نماز فجر میں بھی طویل قرأت کرتے......اس کے بعد بھی ذکر دفکر کا سلسلہ جاری رہتا......

(نماز اشراق......نماز ضحیٰ......نماز اوابین......) نماز ظہر کی سنتیں اور اس کے نوافل......اس کے بعد نماز عصر سے قبل نوافل......مغرب سے قبل اور اس کے بعد نوافل......نماز عشاء سے قبل اور بعد نوافل......اس کے علاوہ کم وبیش روزانہ 6 یا 7 پاروں کی تلاوت اور پھر ہر جگہ آتے جاتے دعاؤں کا اہتمام والتزام......

......کبھی سورج گرہن ہونے پر بھی لمبی قرأت کے ساتھ دو رکعات کی ادائیگی، کبھی صلاۃ الاستسقاء میں اپنے رب کے سامنے عجز ونیازی، کبھی عین تلواروں کے سائے تلے، نیزوں کی بوچھاڑ میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی امامت......

یہ سب کچھ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام حد درجہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف راغب تھے، عبادت کی لذت ورغبت کس طرح آپ

کے انگ انگ میں سرایت کر چکی تھی۔ آج ہماری زندگی میں اس کا عُشر عشیر (سوواں حصہ) بھی نظر نہیں آتا۔

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھتے تھے کہ ادبِ الٰہ کا اولین تقاضا ہی یہی ہے کہ اس کو الٰہ مان کر شوق، ذوق اور رغبت سے اس کے ہر حکم پر لبیک کہا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رغبت کا عالم یہ تھا کہ جب عبادت کا وقت شروع ہوتا۔ دنیا کے سارے رشتے، ناطے اور تعلق پیچھے چھوڑ دیتے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے پاس تشریف فرما ہوتے، باتیں جاری ہوتیں، واقعات سنے جاتے، لیکن جونہی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اذان کی آواز سنتے تو اس طرح اچانک ہم سے اٹھ کھڑے ہوتے گویا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں جانتے ہی نہیں۔

لیکن ہماری صورت حال بالکل اس کے برعکس ہے رشتہ داروں اور دوستوں میں بیٹھے ہم نماز کی پرواہ تک نہیں کرتے ہیں اور کئی مہمانوں کی آمد پر جماعت کی سعادت سے محروم ہو جاتے ہیں، حالانکہ ذاتِ الٰہ اور اس کی عبادت کو ہر ایک سے مقدم رکھنا چاہیے بلکہ جب وقت عبادت ہو تو عزیز، دوست اور مہمان کو بھی شریک عبادت کرنا چاہیے، تا کہ اس کے دل میں بھی عبادت کی اہمیت پیدا ہو۔

رغبت وخشیت والی نماز

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر عبادت میں رغبت وخشیت کا پہلو نمایاں ہوتا۔ لیکن بالخصوص جب اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرنے کا ارادہ فرماتے تو حد درجہ محبت،

تذلل اور رغبت وخشیت سے لمبی رکعات پڑھتے۔

سیدنا حضرت خباب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری رات قیام فرمایا، حتی کہ فجر کا وقت قریب آپہنچا۔

﴿ فَلَمَّا سَلَّمَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مِنْ صَلَاتِهِ جَاءَهُ خَبَّابٌ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللهِ ! بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ لَقَدْ صَلَّيْتَ اللَّيْلَةَ صَلَاةً مَا رَأَيْتُكَ صَلَّيْتَ نَحْوَهَا ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : (أَجَلْ! اِنَّهَا صَلَاةُ رَغْبَةٍ وَ رَهْبَةٍ ، سَأَلْتُ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ فِيْهَا ثَلَاثَ خِصَالٍ فَأَعْطَانِيْ اثْنَتَيْنِ وَمَنَعَنِيْ وَاحِدَةً ، سَأَلْتُ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ أَنْ لَا يُهْلِكَنَا بِمَا أَهْلَكَ ، بِهِ الْأُمَمَ قَبْلَنَا فَأَعْطَانِيْهَا ، وَسَأَلْتُ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ أَنْ لَا يُظْهِرَ عَلَيْنَا عَدُوًّا مِنْ غَيْرِنَا فَأَعْطَانِيْهَا ، وَسَأَلْتُ رَبِّيْ أَنْ لَا يَلْبِسَنَا شِيَعًا فَمَنَعَنِيْهَا ﴾ [1]

”جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نماز سے سلام پھیرا تو خباب رضی اللہ عنہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے اور کہا اے اللہ کے رسول......! میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس رات ایسی نماز پڑھی ہے کہ میں نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے نماز پڑھتے کبھی نہیں دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! یہ رغبت

---

[1] سنن النسائی:1639 صحیح الجامع الصغیر:2433

وخشیت والی نماز تھی۔ میں نے اپنے پروردگار سے تین باتوں کا سوال کیا اس نے مجھے دو عطا فرمادیں اور تیسری مجھ سے روک لی۔ ① میں نے اپنے پروردگار سے سوال کیا کہ ہم کو اس طرح ہلاک نہ کرے جس طرح ہم سے پہلے امتوں کو ہلاک کیا۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری دعا کو قبول فرمالیا۔ ② میں نے اپنے پروردگار سے سوال کیا کہ وہ ہم پر غیروں میں سے کسی دشمن کو مسلط نہ کرے۔ اس نے یہ بھی دعا قبول فرمائی ③ میں نے اپنے پروردگار سے سوال کیا کہ وہ ہمیں گروہوں میں تقسیم نہ کرے، اس نے اس دعا کی قبولیت کو مجھ سے روک لیا۔''

معلوم ہوا کہ بارگاہِ الٰہی میں گزارشات کرنے کے لیے حد درجہ رغبت و خشیت کا اظہار کرنا چاہیے۔

بڑھاپے میں رغبت جواں رہی

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف غارِ حرا کو ہی عبادت کی زینت نہیں بخشی ، بلکہ بڑھاپے میں بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رغبت جواں رہی اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رغبت کا یہ سلسلہ آخر عمر تک جاری وساری رہا، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری ایام میں رغبت کا پہلو ملاحظہ فرمائیں اور اپنی بے رغبتی کا جائزہ لیں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اگرچہ بیماری نے نڈھال کر دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلنے پھرنے سے قاصر ہو گئے غشی وبیہوشی کا سلسلہ شروع ہو گیا لیکن جب بھی ذرہ برابر سکون محسوس کیا گھر والوں کے متعلق نہیں پوچھا، ازواج واولاد کے متعلق سوال نہیں کیا، بلکہ اپنے رب کی طرف لپکے اور جماعت میں شرکت کے لیے وضو بنانا شروع کر دیا اور نماز کے متعلق سوال کیا، کیا لوگوں نے نماز

پڑھ لی ہے......؟

﴿ دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ فَقُلْتُ: أَلَا تُحَدِّثِيْنِيْ عَنْ مَرَضِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَتْ : بَلٰى ثَقُلَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ : ((اَصَلَّى النَّاسُ؟)) قُلْنَا: لَا، هُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! ﷺ قَالَ : ((ضَعُوا لِيْ مَاءً فِي الْمِخْضَبِ)) قَالَتْ: فَفَعَلْنَا فَاغْتَسَلَ فَذَهَبَ لِيَنُوْءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ ﷺ : ((أَصَلَّى النَّاسُ ؟)) قُلْنَا : لَا، هُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: ((ضَعُوا لِيْ مَآءً فِي الْمِخْضَبِ)) قَالَتْ: فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ، ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوْءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ: ((أَصَلَّى النَّاسُ؟)) قُلْنَا: لَا ، هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَالنَّاسُ عُكُوْفٌ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُوْنَ النَّبِيَّ ﷺ لِصَلَاةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ فَأَرْسَلَ النَّبِيُّ ﷺ اِلَى اَبِيْ بَكْرٍ بِأَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، فَأَتَاهُ الرَّسُوْلُ فَقَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُكَ أَنْ تُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَقَالَ: أَبُوْبَكْرٍ وَكَانَ رَجُلًا رَقِيْقًا يَا عُمَرُ صَلِّ بِالنَّاسِ ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: أَنْتَ أَحَقُّ بِذٰلِكَ فَصَلّٰى أَبُوْبَكْرٍ تِلْكَ الْأَيَّامَ ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَجَدَ فِيْ نَفْسِهِ خِفَّةً ، فَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا الْعَبَّاسُ لِصَلَاةِ الظُّهْرِ، وَاَبُوْبَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ ، فَلَمَّا رَآهُ

أُبُوبَكْر ذَهَبَ لِيَتأَخَّرَ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ بِأَنْ لَا يَتَأَخَّرَ، قَالَ: ((أَجْلِسَانِيْ إِلَى جَنْبِهِ)) فَأَجْلَسَاهُ إِلَى جَنْبِ أَبِيْ بَكْرٍ، قَالَ: فَجَعَلَ أَبُوبَكْرٍ يُصَلِّي وَهُوَ يَأْتَمُّ بِصَلَاةِ النَّبِيِّ ﷺ وَالنَّاسُ بِصَلَاةِ أَبِيْ بَكْرٍ وَالنَّبِيُّ قَاعِدٌ ﴾ [1]

''میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا، کاش......! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری کی حالت آپ ہم سے بیان کرتیں، (تو اچھا ہوتا) انہوں نے فرمایا کہ ہاں ضرور سن لو۔ آپ کا مرض بڑھ گیا۔ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی......؟ ہم نے عرض کی جی نہیں ......! یارسول اللہ! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لیے ایک لگن میں پانی رکھ دو۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہم نے پانی رکھ دیا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیٹھ کر غسل کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھنے لگے لیکن بیہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے عرض کی نہیں حضور! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (پھر) فرمایا کہ لگن میں میرے لیے پانی رکھ دو۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے پھر پانی رکھ دیا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیٹھ کر غسل فرمایا۔ پھر اٹھنے کی کوشش کی

[1] صحیح البخاری: 687

لیکن (دوبارہ) پھر آپ بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر یہی فرمایا: کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے.....؟ ہم نے عرض کی کہ نہیں یا رسول اللہ......! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لگن میں پانی لاؤ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیٹھ کر غسل کیا پھر اٹھنے کی کوشش کی لیکن پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام بے ہوش ہو گئے پھر جب ہوش آیا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے عرض کی کہ نہیں یا رسول اللہ! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ لوگ مسجد میں عشاء کی نماز کے لیے بیٹھے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے آخر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیجا حکم فرمایا کہ وہ نماز پڑھا دیں۔ بھیجے ہوئے شخص نے آ کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو نماز پڑھانے کے لیے حکم فرمایا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے نرم دل انسان تھے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم نماز پڑھاؤ۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آپ اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ آخر (بیماری کے) دنوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے رہے پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزاج کچھ ہلکا معلوم ہوا تو دو مردوں کا سہارا لے کر جن میں ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے ظہر کی نماز کے لیے گھر سے باہر تشریف لائے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو پیچھے ہٹنا چاہا۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارے سے انہیں روکا کہ

پیچھے نہ ہٹو! پھر جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں مردوں سے فرمایا کہ مجھے ابوبکر کے بازو میں بٹھادو۔ تو دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بازو میں بٹھادیا راوی نے کہا کہ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کررہے تھے اور لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نماز کی پیروی کررہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ رہے تھے۔''

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے ادب شناس اور راغب الی اللہ اور اسی کی عبادت کا والہانہ شوق رکھنے والے عظیم مرشد و پیر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ انور پر اربوں درود وسلام نازل فرمائے اور ہمیں بھی رغبت کی لذت نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین!

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور رغبت

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کس قدر اللہ تبارک وتعالیٰ کے باادب تھے اور ان نفوس قدسیہ نے کس طرح شوق وذوق اور رغبت سے اس کی عبادت کی اس کی تفصیل میں ایک مستقل ضخیم کتاب وجود میں آسکتی ہے ہم یہاں نہایت اختصار سے چند واقعات واقوال تحریر کرتے ہیں آپ ان سے بھرپور روشنی حاصل کریں۔

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قندیل رغبت ہی سے روشنی پائی اور ایسے راغب، شائق اور منیب الی اللہ بنے کہ

...... موسم کی تلخی...... حالات کی سختی...... اپنوں کا ظلم ...... غیروں کی طعن و تشنیع...... اس والہانہ جذبہ عبادت کو کم نہ کرسکی بلکہ وہ رات مصلّوں پر گزارتے اور دن کو اس کی وحدانیت کے لیے ننگے پاؤں، ہاتھوں میں تلوار پکڑ کر میدانوں میں کود

پڑتے...... شادی کی خواہش، بچوں کی محبت اور رشتے داروں کی قرابت بھی ان کی راہ میں حائل نہ ہو سکی...... وہ نماز کو آتے تو صف اول کے لیے قرعہ ڈالنے کی تجویز بنائی جاتی۔ ایثار کی باری آتی تو سب کچھ لٹا کر بھی مطمئن نہ ہوتے۔

بہر حال وہ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے کہ جن کے ذکر پر میرا قلم فرطِ محبت سے جھوم جاتا ہے میں صرف ایک دو مثالوں سے ان کی رغبت وشوق کا ذکر کرنا چاہتا ہوں وگرنہ رغبت صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے ہی مجھے کئی صفحات چاہئیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور قیام اللیل میں رغبت

رات کے سخت اندھیروں میں جب پورا عالم محو استراحت ہوتا ہے اور ہر طرف سناٹا اور ہُو کا عالم ہوتا ہے۔ انسان، چرند، پرند، درند غرض کہ ہر مخلوق اپنے آشیانے میں آغوش نیند میں ہوتی ہے۔ اس خاموش وقت میں بھی راغبون الی اللہ اپنے نرم وگرم بستر چھوڑ کر خالقِ حقیقی کی محبت میں سرشار قیام اللیل میں کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ آسمانی مخلوق کے سامنے اس طرح روشن ہو کر جگمگاتے ہیں جیسے زمین والوں کی نظر میں آسمان کے تارے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین انہی خوش نصیبوں میں سے تھے خوابِ غفلت میں مدہوش نہ رہتے بلکہ خالق کائنات کے سامنے جھولی پھیلا کر اس سے محبت کی بھیک مانگتے۔

ہم لوگ تو نیند کو قیام اللیل پر ترجیح دیتے ہیں جب کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شوق کا یہ عالم تھا کہ پروانوں کی طرح شمع رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارد گرد جمع ہو جاتے:

﴿ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ صَلَّى ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَصَلَّى

بِصَلَاتِہٖ نَاسٌ، ثُمَّ صَلّٰی مِنَ الْقَابِلَۃِ فَکَثُرَ النَّاسُ ثُمَّ اجْتَمَعُوْا مِنَ اللَّیْلَۃِ الثَّالِثَۃِ اَوِ الرَّابِعَۃِ فَلَمْ یَخْرُجْ اِلَیْہِمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَلَمَّا اَصْبَحَ قَالَ: قَدْ رَأَیْتُ الَّذِیْ صَنَعْتُمْ وَلَمْ یَمْنَعْنِیْ مِنَ الْخُرُوْجِ اِلَیْکُمْ اِلَّا أَنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تُفْرَضَ عَلَیْکُمْ ﴾ [1]

''رسول اللہ ﷺ نے ایک رات مسجد میں نماز ادا کی تو چند صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتدا میں نماز پڑھی پھر جب آپ ﷺ نے آئندہ رات نماز پڑھی تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کثیر تعداد میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتدا کی، جب تیسری یا چوتھی رات آئی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز کے لیے تشریف نہ لائے، صبح ہوئی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جو تم نے کیا میں نے دیکھ لیا اور میں صرف اس خدشے سے نہیں نکلا کہیں تم پر فرض نہ کر دی جائے۔''

یعنی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شوق، رغبت اور خصوصی دلی لگن کی وجہ سے کہیں یہ نماز فرض نہ ہو جائے اور بعد میں آنے والوں کے لیے تنگی ہو۔ بہر حال یہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے راغب الی اللہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اور سنن النسائی میں الفاظ ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے تشریف نہ لائے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین واپس نہیں گئے، کہ چلو آج رات آپ ﷺ نماز کے لیے نہیں اٹھے ہم بھی جا کر آرام کرتے ہیں، بلکہ رغبت و شوق کا عالم یہ تھا کہ

---

[1] صحیح البخاری: 1129

فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ تَنَحْنَحُ لِيَخْرُجَ إِلَيْهِمْ

بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کھنکارنا شروع کر دیا تا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام آواز سن کر نماز کے لیے تشریف لائیں۔ بعض روایات میں ہے کہ

﴿ اِنْتَفَخَتْ اَقْدَامُهُمْ ﴾

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاؤں پر لمبے قیام کی وجہ سے ورم آ جاتا لیکن ان کی رغبت میں فرق نہ آتا۔

قارئین کرام......!

یہی وہ جذبہ تھا جس کی وجہ سے رب تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو رضا و رحمت کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا۔

واقف ہو اگر لذت بیداری شب سے
اونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاکِ پراسرار

سیّدنا صدیق رضی اللہ عنہ اور رغبت

آپ رضی اللہ عنہ ہمیشہ ہر نیکی میں پیش پیش رہتے اور حصول اجر و ثواب کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے، ایک دن میں کئی کئی حسنات کرتے آپ رضی اللہ عنہ کی رغبت و شوق عبادت جاننے کے لیے ایک حدیث ہی کافی ہے۔

﴿ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ((مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ صَائِمًا ؟)) قَالَ أَبُوْبَكْرٍ رضي الله عنه: أَنَا قَالَ: ((فَمَنْ تَبِعَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ جَنَازَةً ؟)) قَالَ أَبُوْبَكْرٍ رضي الله عنه:

أَنَا قَالَ:((فَمَنْ أَطْعَمَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مِسْكِينًا)) قَالَ أَبُوْبَكْرٍ رضی اللہ عنہ: أَنَا قَالَ :((فَمَنْ عَادَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مَرِيْضًا)) قَالَ أَبُوْبَكْرٍ رضی اللہ عنہ : أَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم : ((مَا اجْتَمَعْنَ فِيْ امْرِئٍ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ)) [1]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کون تم میں آج روزہ دار ہے......؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کون جنازہ کے ساتھ گیا ہے......؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج کس نے کسی مسکین کو کھانا کھلایا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کون آج مریض کی عیادت کو گیا تھا؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ سب کام ایک شخص میں جب جمع ہوتے ہیں تو وہ ضرور جنت میں جاتا ہے۔''

یہ رغبت ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ جامع جمیع الحسنات، تمام نیکیوں کو اکٹھا کرنے والے ہیں آپ کی صاحبزادی سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رغبت اور شوق عبادت ملاحظہ فرمائیں۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور رغبت

آپ رضی اللہ عنہا حد درجہ عبادت کی شائقہ تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں رہ کر عبادت کا شوق اور رغبت بہت بڑھ چکی تھی۔

---

[1] صحیح مسلم:1028

آپ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ بھی نماز تہجد پڑھتیں اور ذکر و اذکار میں مصروف رہتیں ۔نماز چاشت پابندی سے ادا فرماتیں۔رمضان میں نماز تراویح کا اہتمام کرتیں اور قرآن پاک کے کئی پارے سماعت کرتیں۔اکثر روزے کی حالت میں رہتیں، بلکہ ایک مرتبہ سخت گرمی میں عرفہ کا روزہ رکھا اور طبیعت کافی نڈھال ہوگئی آپ کے بھائی حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ کون سا فرض روزہ ہے آپ اس کو توڑ لیں۔آپ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے بدلے دو سال کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں میں اس عظیم فضیلت و اعزاز سے کیسے محروم رہ سکتی ہوں۔ [1]

آپ رضی اللہ عنہا نے کثرت سے حج بھی کیے اور بیماری کے باوجود تعلیم و تعلم میں بھی میں مصروف رہتیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کو بھی ایسا شوق عبادت اور رغبت نصیب فرمائے۔

یہاں ایک تربیتی بات ضرور کرنا چاہتا ہوں عموماً بدعمل والدین یا نیکی سے راہِ فرار اختیار کرنے والے ماں باپ فوراً یہ جملہ کہتے ہیں کہ ہمارے اچھے کردار سے کیا ہوگا یہ رب کی مرضی ہے چاہے کافر باپ سے موحد بیٹا سیدنا ابراہیم علیہ السلام جیسا پیدا کرے اور موحد باپ سے بیٹا کافر بنا دے حالانکہ اس طرح کی باتوں سے استدلال کرتے ہوئے بدعمل رہنا یہ حد درجہ حماقت ہے۔حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر آج تک ہزاروں مثالیں ایسی ہیں کہ والدین نے جب صحیح معنوں میں رب تعالیٰ کو پہچان کر رغبت و خشیت سے اس کی عبادت کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی

---

[1] صحیح 2746 مسند احمد: 128/ 1

اولادوں کو بھی وقت کا امام اور محدث بنایا بلکہ تاریخ اسلامی سے آپ کوئی ایک مثال پیش کریں کہ باپ باعمل ہو اور بیٹا بھی انہی دنوں پیدا ہوا ہو اور بڑا ہو کر بدعمل بنا ہو؟ یاد رکھیں والدین کی نیکی، اخلاص اور اچھے جذبات کا اثر ضرور بالضرور ہوتا ہے جیسا کہ ابھی مثال گزری ہے کہ سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ جس قدر رغبت وخشیت کے پیکر تھے بیٹی صدیقہ رضی اللہ عنہا میں بھی وہ رنگ نمایاں تھا اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بیٹے ورع، زہد، تقویٰ وطہارت اور نیکی میں اپنے وقت کے امام بنے۔ اللہ ہمیں بھی اخلاص، رغبت وخشیت والی زندگی نصیب فرمائے اور ہماری اولادوں کو بھی اپنی عبادت کے لیے پسند کر لے۔ آمین!

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور رغبت

آپ بھی حد درجہ عبادت کے شائق اور دلدادہ تھے آپ نے اپنے دورِ خلافت میں وزراء وامراء کو یہ حکم دیا تھا کہ تمہارا اول فرض نماز ہے اس کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی ہرگز برداشت نہیں کی جائے گی۔ آپ رضی اللہ عنہ نماز تہجد ادا فرماتے اور اپنے اہل خانہ کو بیدار کرتے اور ساتھ قرآن مجید کی آیت تلاوت فرماتے:

﴿ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝۱۳۲ ﴾ [1]

”اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجیے اور خود بھی اس کی پابندی کیجیے ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے وہ تو ہم خود تمہیں دیتے ہیں اور پرہیز گاری

[1] طٰہٰ: 132

ہی کا انجام اچھا ہوتا ہے۔"

آپ رضی اللہ عنہ کو جب مجوسی غلام ابولؤلؤ نے شدید زخمی کر دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فوراً جماعت کی فکر کرتے ہوئے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو آگے مصلّی پر کر دیا۔

﴿ وَتَنَاوَلَ عُمَرُ يَدَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ فَقَدَّمَهُ ﴾ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو پکڑا اور نماز پڑھانے کے لیے آگے کر دیا۔ تاکہ مسلمانوں کی نماز میں کوئی کوتاہی اور نقص واقع نہ ہو، چنانچہ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے امامت کروائی، پھر آپ رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ کی۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سمیت حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رغبت عبادت اس قدر زیادہ تھی کہ وہ نماز کے بعد سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زخمی حالت اور بے ہوشی کے عالم میں گھر لے کر گئے تو حضرت مسعود رضی اللہ عنہ آئے اور آکر پہلے یہی سوال کیا کہ کیا امیر المومنین نے نماز ادا فرمالی ہے......؟

بعض ساتھی کہنے لگے: اے مسعود......! ذرا غور سے دیکھو کہ امیر المومنین کس قدر خون میں لت پت ہیں اور بے ہوشی کا عالم ہے سیدنا مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: آپ لوگ سب سے پہلے آپ کو ہوش میں لا کر نماز کا کہیں، آپ رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ تکلیف اس وقت ہوگی جب آپ کو معلوم ہوگا کہ میری نماز رہ چکی ہے، چنانچہ جب آپ ہوش میں آئے تو سب سے پہلے نماز ادا فرمائی۔

---

[1] صحیح البخاری:3700

امّ المؤمنین سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی رغبت

اکثر خواتین نماز کی ادائیگی میں سستی کا شکار ہوتی ہیں، گھریلو کام کاج اور بچوں کی دیکھ بھال ہمیشہ عبادت الٰہی میں آڑے رہتی ہیں۔ اور اکثر خواتین صحت وسلامتی اور تندرستی کے باوجود گھریلو مصروفیات اور بچوں کی دیکھ بھال کا بہانہ بنا کر ساری زندگی عبادت سے راہِ فرار اختیار کرتی ہیں۔ جب کہ ایسا کرنا دنیا و آخرت کا خسارہ ہے، کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

> ''اے ایمان والو! تم کو تمہارے کام کاج اور بچے اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں۔''

یعنی جو کام کاج اور بچوں کی دیکھ بھال میں یادِ الٰہی سے غافل ہو گیا اس نے دنیا و آخرت میں خسارہ اٹھایا۔ اس آیت کی روشنی میں ہماری اکثر خواتین خسارے کی زندگی بسر کرتیں ہیں اور مرنے کے بعد بھی خسارہ ہی ان کا مقدر ہوتا ہے۔ آنے والی سطور میں ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی رغبتِ عبادت کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جسے دیکھ کر ہر مسلمان عورت کو اپنی غفلت دور کرنی چاہیے۔ یادِ الٰہی میں جو چیز رکاوٹ بنے اس کو ہٹا دینا کامیاب عورت کا شیوہ ہے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا دن بھر گھریلو کام کاج میں مصروف رہتیں ساتھ ساتھ فرضی نمازوں اور سنن ونوافل کا خصوصی اہتمام فرماتیں۔ مگر دن بھر کی عبادت سے آپ رضی اللہ عنہا کی پیاس نہ بجھتی تو رات کا لمبا حصہ اپنے اللہ کے سامنے قیام فرماتیں اور جب لمبے قیام کی وجہ سے تھک جاتیں تو آرام کرنے کی بجائے رسی کا سہارا لے لیتی اور اسی طرح رات کا اکثر حصہ اللہ کی عبادت میں گزار دیتیں۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

﴿ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَرَأٰى حَبْلًا مَمْدُوْدًا بَيْنَ سَارِيَتَيْنِ فَقَالَ: (مَا هٰذَا الْحَبْلُ؟) فَقَالُوْا: لِزَيْنَب تُصَلِّيْ ، اِذَا فَتَرَتْ تَعَلَّقَتْ بِهٖ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ (حُلُّوْهُ لِيُصَلِّ أَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ ، فَإِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ) ﴾ [1]

”ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوستونوں کے درمیان لٹکی ہوئی رسی کو دیکھا اور فرمایا یہ رسی کیا ہے......؟ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا یہ سیدہ زینب کے لیے ہے وہ نماز پڑھتی ہیں اور جب تھک جائیں تو اس کے ساتھ سہارا لیتی ہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اس کو کھول دو، تم میں سے ہر ایک ہشاش بشاش نماز پڑھے جب وہ تھک جائے تو وہ بیٹھ جائے۔“

امام سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ اور رغبت

آپ کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے علم وفضل کے پہاڑ تھے۔ تعلیمی وحدیثی صلاحیت کے ساتھ ساتھ صالحیت کے بھی عظیم پیکر تھے آپ عبادت میں لمحہ بھر تاخیر نہ کرتے، بلکہ اوّل وقت مسجد پہنچ کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ فرماتے ہیں:

﴿ مَا اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ مُنْذُ عِشْرِيْنَ سَنَةً اِلَّا وَاَنَا فِي الْمَسْجِدِ ﴾

”بیس سال سے مؤذن نے جب بھی اذان کہی تو میں مسجد میں ہوتا۔“

---

[1] سنن النسائی:1644 ابن ماجہ:1371

جماعت تو درکنار مؤذن کی اذان بھی مسجد میں سنتے۔ یہی وہ خوش نصیب لوگ ہیں کہ جن کا ذکر مسلمانوں کے لیے باعث فخر ہے اور صدیاں گزر جانے کے باوجود ان پر رحمت و بخشش کی برسات کرتے ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

یاد رہے...... ! آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے تاجر بھی تھے رزق حلال کے لیے بھی مشغول رہتے، بیوی بچے بھی تھے دیگر ذمہ داریاں بھی ادا کرتے تھے، مگر سب کچھ کے باوجود اذان سے قبل مسجد میں پہنچ جاتے اور مسلسل 20 سال تک یہی طریقہ رہا ہے ہم میں سے شاید کسی نے یہ سعادت 20 دن تو کیا 20 نمازوں کے لیے بھی حاصل نہیں کی ہوگی۔

امام بشر بن حسن رحمۃ اللہ علیہ اور رغبت

آپ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ محدث ہیں علم و فضل میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کو "صفی" کے لقب سے موسوم کیا جاتا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ

[1] ﴿ يَلْزَمُ الصَّفَّ الاوَّلَ فِيْ مَسْجِدِ الْبَصْرَةِ خَمْسِيْنَ سَنَةً ﴾

"کہ بصرہ میں مسجد میں پچاس سال تمام نمازیں صف اول میں پڑھتے رہے۔"

جو لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کے باادب ہوتے ہیں اور ساری زندگی ادب الٰہی کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں رب تعالیٰ پھر ساری خدائی سے ان کا ادب کرواتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو بشر بن حسن بصری صفی کہا جاتا تھا، ساری زندگی اہل علم و فضل کی

---

[1] تہذیب التہذیب: 226/1

آمد کا مرکز رہے اور کئی طلباء حدیث نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے علم کا نور حاصل کیا اور آج بھی آپ کا ذکر خیر زندہ اور قیامت تک زندہ رہے گا۔

امام محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ اور رغبت

آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ''عابدُ اهْلِ الْمَدِيْنَة'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے رغبت اور شوق عبادت کی ایسی مثال قائم کی کہ شاید ہی کوئی اس کا مقابلہ کر سکے۔

دن بھر کی علمی و عملی مصروفیات کے بعد رات کو عبادت کے لیے والدہ اور ہمشیرہ کے ساتھ مل کر ایسا نظام الاوقات بنایا کہ رات کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پہلا حصہ ہمشیرہ ذکر، تلاوت اور نوافل میں مصروف رہتی...... جب دوسرا حصہ شروع ہوتا تو وہ والدہ کو بیدار کر دیتی آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ رات کے دوسرے حصے میں جی بھر کر عبادت کرتی اور اپنی پیاس بجھاتی...... جب تیسرا حصہ شروع ہوتا تو وہ اپنے عظیم فرزند وقت کے محدث و امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو بیدار کر دیتی، پھر آپ فجر تک توبہ واستغفار اور نوافل میں مصروف رہتے اور اسی طرح ساری رات گھر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر ہوتا رہتا۔ ایک گھڑی بھی ایسی نہ گزرتی جس میں رب تعالیٰ کا ذکر نہ ہوتا۔ (سبحان اللہ)

اللہ کی مرضی ہمشیرہ فوت ہوگئیں پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے والدہ سے مل کر رات کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا ایک حصہ والدہ اللہ کے سامنے سربسجود رہتی اور دوسرا حصہ خود اللہ کے سامنے عجز و نیازی کرتے اور بالآخر جب والدہ بھی داغ مفارقت دے گئیں تو آپ اکثر رات بیدار رہتے اور عبادتِ الٰہی سے اپنی پیاس بجھاتے۔

قارئین کرام......! آج ہر شخص بے چین، بد سکونی کا شکار اور رحمت و برکت سے محروم ہے اور سکون کی دولت لینے کے لیے صوفیا کرام سے تعویز کرواتا ہے، ان کی پھونکوں سے اپنی تقدیر تبدیل کروانا چاہتا ہے جب کہ اس بے ادب کو یہ علم نہیں کہ میرے گھر میں دن رات عریانی، فحاشی، ناچ گانا چلتا ہے، رحمت کہاں سے آئے گی......؟ میرے گھر غیبتوں، گالیوں اور ہر قسم کی آوارگیوں کا پہرہ اور سایہ ہے، برکت کہاں سے آئے گی......؟ جوان بیٹی، بہن، بیوی اور ماں کیبل نہ دیکھیں تو رات نہیں گزرتی۔۔ بتاؤ روحانیت کہاں سے آئے گی......؟

لوگو......! آج ہی اپنے گھروں کو ظاہری و باطنی نجاستوں، غلاظتوں اور گندگیوں سے پاک کرو اور شوق عبادت کی خوشبو سے گھروں کو معطر کرو اور باادب بن کر جیو! بہت جلد ہر رحمت اور برکت نصیب ہوگی۔ سایہ جادو اور دیگر خرافات میں سے کسی چیز کا بھی نام ونشان تک نہیں رہے گا۔

دعا ہے مولا آج ہمیں اپنے عظیم ولی حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ کی یاد تازہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ اور رغبت

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت وحیثیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ثقہ محدث اور عابد وزاہد تھے اصل نام سلیمان تھا کہ اللہ کے حضور رو رو کر آنکھوں کا نور بالکل مدھم ہو گیا تھا اسی لیے آپ کو ''اعمش'' کہا جاتا اور اسی لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ بھی حد درجہ راغب، شائق اور منیب الی اللہ تھے۔ 40 سال میں صرف ایک نماز بغیر جماعت کے پڑھی۔ فرماتے ہیں:

﴿ لَمْ تَفُتْنِیْ الصلاۃُ معَ الجماعۃِ مَایقْربُ مِنْ اَرْبَعِینَ سنَۃً الا مرّۃً وَاحِدَۃً حِیْنَ مَاتَتْ وَالِدَتُہٗ اشْتَغَلَ بِتَجْہِیْزِھا ﴾ [1]

''تقریباً چالیس سال میں صرف ایک مرتبہ نماز بغیر جماعت کے پڑھی جس کی وجہ بھی یہ بنی کہ والدہ محترمہ فوت ہوگئی اور میں ان کے کفن دفن میں مصروف رہا اور جماعت سے محروم ہوگیا۔'' (اللہ اکبر)

آج کل بلاوجہ دکان پر بیٹھے، دوستوں کی محفل سجائے، بچوں میں ہنستے کھیلتے اور دیگر معمولی مصروفیات کے پیش نظر جماعت سے نماز نہ پڑھنے والوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ رب تعالیٰ اپنے راغب وشائق لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

﴿ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ﴾ [2]

''کچھ خوش نصیب ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کو تجارت اور کاروبار اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذکر سے اور نماز کی ادائیگی اور زکوٰۃ کے ادا کرنے سے غافل نہیں کرتے۔''

کئی لوہار اور زرگر ایسے بھی گزرے ہیں کہ چیز تیار ہونے کے لیے صرف ایک ضرب کی ضرورت ہوتی کہ وہ اذان سن کر اوزار، ہتھیار اور ہتھوڑا پیچھے ہی پھینک دیتے اور مسجد کو چلے جاتے۔ اور نیک لوگ صرف جماعت رہ جانے کے غم سے بیمار

---

[1] سلاح الیقضان:210

[2] النور:37

ہو جاتے۔ سلام اللہ علیھم

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی عبادت کا شوق، جذبہ اور رغبت نصیب فرمائے اور اپنا باادب بندہ بنائے۔ آمین! یارب کریم!

یاد رہے......! رغبت وشوق کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ دنیا چھوڑ کر رہبانیت اختیار کرلیں، بلکہ رغبت کا مطلب ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم آجائے تو فوراً اس پر عمل پیرا ہوں۔ کاروبار کریں مگر بوقت عبادت مسجد کی طرف جائیں۔ یہ نہ ہو کہ اول وقت تو درکنار سارا وقت ہی گزر جائے مگر آپ دکانداری میں مصروف رہیں یا دیگر معاملات میں الجھے رہیں، رغبت عبادت کا بنیادی جوہر ہے وگرنہ وقت گزار کر بے وقتی عبادت قدر کھودیتی ہے اور جب رغبت کی جگہ غفلت لے لے تو عبادت کا نور ختم ہو جاتا ہے۔ دنیا کے کاموں میں رغبت اور عبادات میں غفلت برتنے والے سکون زندگی اور جوہر بندگی سے ہمیشہ محروم رہتے ہیں، بلکہ رب تعالیٰ کے محبوب ولی نے فرمایا:

﴿لَا تُجَالِسُوا الْمَوْتٰى فَتَمُوْتَ قُلُوْبُكُمْ قِيْلَ مَنِ الْمَوْتٰى قَالَ اَلْمُحِبُّوْنَ لِلدُّنْيَا الرَّاغِبُوْنَ فِيْهَا﴾ [1]

”مُردوں کے پاس نہ بیٹھو تمہارے دل مردہ ہو جائیں گے۔ پوچھا گیا حضرت مردوں سے کیا مراد ہے؟ فرمانے لگے: دنیا سے محبت و پیار پا کر اسی میں رغبت رکھنے والے اور عبادات میں غفلت کا شکار ہونے والے۔“

[1] سلاح الیقظان: 214

خشیت

اللہ تبارک وتعالیٰ کا باادب جب مکمل شوق سے اس کی جناب میں حاضر ہوتا ہے تو پھر کامل توجہ اسی کی طرف رکھتا ہے یکسوئی کے ساتھ مناجات کے درجات طے کرتا ہے، دنیا کی کوئی چیز اس کی توجہ میں رکاوٹ نہیں ڈالتی، بلکہ وہ اس کیفیت سے متوجہ رہتا ہے گویا کہ اپنے رب کو سامنے دیکھ رہا ہے، پھر اس توجہ، یکسوئی اور انہماک سے ذاتِ الٰہ کے تصور سے اعضاء پر جو لرزش، ہیبت اور کپکپی طاری ہو اس کو عربی میں ''خشیت'' کہتے ہیں، یعنی خالق کائنات کے سامنے آواز کا پست ہونا، نگاہ کا جھک جانا، دل کا لرز جانا اور وجود کا کانپ جانا یہ سب کچھ خشوع اور ''خشیت'' کے مفہوم میں شامل ہے، رب تعالیٰ کی عظمت ہیبت اور جلالت کو دیکھ کر جو بے بسی، آہ و بکاہ، گریہ زاری عاجزی وانکساری اور تذلّل کے جذبات پیدا ہوتے ہیں وہ ''خشیت'' کے ہی مظاہر ہیں اور یہی ادب کا جوہر ہے نیز خشوع اور خشیت دونوں قریب المفہوم ہیں۔

امام راغب رحمۃ اللہ علیہ خشیت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ اَلْخَشْيَةُ خَوْفٌ يَشُوْبُهُ تَعْظِيْمٌ ﴾

''خشیت ایسے ڈر کو کہتے ہیں جس میں تعظیم ملی ہوئی ہو۔''

یعنی ڈر ہی نہیں بلکہ عقیدت بھرا ڈر، فرطِ محبّت میں بے ساختہ دل سے نکلنے والی آہ......!

''خشیت'' کا اصل مرکز دل ہے، دل جب تعظیم بھرے جذبات سے

لرزتا ہے تو سارے وجود پر ''خشیت'' کا نور پھیل جاتا ہے۔

میرے پیارے قارئین......!

سوچنے کی بات ہے کیا یہ نعمت ''خشیت'' ہمارے پاس ہے......؟ کیا ادب کا یہ اہم تقاضا ہم پورا کر رہے ہیں......؟

مقام غور ہے......! زندگی گزر گئی اس کی جناب میں حاضر ہوتے ہوئے کیا حاضری کے وقت یہی کیفیت رہتی ہے......؟ ذرا سوچیں......! دل کو ٹٹولیں ماضی کی عبادت پر نظر ڈالیں......! شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات۔ خشیت کا مفہوم یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ہم میں سے کوئی جب کسی بڑے افسر کے پاس اس کے آفس میں جاتا ہے تو بڑی توجہ سے بیٹھتا یا کھڑا ہوتا ہے مکمل توجہ بھی افسر صاحب کی طرف ہوتی ہے اور دل میں تعظیم بھرا ایک خوف بھی ہوتا ہے کہ یہاں کوئی ایسی ویسی حرکت خلاف شان ہو گئی تو مقصد حل ہونے کی بجائے سزا کا مستحق ٹھہرا دیا جائے گا۔ لوگو! اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہے......؟ کہ انسان اپنے جیسے انسان کے سامنے تو ''خشیت'' کا اظہار کرے اور ذات اللہ سے بے پرواہی برتے۔

سیدنا امام سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو دیکھا وہ نماز میں داڑھی پر ہاتھ پھیر رہا تھا آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے فرمایا:

﴿ لَوْ خَشَعَ قَلْبُ هٰذَا خَشَعَتْ جَوَارِحُهُ ﴾

''اگر اس کے دل میں عاجزی ہوتی تو سارے وجود پر خشوع ہوتا۔''

اکثر نمازی نماز میں اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور وہ اسے خشوع سمجھتے ہیں

جب کہ نماز میں آنکھیں بند کرنا جائز نہیں، بلکہ نگاہ سجدہ کی جگہ اور تشہد میں شہادت کی انگلی پر ہونی چاہیے۔ امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی دعائے رکوع سے بھی ''خشیت'' کا یہی مفہوم واضح ہوتا ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام رکوع میں فرمایا کرتے تھے:

﴿اللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ أٰمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ اَنْتَ رَبِّيْ خَشَعَ لَكَ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَمُخِّيْ وَعَظْمِيْ وَعَصَبِيْ﴾ [1]

''اے اللہ......! رکوع تیرے لیے، ایمان تجھی پر، اطاعت تیری ہی تو ہی میرا پرودگار ہے۔ میرے کان، میری آنکھیں، میرا دماغ، میری ہڈیاں میرا گوشت (پٹھے) تیرے لیے عاجزی اختیار کیے ہوئے ہیں۔''

یعنی تیرے تعظیم بھرے ڈر سے کپکپا رہے ہیں۔ رب تعالیٰ ہم سب کو یہی کیفیت نصیب فرما کر اپنا کمال ادب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

قرآن اور خشیت

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اکثر مقامات پر جہاں عبادت کا ذکر فرمایا ساتھ اس ادب کو بھی بیان کر دیا۔ قرآنی اسلوب سے یہی بات واضح ہوتی ہے کہ عبادت وہی قابل قبول ہے جو اس ادب کو ملحوظ خاطر رکھ کر کی جائے بصورت دیگر بدذوقی اور بے پرواہی سے محض جسمانی حرکات وسکنات کرتے رہنا موجب سزا ہے۔

قرآن نے خشیت والے کی کیفیت یوں بیان فرمائی:

﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ

[1] صحیح مسلم:1812

مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿٢٣﴾ [1]

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہترین کلام نازل کیا جو ایسی کتاب ہے جس کے مضامین ملتے جلتے اور بار بار دہرائے جاتے ہیں۔ جن سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں پھر ان کی جلدیں اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں یہی اللہ کی ہدایت ہے، وہ جسے چاہتا ہے اس (قرآن) کے ذریعے راہ راست پر لے آتا ہے جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی راہ پر لانے والا نہیں۔''

کامیاب مومن کون......؟

کامیابی انہی خوش نصیب اہل ایمان کے لیے ہے جن کے پاس ''خشیت'' کی دولت ہے وگرنہ اس دولت سے محروم دنیا و آخرت میں ناکام رہے گا۔

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿١﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿٢﴾ ﴾ [2]

''تحقیق ایسے ایمان والے کامیاب ہو گئے جو اپنی نمازوں میں خشوع

[1] الزمر:23

[2] المومنون:1-2

کرتے ہیں۔''

یعنی باادب کھڑے ہوتے ہیں، اِدھر اُدھر نہیں دیکھتے، اپنے کپڑوں کو سنوارتے ہیں نہ بالوں سے کھیلتے ہیں، نہ ہی توجہ ہٹاتے ہیں بلکہ مکمل ''خشیت'' کے ساتھ دست بستہ اس کی جناب میں کھڑے رہتے ہیں اور یہی ان کی کامیابی اور عبادت کی قبولیت کی دلیل ہے۔

کیا ابھی خشوع کا وقت نہیں آیا......؟

زندگی کا لطف اسی میں ہے کہ مسلمان کا دل ہر وقت اسی کی جانب متوجہ رہے، دنیا کی میل کچیل سے دل کو غبار آلود نہ کرے اور اگر دنیا کا گرد و غبار دل پر جم جائے تو زندگی بدمزہ ہو جاتی ہے جب کہ ''خشیت وخضوع'' ہی زندگی میں رونق لاتے ہیں۔

﴿ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ؀ ﴾ [1]

''جو لوگ ایمان لائے کیا ان کے لیے ایسا وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر سے اور جو حق نازل ہوا ہے اس سے ان کے دل پسیج جائیں؟ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں اس سے پہلے کتاب دی گئی، پھر ان پر ایک طویل مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور آج

[1] الحدید: 16

ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔''

آج یہی حالت ہے کہ دل سخت اور آنکھیں خشک ہو گئیں کبھی یادِ الٰہی سے دل لرزا اور نہ ہی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوئیں، جبکہ دل کی سختی اور آنکھوں کی خشکی بہت بڑی نعمت سے محرومی ہے۔

معرفتِ الٰہی سے خشیت آتی ہے

جس شخص کو جس قدر زیادہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی پہچان ہوگی اور جس قدر وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات کو جاننے والا ہوگا اسی قدر اس کے دل میں تعظیم بھرا خوف پیدا ہوگا اس بات کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ﴾ [1]

''صرف اللہ کے بندوں میں سے خشیت انہی پر طاری ہوتی ہے جو جاننے والے ہیں۔''

یعنی جو اس کی عظمت وقدرت اور جمالات وکمالات اور عمدہ صفات کو جانتے ہیں چاہے وہ کسی کالج یا مدرسہ کے فارغ نہ ہی ہوں۔

یاد رہے......! علماء سے مراد اصطلاحی علماء مراد نہیں ہیں جو درس نظامی فاضل عربی یا قرأت وتجوید پڑھ کر علماء کہلاتے ہیں، بلکہ وہ بھی اس آیت کے مصداق اسی صورت میں ہوں گے جب ان میں خشیت کمال درجہ کی ہوگی۔ آج کل عموماً اکثر اصطلاحی علماء میں خشیت کا پہلو نمایاں نظر نہیں آتا، بلکہ ان کی بداعمالیاں

[1] الفاطر:28

اور دنیا کی حرص وہوس عام لوگوں سے بھی زیادہ ہوتی ہے جبکہ کئی ناظرہ پڑھے، معمولی سطح کے مزدور قسم کے لوگ تقویٰ وخشیت کے پیکر ہوتے ہیں۔

قرآن کا بہترین قاری کون......؟

آج خشیت وحقیقت کی جگہ تکلف، تصنع اور بناوٹ نے لے لی ہے۔ بڑے بڑے قراء کرام کانوں میں انگلیاں دے کر الٹے سیدھے ہو کر اس قدر زور لگاتے ہیں کہ جس کا شریعت میں تصور تک نہیں، آج ایسے قراء جب محفل قرأت میں تشریف لاتے ہیں تو ان کا خرچہ لاکھوں میں ہوتا ہے اور بدعملی کی انتہا یہ ہے کہ نہ لباس شریعت کے مطابق اور نہ ہی چہرے پر سنت رسول اور نہ قراءت میں خشیت، بلکہ اکثر قراء کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ ہمیں سانس کے وقفے پر داد ملے۔ قرآنی محفل کو بھی تکلفات کے سانچوں میں ڈال کر موج میلہ بنا دیا گیا ہے، اللہ اس امت کو ہدایت نصیب فرمائے......!

رحمت ورغبت اور خشیت کے عظیم پیکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا: اے اللہ کے رسول! بیان فرمائیں قرآن مجید کا سب سے بہتر قاری کون ہے......؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواباً یہ نہیں فرمایا جس کا سانس لمبا ہو یا جو زور زیادہ لگائے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

﴿ اِنَّ اَحْسَنَ النَّاسِ قِرَأَۃً اَلَّذِیْ قَرَءَ ﴾

''تم میں سے قرآن مجید کا سب سے بہتر قاری وہ ہے جو قرآن کی تلاوت کر رہا ہو...... وَیَخْشَی اللّٰہَ اور اس پر خشیت طاری ہو۔''

یعنی قرآن مجید کی تلاوت ایسا اثر دکھلا رہی ہو کہ اس کا دل محبت و تعظیم بھرے ڈر کے جذبات سے بھر جائے اور اس پر حد درجہ رقّت طاری ہو، مگر آج کل حالات اس کے برعکس ہیں زور حد درجہ لگایا جاتا ہے مگر قرآن حلق سے نیچے نہیں جاتا۔

احادیث مبارکہ اور خشیت

ہمارے پیارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے بھی اپنے ارشاداتِ عالیہ میں خشیت، خشوع اور تعظیم بھرے ڈر کو دل میں رکھنے کی حد درجہ تلقین فرمائی۔ کہیں صاحبِ خشیت کو بشارت سنا کر اور کہیں دنیا میں اٹکے ہوئے غافل دل کو وعید سنا کر، سیدنا حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْئَهُنَّ وَ صَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَ اَتَمَّ رَكُوْعَهُنَّ وَسَجُوْدَهُنَّ وَخَشُوْعَهُنَّ كَانَ لَهُ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ اَنْ يَغْفِرَلَهُ وَ مَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَه عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ اِنْ شَاءَ غَفَرَلَهُ وَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ﴾ [1]

''پانچ نمازوں کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا۔ جس نے ان کے لیے اچھا وضو کیا اور ان کو ان کے وقت پر پڑھا اور ان کے رکوع، سجود اور خشوع کو پورا کیا اس کے لیے اللہ پر عہد ہے کہ ان کو معاف کر دے اور جس نے ایسا نہ کیا تو اللہ کے ذمے کوئی عہد نہیں اگر چاہے تو معاف کر دے

[1] السنن النسائی:462، صحیح الترغیب:400

اور چاہے تو اس کو عذاب دے دے۔"

اس حدیث میں جہاں دیگر فرائض کو پورا کرنے کا ذکر ہوا، ساتھ خشوع کو پورا کرنے کی بھی تلقین کی گئی کہ آدمی پوری دل جمعی، اطمینان اور کامل توجہ سے ڈرتے ہوئے فریضہ نماز ادا کرے وگرنہ غافل نمازی کی بخشش کا کوئی ذمہ نہیں۔

دیگر احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایسے امور کی نشاندہی فرمائی ہے جن سے خشیت نہیں رہتی، بول و براز اور بھوک پیاس کو روک کر نماز میں کھڑا ہونا، یا حد درجہ غلبہ نیند ہو ایسی شکلوں میں توجہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف نہیں ہو سکتی، یہ موانع خشیت ہیں اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا: قضاء حاجت پہلے کرو، کھانا پہلے کھاؤ، پھر تسلی سے نماز کے لیے جاؤ۔ اسی طرح ایسے امور کو بھی بڑی تفصیل سے بیان فرمایا: جن سے خشیت میں اضافہ ہوتا ہے مثلاً سادگی اپنانا نقش ونگار سے بچنا، مکمل طہارت اور خوشبو وغیرہ کا استعمال کرنا جس سے جسم وجان کو تازگی وراحت نصیب ہو اور آدمی مکمل یکسوئی، کامل انہماک اور پوری توجہ سے اس کی جناب میں کھڑا ہو۔

خشیت سے خالی دعا

ویسے تو قادرِ مطلق ہر وقت ہر قسم کی سنتا اور قبول کرتا ہے مگر خشیت، تواضع اور خشوع سے قبولیت کی توقعات مزید بڑھ جاتی ہیں جس دعا میں گریہ زاری، آہ و بکا اور دل کی حضوری جتنی زیادہ ہوگی وہ دعا اسی قدر زیادہ لائق قبولیت ہوگی قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ﴾ [1]

[1] سورة الاعراف:55

''اپنے پروردگار کو گڑگڑا کر چپکے چپکے پکارو۔''

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ﴾ [1]

''بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ غافل اور لاپرواہ دل کی دعا قبول نہیں کرتا۔

خشوع کا نہ رہنا

جب دنیا کی حرص دین کی محبت پر غالب آجائے تو خشوع اٹھ جاتا ہے، بندہ خشیت کی نعمت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ آدمی بدعملی کے نتیجہ میں امورِ خیر سے محروم ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جوں جوں حرص وہوس بڑھی کئی نعمتوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

﴿اَوَّلُ شَيْءٍ يُرْفَعُ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الْخُشُوعُ حَتّٰى لَا تَرٰى فِيْهَا خَاشِعًا﴾ [2]

''اس امت سے سب سے پہلے خشوع اٹھا لیا جائے گا حتی کہ کوئی خشوع کرنے والا نہیں ملے گا۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ مرکزی مسجد میں سینکڑوں نمازی ہوں گے مگر

[1] جامع ترمذی: 3479 : سلسلہ احادیثِ صحیحہ: 594

[2] صحیح الترغیب الترہیب: 354

خشوع والا کوئی نہیں ہوگا۔ (اللہ اکبر)

اس حدیث طیبہ کو سامنے رکھتے ہوئے ہر شخص کو اپنی نمازوں میں خشوع و ''خشیت'' کا جائزہ لینا چاہیے کیا میری نماز ''خشیت'' سے خالی تو نہیں......؟ اگر خالی ہے تو اپنی نمازوں کی اصلاح کریں۔ بسا اوقات ترجمہ وتشریح نہ جاننے کی وجہ سے بھی آدمی خشیت کی دولت سے محروم رہتا ہے دیکھیں آپ کو نماز، مشہور دعائیں اور قرآن پاک کا ترجمہ آتا ہے......؟ اگر نہیں آتا تو آج ہی اپنی آخرت سنوارنے کے لیے وقت نکالیں اور خشوع وخضوع سے بھری نماز ادا کرنے کی فکر کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سارا وقت غفلت، بے توجہی اور لا پرواہی میں گزر جائے اور قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ کی ملاقات کرتے ہوئے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو خشیت کی عظیم نعمت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

خشیت سے نکلنے والے آنسو کی قدر وقیمت

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے خشیتِ الٰہی سے نکلنے والا ایک قطرہ اس قدر قیمتی ہے کہ دنیا کے خزانے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ بندے کی آنکھ سے بوجہ خشیت نکلنے والے آنسو کو بڑے پیار سے دیکھتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ آنسو کا قطرہ زمین پر بعد میں گرتا ہے مگر رب تعالیٰ سابقہ زندگی کے گناہ پہلے معاف فرما دیتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ سچا قطرہ ہو اس میں توبہ وندامت کے کیمیکل ہوں، اسی طرح وہ جہنم کی آگ کہ جس کو سات سمندروں کا پانی ٹھنڈا نہیں کر سکتا، مگر اس ایک قطرے میں کتنی طاقت وقوت ہے اس نکلنے والے آنسو کی فضیلت میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات ملاحظہ

فرمائیں اور جی بھر کر ایسے آنسو بہائیں۔

سب سے زیادہ پسندیدہ قطرہ

خشیتِ الٰہی سے نکلنے والا قطرہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہر چیز سے زیادہ پسند ہے۔

﴿عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ: لَیْسَ شَیْءٌ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ قَطْرَتَیْنِ وَاَثَرَیْنِ: قَطْرَۃٌ مِنْ دُمُوْعٍ فِیْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ وَقَطْرَۃُ دَمٍ تُھْرَاقُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاَمَّا الْأَثَرَانِ فَأَثَرٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاَثَرُ فَرِیْضَۃٍ مِنْ فَرَائِضِ اللّٰہِ﴾ [1]

''حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ کو دو قطروں اور دو نشانوں سے زیادہ پیاری کوئی چیز نہیں۔ خشیت الٰہی سے نکلنے والے آنسوؤں کا قطرہ اور اللہ کی راہ میں بہائے گئے خون کا قطرہ، دو نشان، اللہ کی راہ میں لگنے والا نشان (چوٹ وغیرہ) اور اللہ کے فرائض میں سے کسی فریضہ کی ادائیگی میں بننے والا نشان (ماتھے یا پاؤں وغیرہ پر)

قیامت کے دن عذاب سے نجات

جس کی آنکھ سے خشیتِ الٰہی سے آنسو بہہ پڑے، اللہ تبارک وتعالیٰ اسے قیامت والے دن عذاب نہیں دیں گے۔

---

[1] جامع ترمذی: 1669، اسنادہ حسن

﴿عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ ذَكَرَ اللهَ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ حَتّٰى يُصِيبَ الْاَرْضَ مِنْ دُمُوْعِهِ لَمْ يُعَذِّبْهُ اللهُ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ [1]

"حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس نے اللہ کا ذکر کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر زمین پر پہنچ گئے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو قیامت کے دن عذاب نہیں دیں گے۔"

عرش کا سایہ

بلکہ ایسے خوش نصیب کو عرش کی پیاری بہاریں نصیب ہوں گی۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سات خوش نصیبوں کا تذکرہ کیا اور فرمایا: قیامت کے دن جب کوئی سایہ نہ ہوگا اللہ تبارک وتعالیٰ ان خوش بختوں کو اپنے عرش کا سایہ نصیب کریں گے ان میں ساتواں خوش نصیب وہ ہوگا:

﴿وَ رَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ﴾ [2]

"ایسا شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھیں بہہ پڑیں۔"

---

1. مستدرک حاکم:369
2. صحیح البخاری:660

آگ میں نہیں جائے گا

جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ سے محفوظ رہے گا، سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿لَا يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ حَتّٰى يَعُوْدَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ﴾ [1]

''خشیت الٰہی سے رونے والا آگ میں نہیں جائے گا یہاں تک کہ دودھ تھن میں لوٹ آئے۔''

مطلب یہ کہ نہ دودھ تھن میں واپس لوٹ سکتا ہے اور نہ وہ آگ میں جا سکتا ہے۔

آگ نہیں چھوئے گی

آگ میں جانا تو درکنار خشیت الٰہی سے آنسو بہانے والا خوش نصیب آگ کی تپش بھی نہ پائے گا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

﴿عَيْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ: عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَ عَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ [2]

''دو آنکھیں ان کو آگ نہیں چھوئے گی ایسی آنکھ جو اللہ کی خشیت سے رو پڑی اور ایسی آنکھ جس نے اللہ کی راہ میں چوکیداری کرتے ہوئے رات گذاری۔''

---

[1] صحیح البخاری:1423

[2] جامع ترمذی:1639

اے اللہ! ہمیں بھی ایسی آنکھ نصیب فرما جو پانچوں سعادتیں حاصل کرے اور یہ سارے اعزازات اسی وقت ہیں جب خشیت سے آنسو جاری ہوں اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں یہ سب بہاریں نصیب فرمائے۔

رسول اللہ ﷺ اور خشیت

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ''خشیت'' صرف عبادت تک محدود نہ تھی بلکہ ہر لمحہ ہر لحظہ اور ہر گھڑی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبارک دل تعظیم بھرے خوف سے لبریز رہتا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ اللہ کی عظمت، جلالت، شان بزرگی اور شہنشاہی کے سامنے بے بسی، گریہ زاری آہ وبکاہ اور عاجزی وانکساری کا اظہار کرتے رہتے تھے۔

بخاری ومسلم میں ہے کہ جب کبھی تیز ہوا چلتی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر خشیت طاری ہو جاتی، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سہم جاتے اور اسی وقت ضروری سے ضروری کام چھوڑ کر اس کے سامنے سجدہ میں گر جاتے خیر کی بھیک مانگتے اور مصیبت سے پناہ طلب کرتے۔ تلاوت قرآن میں خشیت کا عالم کیا ہوتا تھا اس کا اندازہ آپ اس حدیث سے کر سکتے ہیں کہ سیدنا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا:

﴿ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ وَالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلٰتُ وَعَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ وَاِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴾ [1]

''اے اللہ کے رسول......! آپکے بال پکنے لگے، آپ بوڑھے ہو رہے ہیں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مجھے سورۂ ھود، واقعہ، مرسلات النبا، تکویر

---

[1] جامع ترمذی: 3297 ۔ سلسلہ احادیث صحیحہ: 955

نے بوڑھا کر دیا۔"

یعنی ان سورتوں کو پڑھ کر جو خشیت مجھ پر طاری ہوتی ہے اس نے مجھے جسمانی طور پر ضعیف کر دیا ہے۔

حرمت رسول کے پاسبانو......! بڑے افسوس کی بات ہے وہ سورتیں جن کی تلاوت مع خشیت نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بوڑھا کر دیا، آپ کے جسم اطہر کو کمزور کر دیا آج تمہیں یہ علم بھی نہ ہو کہ یہ سورتیں قرآن پاک کے کس پارے میں ہیں۔

آیئے......! کم از کم ان سورتوں کو پڑھیں اور انہیں پڑھ کر جو روحانی نور نصیب ہوتا ہے اس سے اپنے قلوب واذہان کو منور کریں۔ خشیت الٰہی کی وجہ سے اکثر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر رقت طاری ہو جاتی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سارا وجود لرز جاتا اور داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن مجید کی آیت پڑھی:

﴿رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۖ فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ ﴿٣٦﴾﴾ [1]

"اے میرے پروردگار! انہوں نے بہت زیادہ لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ جس نے میری پیروی کی وہ تو مجھ سے ہے۔"

اور اس کے بعد مندرجہ ذیل آیت تلاوت فرمائی:

﴿إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١١٨﴾﴾ [2]

---

[1] سورۃ ابراہیم:36

[2] المائدہ:118

''اگر تو ان کو عذاب دے وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو بلاشبہ تو ہی غالب حکمت والا ہے۔''

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ دونوں آیات پڑھنے کے بعد اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھانے کے بعد فرمانے لگے:

﴿ اَللّٰهُمَّ أُمَّتِيْ اَللّٰهُمَّ أُمَّتِيْ ﴾

''اے اللہ......! میری امت، اے اللہ......! میری امت''

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام بار بار امت کی بخشش کا سوال کرتے رہے، فَبَكٰی حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رو پڑے'' اور اس قدر خشیت بھرے آنسو نکلے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسمان سے سیدنا جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا اور کہا: جاؤ میرے حبیب سے پوچھو......! مَا يُبْكِيْكَ ...؟ ''تجھے کس چیز نے رُلا دیا......؟'' حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا تو جبرائیل علیہ السلام فرمانے لگے: اللہ فرماتے ہیں: آپ غم نہ کریں ہم تجھے تیری امت کے متعلق راضی کر دیں گے۔

آنکھیں بہہ پڑتیں

تلاوت کرتے وقت، نماز پڑھتے وقت رونا، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول تھا جب بھی قرآن پڑھتے سنتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتیں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

﴿ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ اِقْرَأْ عَلَيَّ قُلْتُ: اَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ؟ قَالَ : فَإِنِّيْ أُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِيْ ،

فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ سُوْرَةَ النِّسَاءِ حَتّٰى بَلَغْتُ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيْدًا قَالَ: اَمْسِكْ ، فَاِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ ﷺ [1]

''نبی کریم ﷺ نے مجھے کہا کہ مجھ پر قرآن مجید کی قرأت کرو، میں نے کہا: کیا میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قراءت کروں، آپ ﷺ پر تو قرآن نازل ہوا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں آج دوسرے سے قرآن کی قراءت سننا پسند کرتا ہوں، چنانچہ میں نے سورۂ نساء شروع کردی حتی کہ اس آیت پر پہنچا (اس وقت کیا حالت ہوگی جب ہم ہر امت سے گواہ لائیں گے اور تجھے اس امت پر گواہ بنا لایا جائے گا) آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ آیت سن کر فرمایا: عبداللہ رک جاؤ......! میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھیں بہہ رہی تھیں۔''

ایک روایت میں ہے کہ دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا، اے عبداللہ! بس کرو رسول اللہ ﷺ کو دیکھو تو سہی وہ کیسے رو رہے ہیں۔ **(اللہ اکبر)**

ہنڈیا کی آواز کی طرح

رسول اللہ ﷺ کی خشیت بیان کرتے ہوئے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سسکیوں کا بیان کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ وَفِيْ صَدْرِهِ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ

[1] صحیح البخاری: 4582

الرَّحٰی مِنَ الْبُکَاءِ وَفِیْ رِوَایَةٍ کَأَزِیْزِ الْمِرْجَلِ ﴾[1]

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سینہ اطہر سے ایسی آواز آتی جس طرح چکی پیستے وقت چکی سے آواز آتی ہے یا اس ہنڈیا کی طرح آواز جو آگ پر ابالے کھا رہی ہو۔''

کیا آج ہماری نماز ایسی ہی ہے......؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم فرمایا:

صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ

''نماز ایسے پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھا''

ہمیں بھی اسی طرح ''خشیت'' سے سربسجود ہونا چاہیے اور ادبِ الٰہی کا اہم ترین تقاضا بھی یہی ہے کہ نمازی کا دل تعظیم بھرے ڈر سے اللہ کی جناب میں حاضر ہو۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام رات کا طویل حصہ قیام، رکوع اور سجدے میں گزارتے رو، رو کر داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی، پاؤں پر ورم آ جاتا اور یہی سلسلہ تواتر سے رہا ایک روز خدمت گزار بیوی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: اے اللہ کے رسول......! آپ اس قدر لمبا قیام، اس قدر گریہ زاری کیوں کرتے ہیں......؟ آپ تو گناہوں سے ویسے ہی پاک ہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

﴿ اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا ﴾

''کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں......؟''

قارئین کرام......! آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ساری زندگی شکر ہی ادا کرتے رہے، کیا طائف کی گلیوں میں شکر کا حق ادا نہ ہوا تھا؟ احد کے میدان میں زخمی دانت

[1] سنن ابوداود: 904

شکر کے لیے کافی نہ تھے؟ کیا دن بھر کے فرائض ونوافل شکر کے لیے مناسب نہ تھے؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ساری زندگی خشیت بھری تہجد پڑھ کر شکرادا کرتے رہے، کیا کبھی ہم نے بھی شکرادا کیا......؟ ادا کیا تو کس انداز سے......؟ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں خشیت کی دولت نصیب فرمائے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ پر مکمل عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

خشیت ہی کے ذریعہ نجات

جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کی عزت وعظمت پہچان کر خشیت کے زیور سے آراستہ وپیراستہ رہتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ ہر مشکل میں اس کی خاص مدد فرماتے ہیں۔ جس کا وجود ظاہر وباطن میں رب تعالیٰ کے حضور لرزاں وترساں رہے رب تعالیٰ اس کو دنیا اور دنیاداروں میں شرمندہ نہیں کرتے، بلکہ ایسا باادب نعمت خشیت کی بدولت تمام آفات وبلیات اور پریشانیوں سے بچالیا جاتا ہے۔

سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿ ثَلَاثٌ مُنْجِيَاتٌ: خَشْيَةُ اللهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ ﴾ [1]

”تین چیزیں نجات دلانے والی ہیں، ظاہر وباطن میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرنا۔“

یعنی ظاہر وباطن میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے تعظیم بھرے جذبات کے ساتھ ڈرنے والا کامیاب ہی ہوتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ بڑے بڑے مسائل اپنی خاص مدد سے حل فرمادیتے ہیں اور اس کی خصوصی نصرت ہوتی ہے۔

---

[1] سلسلہ احادیث صحیحہ: 1802

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور خشیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایسی تربیت فرمائی کہ ان کے دل سے دنیا کی حرص نکال کر آخرت کی طمع اور اللہ کی ملاقات کی آرزو پیدا فرما دی۔ وہ ساری زندگی دنیا کی آلودگی سے دور رہے اور ہمہ وقت ان پر خشیتِ الٰہی طاری رہی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین حد درجہ رقیق القلب اور خوف خدا سے لرز جانے والے تھے۔ صحیح بخاری میں خلیفہ اوّل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ وہ رَجُلٌ رَسِيْفٌ "بڑے نرم دل آدمی تھے" وَكَانَ بَكَّاءً اور بہت زیادہ رونے والے گریہ زاری کرنے والے تھے۔ اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ رات کا اکثر حصہ اللہ کے حضور روتے رہتے اور فرماتے اے دنیا تو بہت مکار ہے مجھ سے دور ہو جا تیرا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: صاحب خشیت شخص کی نشانی یہ ہے کہ وہ نماز میں ادھر اُدھر نہیں دیکھتا اور مسلمان بھائیوں کے حق میں حد درجہ نرم ہوتا ہے۔" [1]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع میں تھے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا تو فرمایا: آج پہرا کون دے گا......؟ دو صحابی تیار ہوئے ایک حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جو مہاجر تھے اور دوسرے انصار سے تعلق رکھنے والے حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ تھے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: وادی کے کنارے جس رخ پر دشمن ہے وہاں کھڑے ہو کر پہرہ دو چنانچہ تھوڑی دیر بعد حضرت عمار رضی اللہ عنہ سو گئے اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نماز

[1] کتاب الزہد: 599/2

پڑھنے لگے، دشمن نے جب انہیں کھڑے دیکھا تو سمجھا یہ کھڑا پہرہ دے رہا ہے تو اس نے تاک کر تیر چلایا تو وہ حضرت عباد رضی اللہ عنہ کے جسم میں پیوست ہو گیا انہوں نے نماز ہی میں تیر نکال کر پھینک دیا اور نماز پڑھتے رہے اس طرح یکے بعد دیگرے دشمن نے دو تیر پھینکے اور وہ بھی ان کے جسم میں پیوست ہو گئے حضرت عباد رضی اللہ عنہ انہیں جسم سے نکالتے رہے اور نماز جاری رکھی، پھر انہوں نے رکوع کیا اور سجدہ کیا نماز سے فارغ ہو کر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو اٹھایا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور دشمن نے سمجھا کہ وہ خبردار ہو گئے ہیں تو وہ بھاگ گیا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عباد رضی اللہ عنہ کو خون میں لت پت دیکھا تو فرمایا: سبحان اللہ! تم نے پہلا تیر نکالنے پر مجھے اٹھایا کیوں نہیں ......؟ حضرت عباد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سورۂ کہف پڑھ رہا تھا میں نے پسند نہ کیا کہ اسے چھوڑ دوں۔ [1]

''رغبت وخشیت'' کا یہ عظیم کمال اصحاب رسول کو حاصل تھا اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ بھی ان کی اس عظمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ﴾ [2]

''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ

---

[1] صحیح ابن خزیمہ: 24/1، 36

[2] الفتح: 29

کافروں پر تو سخت (مگر) آپس میں رحم دل ہیں تم جب دیکھو انہیں رکوع و سجود کرتے ہوئے اور اللہ کے فضل اور اس کی رضا مندی کی تلاش کرتے ہوئے دیکھو گے (کثرت) سجدہ کی وجہ سے ان کی پیشانیوں پر امتیازی نشان موجود ہیں۔''

سیدنا زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ اور خشیت

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام علی بن حسین ہے ساری زندگی ایسی رغبت و خشیت اور حسن سے عبادت کی کہ لقب ہی زین العابدین پڑ گیا (عبادت گزاروں کی زینت) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿ سُمِّيَ زَيْنُ الْعَابِدِيْنَ لِكَثْرَةِ عِبَادَتِهِ ﴾

''کثرت سے عبادت کی وجہ سے زین العابدین نام رکھا گیا۔''

آپ رحمۃ اللہ علیہ بلا حساب اللہ کی راہ میں غرباء و مساکین پر خرچ کرتے اور اس قدر خلوص سے خرچ کرتے کہ رات کے اندھیرے میں ضرورت مندوں تک غلہ اناج پہنچا دیتے اور ان کو خبر تک نہ ہوتی، اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اس عظیم نیکی کا علم اس وقت ہوا جب آپ رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال فرمایا: اور فقراء کے گھروں میں غلہ آنا بند ہو گیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آتا ہے۔

﴿ إِذَا تَوَضَّأَ اصْفَرَّ وَتَغَيَّرَ لَوْنُهُ ﴾

''جب آپ وضو بناتے تو چہرے کا رنگ تبدیل ہو کر زرد ہو جاتا'' لوگوں نے سوال کیا حضرت آپ اس قدر سہم کیوں جاتے ہیں......؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے:

﴿ اَتَدْرُوْنَ بَیْنَ یَدَیْ مَنْ اُرِیْدُ اَنْ اَقُوْمَ ﴾ [1]

''کیا تم جانتے ہو......؟ میں کس (عظیم شہنشاہ) کے سامنے کھڑا ہونے والا ہوں۔'' (سبحان اللہ)

قارئین کرام......!

جو وضو اس قدر کامل توجہ اور خشیت سے کیا جائے، اس وضو سے کیا جانے والا سجدہ کس قدر اعلیٰ ہوگا......؟ اس قیام، رکوع اور تشہد کی کیا ایمانی کیفیت ہوگی......؟

آپ رحمۃ اللہ علیہ حد درجہ خاشع انسان تھے ایک دفعہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حج کے لیے احرام باندھا اور لَبَّیْکَ کہنے لگے تو جسم کانپنے لگا، لَبَّیْکَ کہنے کی سکت نہ رہی اور فرمانے لگے: مجھے ڈر ہے کہ میرے لبیک کے جواب میں رب تعالیٰ یہ نہ کہہ دیں لا لبیک ''تیری حاضری مجھے قبول نہیں'' اسی طرح لرزتے لرزتے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فریضہ حج ادا کیا۔ رحمۃ اللہ واسعۃ (ترجمہ کتب تاریخ)

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی رات کا اکثر حصہ عبادت میں رغبت وخشیت کے ساتھ مصروف رہتے، جب رات تاریکی کی چادر کو کائنات پر پھیلا دیتی، جب لوگ آغوش نیند میں ہوتے، آپ رحمۃ اللہ علیہ عمدہ لباس پہن کر، خوشبو لگا کر قیام اللیل میں مشغول ہو جاتے اور نہایت عاجزی وخشیت کے ساتھ گڑگڑا کر دعائیں مانگتے اور بار بار یہ آیت پڑھتے:

---

[1] حلیۃ الاولیا: 229

﴿ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ ﴾ [1]

''بلکہ قیامت ان کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت زیادہ بڑی مصیبت اور زیادہ کڑوی ہے۔''

خشیت الٰہی سے داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی، آپ رحمۃ اللہ علیہ جب سورۃ الزلزال پڑھتے تو آپ کے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی، اور داڑھی کو ہاتھ میں پکڑ کر کہتے:

''اے ذرہ برابر نیکی و بدی کا بدلے دینے والے قیامت کے دن اپنے بندے نعمان بن ثابت کو معاف فرما دینا۔'' (اللہ اکبر)

شارح صحیح البخاری امام بن حجر رحمۃ اللہ علیہ آپ کا ذکر خیر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

﴿ وَمَنَاقِبُ الإمامِ اَبِیْ حَنِیْفَة كَثِيْرَةٌ جِدًا فَرَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ واسْكَنَهُ الفِرْدَوْسَ ، آمين ﴾ [2]

احادیث اور تاریخ کے اوراق ایسے واقعات سے روشن ہیں مقصد انکا احاطہ نہیں صرف بطور نمونہ یاددہانی مقصود ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے باادب لوگوں نے کس طرح رغبت وخشیت کا خیال رکھا، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرمائے۔

رغبت وخشیت کی عبادت میں اہمیت

کمال شوق سے عبادت کے لیے آنا اور حد درجہ خشیت سے اس کی جناب

---

[1] القمر: 46

[2] تہذیب التہذیب: 4/230

میں کھڑے ہونا یہ عبادت کا جوہر ہے اس کے بغیر محض جسمانی حرکات وسکنات کا فائدہ نہیں ہوتا، پھول کا جوہر خوشبو ہے اگر پھول خوشبو نکال لیں تو پتیاں قدر کھو جاتی ہیں۔ دودھ کا جوہر ملائی یا کریم ہے اگر یہ جوہر دودھ سے نکال دیں تو اس سے کما حقہ فائدہ نہیں ہوتا۔ اس لیے عبادت کے بنیادی جوہر رغبت وخشیت کا ساری زندگی خیال رکھیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی عبادت اس جوہر سے خالی نکلے اور قیامت کے روز ضائع کر دی جائے۔

رغبت وخشیت کا خلاصہ

شوق اور ڈر کا مختصر مفہوم یہی ہے کہ آدمی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور، حاضر ہونے، کھڑا ہونے اور پیش ہونے کا کامل شوق بھی ہو، اور دل میں خشیت بھی ہو کہ میرے اعمال اس قابل کہاں کہ میں اس کی جناب کے تمام آداب بجالا سکوں۔ یعنی ملاقات الٰہی کا شوق بھی ہو اور ساتھ ڈر بھی ہو کہیں بے ادبی کی وجہ سے عالی جناب سے جھڑک نہ پڑ جائے۔

آخر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور عاجزانہ دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح معنوں میں اپنی شایان شان رغبت وخشیت نصیب فرمائے اور ساری زندگی اپنا باادب بن کر رہنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین ثم آمین!

قُلُوْبٌ بِتَقْوَى اللهِ وَالذِّكْرِ تَعْمُرُ
وَ أَوْجُهُهُمْ بِالْقُرْبِ وَالبشْرِ تَزْهُدُ
يُنَاجُوْنَ مَوْلَاهُمْ بِفَرْطِ تَضَرُّعٍ
وَاَدْمُعُهُمْ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ تَقْطُرُ

خطبہ نمبر 8

آدابِ الٰہی کا آٹھواں تقاضا

ہر کمال و خوبی کی نسبت اللہ کی طرف

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہی ہمیں پیدا فرمایا اور وہی اپنے بندوں کو ایک دوسرے پر فضلیت دیتا ہے، ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم اس کی ہر عطا اور فضل پر دل وجان سے راضی ہو جائیں اور وہ جو شان، عزت، مقام، عالی منصب اور جمال و کمال عطا فرمائے اس کی نسبت بھی ہم اسی کی طرف کریں کہ اس سب کچھ میں میرا کوئی کمال نہیں، یہ ساری کی ساری اسی کی رحمت اور اسی کا کمال ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر کام میں آدمی کی محنت بھی شامل ہوتی ہے لیکن آپ نے دیکھا کہ اکثر محنت کرنے کے باوجود کچھ ہاتھ نہیں آتا، اس لیے کہ رزق کی فراوانی، اچھی ملازمت کا حصول اور دیگر نوازشات کو اسی ہی کا احسان سمجھ کر اسی کی طرف منسوب کرنا کمال اور ادب کی نشانی ہے۔

باادب لوگ اپنے محسن حقیقی کو کبھی نہیں بھولتے بلکہ وہ حد درجہ کمال پر پہنچ کر کمال کی نسبت محسن حقیقی ہی کی طرف کرتے ہیں، اس کی مثال یوں سمجھیں کہ آپ کا محسن باپ یا مشفق استاذ آپ کے پاس موجود ہو اور کوئی خوبی آپ کی طرف منسوب کی جائے تو آپ فوراً کہتے ہیں جی اس میں میرا کوئی کمال نہیں یہ ساری والدِ گرامی یا استاذ صاحب کی مہربانیاں ہیں آپ ادب کا تقاضا سمجھتے ہوئے اپنی تمام خوبیوں کو والد یا استاذ کی مرہون منت قرار دیتے ہیں۔ جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس ادب کا والد اور استاذ سے بھی زیادہ حقدار ہے کہ اسی کو یاد رکھا جائے اور اسی کی طرف نسبت کی جائے۔ اعلیٰ مقام پا کر تکبر کرنا یا اس کی نسبت غیروں کی طرف کرنا حد درجہ بے ادبی اور احسان فراموشی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا عظیم حوصلہ

رزق، اولاد، بارش، صحت اور بیماری یہ تمام ایسے امور ہیں جن پر مکمل اختیار صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کا ہے۔ کوئی دوسرا رزق دے سکتا ہے نہ اولاد، بارش بھی صرف اسی کے اذن سے ہوتی ہے دنیا میں بڑے بڑے دواخانے ہیں مگر شفا خانے پر صرف اسی کا قبضہ ہے اس میں کوئی نبی یا ولی بھی اس کا شریک نہیں۔

قرآن وحدیث بلکہ پوری انسانیت کی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ اس نے اپنے انبیاء ورسل علیہم السلام کو فاقوں میں رکھا، کئی برگزیدہ انبیاء ورسل علیہم السلام کو باوجود مطالبہ کے ساری زندگی اولاد نہ دی۔ کئی دفعہ ان کے دور میں قحط کا غلبہ رہا، اور اسی طرح انبیاء ورسل علیہم السلام شدید بیمار رہے صحت یابی کے لیے دوا بھی لی دعا بھی کی، مگر سب کچھ کے باوجود بیماری کی شدت میں دنیا فانی سے رحلت فرما گئے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب ساری نعمتوں پر اختیار صرف اسی کا ہے اور وہی اپنی مرضی کے مطابق ان نعمتوں میں سے کچھ حصہ عطا کرتا ہے تو ہمیں یہ نعمتیں اس عالی ذات سے پا کر غیروں کے کھاتے میں نہیں ڈالنی چاہئیں۔ کئی مسلمان اولاد ملنے پر واضح الفاظ میں کہتے ہیں کہ یہ فلاں بزرگوں کی نظر کرم، یا یہ فلاں پیر صاحب کی عطا ہے بلکہ کئی تو نام رکھ دیتے ہیں عموماً ''پیراں دِتہ''۔

اسی طرح کئی اچھے کاروباری صریحاً کہتے ہیں: یہ سارا انہیں کا دیا ہوا ہے بزرگوں کی مہربانی ہے۔ یعنی علی الاعلان رب تبارک وتعالیٰ کو بھول کر سب کچھ پیر صاحب کی طرف منسوب کر دینا یہ حد درجہ بے ادبی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی نیک، ولی یا نبی دعا کرے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں

کہ واضح الفاظ میں نعمت کی نسبت اس کی طرف کردی جائے اور حقیقی خالق و مالک کو یاد نہ رکھا جائے، ایسی بے ادبی سے قرآن و حدیث اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے خود منع فرمایا ہے۔ شیخ علی ہجویری جن کو داتا گنج بخش کہا جاتا ہے جب کہ یہ کہنا ہرگز جائز نہیں۔ وہ اپنی کتاب میں اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اے علی......! لوگ تجھ کو گنج بخش کہتے ہیں مگر تیرے پاس کسی کو دینے کے لیے کوڑی بھی نہیں۔ تو اس پر فخر نہ کر کیونکہ گنج بخش اور رنج بخش صرف اللہ کی ذات ہے۔" [1]

حضرت انسان کا اس فرمان کے بعد رب تبارک وتعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی طرف اپنے کمالات کی نسبت کرنا یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے ادبی اور جرم عظیم ہے۔ یہ عقیدہ کہ مجھے انہیں کی وجہ سے سب مل رہا ہے اور انہیں کا دیا ہوا ہے یہ شرک ہے۔

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

﴿صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى أَثْرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا انْصَرَفَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ ، فَقَالَ: هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ...؟ قَالُوْا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ : قَالَ اَصْبَحَ مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَ كَافِرٌ ، فَاَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ رَحْمَتِهِ ، فَذَالِكَ مُؤْمِنٌ بِيْ كَافِرٌ

[1] کشف المحجوب (شیخ علی ہجویری)

بِالْكَوْكَبِ ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا، وَكَذَا فَذَالِكَ كَافِرٌ بِيْ مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ ﴾ [1]

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز حدیبیہ میں ایسی رات پڑھائی جس میں بارش ہوئی تھی، جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے تمہارے پروردگار نے کیا کہا ہے......؟ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی خوب جانتے ہیں آپ ﷺ نے کہا اللہ نے فرمایا: آج صبح بہت بندے مومن ہوئے اور بہت سے کافر، جس نے کہا کہ بارش اللہ کے فضل وکرم سے ہوئی ہے وہ مومن ہے اور جس نے کہا بارش فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے ہوئی ہے وہ کافر ہے۔''

معلوم ہوا ستاروں اور غیروں کی طرف نسبت کرنا اور اللہ کو بھلانا یہ بے ادبی ہی نہیں کفر بھی ہے، افسوس! کہ آج کلمہ گو مسلمان اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان لانے کے باوجود اپنے ہر کمال کو اولیاء اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے جو کہ اس کے لیے قطعاً روا نہیں ہے۔ کچھ جاہل یا متجاہل یہاں دھوکہ میں مبتلا کرتے ہیں کہ ''دون اللہ'' اور ''اولیاء اللہ'' میں فرق ہے، ''دون اللہ'' سے مانگنا شرک اور ان کی طرف نسبت حرام ہے، اولیاء اللہ سے مانگنا بھی جائز ہے اور ان کی طرف نسبت بھی درست ہے۔ جبکہ اس فرق کی بنیاد پر شرک کے چور دروازے کھولنا درست نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں اولیاء اللہ کا مقام بہت بلند ہے مگر مانگنا اسی سے چاہیے جس سے وہ مانگتے رہے

---

[1] بخاری: 846

نسبت اس کی طرف جس کی طرف وہ کمالات کی نسبت کرتے رہے اور وہ صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

قارئین کرام......! صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بڑھ کر کوئی اللہ کا ولی ہو سکتا ہے......؟

اس امت کے سب سے پہلے اولیاء اللہ وہ اصحاب رسول ہیں تو کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ان کے پیروکار تابعین نے مانگا......؟

کیا کوئی تابعی کسی زندہ یا فوت شدہ صحابی کی قبر پر رزق، اولاد وغیرہ لینے گیا......؟

اگر نہیں گیا تو ہمیں بھی انہیں کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔

یاد رہے......! سورہ نوح آیت 23 میں جن پانچ ناموں کا ذکر ہے وہ بھی اولیاء اللہ ہی تھے اور یہ پانچوں قوم نوح علیہ السلام کے اولیاء اللہ کے نام تھے جب وہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کے عقیدت مندوں کو کہا کہ ان کی تصویریں بنا کر تم گھروں اور دکانوں میں رکھو تا کہ ان کی یاد تازہ رہے اور ان کے تصور سے تم بھی نیکیاں کرتے رہو۔ جب یہ تصویریں بنا کر رکھنے والے فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی نسلوں کو یہ کہہ کر شرک میں مبتلا کر دیا کہ تمہارے آباؤ اجداد تو ان کی عبادت کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے ان کی پوجا شروع کر دی۔ [1]

بہر حال یہ تفصیل کا موقع نہیں، عقلمندوں کے لیے یہی بات کافی ہے دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں ہر خوبی، کمال اور بلندی کی نسبت اپنی طرف ہی

[1] صحیح البخاری: 4920

کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ثم آمین!

جو شخص خود کو عاجز سمجھ کر رب تبارک وتعالیٰ کو غالب جان کر ہر خیر کو اسی کی رحمت کا نتیجہ کہے رب تبارک وتعالیٰ اسے پھر کمی نہیں آنے دیتے۔اعترافِ نعمت اور ادبِ الٰہ کا اولین تقاضا یہ بھی ہے کہ شان ملنے کے بعد یہی کہا جائے کہ ساری میرے پروردگار ہی کی مہربانی ہے میرا اس میں کوئی کمال نہیں۔اور حقیقت میں وہی ہے جس نے ایسے اسباب اور مواقع پیدا فرمائے کہ ہمیں زمانے بھر کا معزز بنا دیا وگرنہ بڑی بڑی عقلوں والے دھکے کھا رہے ہیں۔

مگر افسوس......! کہ آج کا انسان اس طرح غرور کرتا ہے کہ گویا رب نام کی کوئی شئے نہیں سب کچھ پانے میں صرف اسی کا کردار ہے جب کہ ہمارے اسلاف اور جتنے بھی با کمال انبیاء ورسل علیہم السلام اور با عمل مسلمان بادشاہ اور امراء گزرے انہوں نے عزت وعظمت پا کر یہی کہا: یہ صرف اللہ کا فضل ہے صرف اسی کی توفیق وعطا ہے۔ اوران کے سنہرے جملے آج بھی قرآن کی زینت ہیں اور تاریخ کے اوراق ان سے روشن ہیں اور جن احسان فراموشوں کو یہ حقیقت سمجھ نہیں آئی ان کا بدتر انجام بھی سب کے سامنے ہے۔

آیئے......! چند مثالوں سے اس ادب کی تفصیل کا مطالعہ کریں اللہ تبارک وتعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ثم آمین!

سیدنا یوسف علیہ السلام کا کہنا کہ مجھ پہ اللہ کا رحم

سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں میں سے قابل قدر اور صاحب شرف بیٹے کا نام یوسف ہے۔آپ کا مبارک نام قرآن مجید میں چھبیس مرتبہ آیا

ہے، چوبیس مرتبہ سورۂ یوسف میں، ایک مرتبہ سورۂ انعام میں اور ایک مرتبہ سورۂ غافر میں۔ آپ علیہ السلام حسن و جمال کے پیکر، صبر و استقلال کے پہاڑ، عفوو درگزر کے پتلے اور عاجزی وانکساری کے مجسمے تھے۔ آپ علیہ السلام کی عظمت وشان اور عالی مقام کو بیان کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے پوری سورت قرآن مجید میں نازل فرمائی اور اس سورت مبارکہ میں جو علم وحکمت اور آداب و مسائل کے موتی بیان فرمائے ان کو ''احسن القصص'' سے تعبیر فرمایا۔ سوتیلے بھائیوں کی کارستانی آپ جانتے ہیں اور تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ سوتیلے بھائیوں کے شر سے بمشکل ہی بچا جا سکتا ہے۔ بہر حال آپ علیہ السلام جس عزیز مصر کے گھر تھے اس کی اہلیہ نے آپ کو برائی پر اکسایا، قرآن مجید کا بیان ہے:

﴿ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٣﴾ ﴾ [1]

''تو جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے اس نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور دروازے بند کر لیے۔ کہنے لگی: اے یوسف! جلدی آؤ! انہوں نے کہا: اللہ پناہ میں رکھے، میرے رب نے مجھے اچھا ٹھکانا دیا ہے وہ ظالموں کو کامیاب نہیں کرتا۔''

آپ علیہ السلام نے جب اس گناہ سے بچنے کا ذکر کیا تو یہ نہیں فرمایا کہ میری ہمت ہے کہ میں بچ گیا، دیکھا میرا کمال کیسے میں بچا! بلکہ آپ علیہ السلام نے حد درجہ تواضع اور

[1] یوسف:23

گناہ سے بچنے کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَمَآ أُبَرِّئُ نَفْسِيٓ ۚ إِنَّ ٱلنَّفْسَ لَأَمَّارَةٌۢ بِٱلسُّوٓءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيٓ ۚ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ [1]

''اور میں اپنے آپ کو پاک صاف نہیں کہتا کیونکہ نفس تو اکثر برائی پر اکساتا رہتا ہے مگر جس پر میرے پروردگار کی رحمت ہو یقیناً میرا رب معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

یعنی آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں یہ نہیں کہتا کہ مجھ سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہو سکتی نفس کا کام تو برائی کے کاموں پر اکسانا ہی ہے، لیکن یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اللہ گناہ سے بچا دیتا ہے اور اسی پروردگار نے اپنی رحمت سے مجھے بچایا۔

آج ہمیں بھی چاہیے کہ جب گناہ سے بچیں تو یہی کہیں کہ میرے رب نے مجھے محفوظ فرمایا یہ ساری میرے رب کی مہربانی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے اگر اس کی خاص توفیق اور مدد شامل حال نہ ہو تو شیطان کے مکر آدمی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ہی آدمی گناہوں سے بچتا ہے جب اس کے فضل وکرم سے بدی سے بچتا ہے تو پھر حق بھی یہی ہے کہ نسبت اسی کی طرف کی جائے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں سے صاف ظاہر ہے اور ادب الٰہ کا بھی یہی تقاضا ہے۔

سیّدنا یوسف علیہ السلام نے کہا عقیدہ توحید اللہ کا فضل ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کو عقیدہ توحید وراثت میں ملا تھا۔ آپ علیہ السلام کے والد

[1] یوسف:53

گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام اور دادا محترم حضرت اسحق علیہ السلام بھی اللہ کے نبی اور توحید کے داعی تھے۔ آپ علیہ السلام کے پردادا محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام صرف اللہ کے برگزیدہ رسول ہی نہیں، بلکہ امام الموحدین تھے، لیکن اس عظیم شرف کے باوجود حضرت یوسف علیہ السلام نے شرک کیا اور نہ ہی کبر، بلکہ اس کمال اور عقیدہ کے جمال پر اللہ کا فضل قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴾ [1]

''اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کی ملت کی پیروی کی ہے۔ ہمارے لیے لائق نہیں ہے کہ ہم کسی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک بنائیں۔ اللہ کا فضل ہے یہ ہم پر بھی اور لوگوں پر بھی ہے، لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے دوٹوک الفاظ میں عقیدہ توحید کے ملنے کو اللہ کا فضل قرار دیا اور فرمایا کہ ہم غیروں کو سجدہ کرتے ہیں نہ غیر اللہ کی نذر و نیاز دیتے اور نہ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو مدد کے لیے پکارتے ہیں...... یہ سب عقیدہ توحید کی غیرت اور محبت یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ہم پر اور موحد لوگوں پر فضل ہے، اگرچہ اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے قدر دان اور شکر گزار نہیں بنتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے اس فرمان کی روشنی میں ہمیں بھی اپنی تربیت کر لینی

---

[1] یوسف:38

چاہیے اور وہ یہ ہے کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں موروثی طور پر سچے عقائد اور اعلیٰ اخلاق سے مالا مال کیا ہے۔ ہمارے خاندان میں علم وفضل اور مال ودولت کی ریل پیل ہے تو ہم اس پر اترانے کی بجائے..... لوگوں کی تذلیل اور تحقیر کرنے کی بجائے اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل سمجھیں، اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خدمت کریں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے شکر گزار بندے بنیں۔

اپنی خاندانی خدمات اور برادری کے کمالات کا ذکر کرتے ہوئے فخر وغرور گھمنڈ کرنا یا اس کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی گدی کا فیض سمجھنا، دورۂ جاہلیت کے اَن پڑھ بدوؤں کا طرزِ عمل تو ہوسکتا ہے کسی سچے مومن کی ایسی پہچان اور شان نہیں ہوسکتی۔

سیّدنا یوسف علیہ السلام کا کہنا کہ مجھ پہ اللہ کا احسان

اسی طرح آپ علیہ السلام آزمائش کے تمام مراحل بخوبی پورے کرتے ہوئے تختِ مصر پر جلوہ افروز ہوئے تو آپ علیہ السلام نے سوتیلے بھائیوں کو شرمندہ کرنے کے لیے اور اپنی بڑائی بیان کرنے کے لیے کوئی ایسا بول نہیں بولا جس میں عزت وعظمت اور کامیابی کی نسبت اپنی طرف ہو، حالانکہ ایسے مواقع پر آدمی بڑے بڑے بول اپنی زبان سے کہہ جاتا ہے آپ علیہ السلام نے ایسے خوبصورت کلمات اپنی زبان سے ادا کیے کہ شکریہ کا حق ادا کرتے ہوئے سارے کمالات واعزازات کی نسبت اللہ ہی کی طرف کی اور بھائیوں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۖ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝٩٠ ﴾ [1]

[1] یوسف:90

”تحقیق اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا، کیونکہ جو کوئی اس سے ڈرتا اور صبر کرتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔“

یعنی آپ علیہ السلام نے سب کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان قرار دیا اور فرمایا: یہ اس کی نظر کرم ہے کہ اس نے کنویں کی گہرائیوں سے نکال کر تخت مصر کی بلندیاں عطا فرمائیں، آج ہمیں بھی اپنا منصب، عہدہ اور مقام پا کر اس احسان کو یاد رکھنا چاہیے اور زبانی اس کا اقرار کرتے ہوئے ساری زندگی اس کے سامنے سربسجود رہنا چاہیے۔

لیکن ہمارے معاشرے میں مسلمانوں کا کردار اس سے قدرے مختلف ہے۔ جب ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مقام ومرتبہ یا کوئی منصب ملتا ہے تو وہ شرک یا کبر میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ ہر ملنے والے کو یہی کہتے ہوئے نظر آئیں گے کہ مجھے فلاں کی وجہ سے یہ عہدہ ملا ہے...... میں فلاں کی وجہ سے اس مقام ومرتبے پر پہنچا ہوں یا پھر کبر وغرور کا اظہار ہوگا، میں نے بہت محنت کی، یہ میری قابلیت ہی کا نتیجہ ہے...... استغفر اللہ العظیم

جب کہ بحیثیت مسلمان ہمارا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ ہم اچھا عہدہ اور اعلیٰ منصب پانے کے بعد یہی بات کہتے ہوئے نظر آئیں کہ ہم پر ہمارے اللہ کا احسان ہے، ہم گنہگار اس قابل تو نہ تھے مگر عرش وفرش کے داتا نے ہم پر نظر کرم کر دی۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام کی صدا...... یہ سب اسی کا فضل ہے

سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے جلیل القدر پیغمبر تھے۔ آپ کا ذکرِ خیر

قرآن مجید میں 16 مقامات پر موجود ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے کئی کمالات میں آپ علیہ السلام کو امتیازی شان عطا فرمائی آپ علیہ السلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے ایک دعا کی:

﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ﴾

''اے پروردگار......! مجھے معاف کردے اور مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو نہ ملے۔''

رب تبارک وتعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی دعا کو قبول فرما کر ایسی شان و شوکت اور بادشاہت سے نوازا کہ بعد میں وہ کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ لیکن آپ علیہ السلام نے ہر نعمت، عظمت اور کمال پانے کے بعد کسی چیز کی نسبت اپنی طرف نہیں کی، بلکہ کمال ادب کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۝ ﴾ [1]

''اے لوگو! ہم پرندوں کی بولیاں سکھلائے گئے ہیں اور ہمیں ہر نعمت دی گئی ہے اور بلاشبہ یہ (اللہ ہی کا) واضح فضل وکرم ہے۔''

اس آیت کریمہ سے دو واضح اصول سامنے آئے۔

1 ...... سیدنا سلیمان علیہ السلام کے وسعت علم کا عالم یہ تھا کہ پرندوں کی چہ میگوئیاں بھی اچھی طرح سمجھتے تھے اور شاید آدمیت میں کوئی ایسا شخص نہ گزرا ہو جو پرندوں کی باتیں اچھی طرح سمجھنے والا ہو۔ اس قدر ممتاز شان کے باوجود اپنے علم پر ناز

---

[1] النمل: 16

نہیں کیا، اپنی بڑائی کا نعرہ نہیں لگایا بلکہ فرمایا: یہ میرے رب ہی کا عظیم فضل ہے کہ اس نے مجھے پرندوں کی بولیاں سکھائیں۔

آج علماء کرام اور سکالرز حضرات کا بھی یہی انداز ہونا چاہیے کہ وسعتِ مطالعہ کو فضل الٰہی سمجھ کر اس کی نسبت بھی اسی کی طرف کریں، کہ جو چند الفاظ میری زبان سے ادا ہوئے ہیں یہ محض اسی کی عنایت، توفیق اور کرم وفضل کا نتیجہ ہے اس میں میرا کوئی شخصی کمال نہیں۔ جب حاملین علم وفضل کی یہ سوچ ہوگی تو پھر تکلفات غالب نہیں آئیں گے اور آج کل ہم عقیدۂ سلفی علماء کرام کے درمیان بھی جو ایک دوسرے کو زیر کرنے، زچ کرنے اور غیر اخلاقی سخت الفاظ میں تنقید وتردید کرنے کی وبا پھیل رہی ہے ان شاء اللہ کافی حد تک کم ہوگی۔

یاد رہے......! نرم لب ولہجہ اور احترام بھرا اندازِ تحریر ہی بتلاتا ہے کہ یہ عالم علم کو اپنی دہلیز کی لونڈی یا ذاتی جاگیر نہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم سمجھتا ہے۔

2 ...... سیدنا سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ہمیں ہر نعمت دی گئی ہے نبوت ورسالت، بادشاہت وسلطنت، صحت وسلامتی، علم وفضل، مقام ومرتبہ گو کہ ہر طرح کی عظمت وعزت سے ہمیں نوازا گیا ہے اور یہ سب کچھ میری محنت، ذہانت اور قربانی کا نتیجہ نہیں بلکہ ﴿إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ﴾ بلکہ یہ اسی پروردگار کا واضح کرم وفضل ہے۔

ہمیں بھی چاہیے کہ فراوانی وآسانی اور کامیابی پا کر ہر ملنے والے کو یہی نہ کہتے رہیں جناب یہ میری محنتوں کا نتیجہ ہے، سر آپ ہی کی دعاؤں کا صلہ ہے، بلکہ یہی

کہیں یہ سارے کا سارا اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم ہے اور اسی کی کمال رحمت کا نتیجہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو بھی آپ کی محنت وکوشش اور دعا کا صلہ اور اجر وثواب عطا فرمائے۔ آمین! مگر افسوس! کہ لوگوں کا ادب کرتے ہوئے ان کو خوش کرنے کے لیے کامیابی وآسانی کی نسبت فوراً ان کی طرف تو کر دیتے ہیں اور محسن حقیقی کو فراموش کر جاتے ہیں یہی بے ادبی ہے وگرنہ باادب اعلیٰ مقام پا کر ہمیشہ اپنے خالق حقیقی کی تعریف کو ہی مقدم رکھتے ہیں۔

کائنات کا منفرد کارنامہ اور کمال کی نسبت اللہ کی طرف

سیدنا سلیمان علیہ السلام نے جب ہدہد کو غائب پایا تو فرمایا: اگر حاضری پر اس نے معقول دلیل پیش نہ کی تو میں اسے سخت سزا دوں گا یا ذبح کر دوں گا، تھوڑی دیر کے بعد ہدہد حاضر ہوا اور کہا: میں ایک ایسی خبر لایا ہوں جو آپ کے علم میں نہیں ہے چنانچہ ہدہد نے سارا ماجرا بیان کیا آپ علیہ السلام نے ہدہد کا بیان سن کر مکمل تحقیق کی تو بات سچی نکلی آپ علیہ السلام نے ملکہ سبا کے تخت کے متعلق فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝۳۸ ﴾ [1]

''اے سردارو! تم میں سے کون ہے جو ملکہ سبا کا تخت اس کے مسلمان ہو کر آنے سے پہلے میرے پاس لے آئے؟''

چنانچہ ایک طاقتور جن نے کہا:

[1] النمل: 38

﴿ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ ﴾

''میں آپ کو آپ کی مجلس سے اٹھنے سے پہلے ہی اسے آپ کے پاس لا دیتا ہوں۔''

کہا: کہ میں یہ ذمہ داری ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہوں۔

﴿ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ۝۳۹ ﴾

''یقین مانیے کہ میں اس پر قادر ہوں اور امانت دار بھی ہوں۔''

تخت کے جواہرات میں خیانت نہیں کروں گا۔ دربار میں موجود ایک مومن نے عرض کی:

﴿ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ ﴾

''میں آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے اسے آپ کے پاس پہنچا سکتا ہوں۔''

اور واقعی بلقیس کا تخت تھوڑی دیر میں یمن سے بیت المقدس پہنچ گیا جب آپ علیہ السلام نے اسے اپنے پاس موجود پایا تو فرمانے لگے:

﴿ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ۝۴۰ ﴾ [1]

''یہ میرے رب کا فضل ہے تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری۔ شکر گزار اپنے ہی نفع کے لیے شکر گزاری کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے پروا اور بزرگ ہے۔''

[1] النمل:40

اللہ تبارک وتعالیٰ کو شکر کرنے والوں کی محتاجی ہے نہ کافروں کی ناشکری سے اس کا کچھ بگڑتا ہے۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام نے اپنی جماعت کے ایک جانثار کا جب یہ عظیم کارنامہ دیکھا، کہ لمحہ بھر میں اس نے اپنا دعویٰ پورا کر دکھلایا تو فوراً فرمانے لگے: ''یہ صرف میرے رب کا فضل ہے۔'' ہم جیسا کمزور ایمان ہوتا تو پہلے تو اپنے اس مقتدی کی مٹھیاں بھرتا، پھر اس کی مدح وستائش کے پل باندھتا، پھر جی حضوری کرتے ہوئے سوال کرتا جناب آپ کے پاس کون سا نوری علم ہے......؟ آپ نے تو کمال کر دی۔ آپ جیسا باکمال مستحق ہم نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ کیا بات ہے آپکی...... واہ جناب!

سیدنا سلیمان علیہ السلام نے سب سے پہلے اس عظیم کارنامے کی نسبت اپنے خالق ومالک کی طرف کی اور فرمایا: اس میں کسی کا کوئی کمال نہیں یہ اس کی عطا اور صرف اس ہی کا فضل ہے۔ اور ادب کی بلندی بھی اس میں ہے کہ محنت آدمی کرے، کوشش بندہ خود کرے، دھکے کھائے، قربانی خود پیش کرے۔ لیکن جب کامیابی، بلندی اور عزت نصیب ہو تو سچے دل سے یہی کہے......!

﴿هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ﴾

اللہ تبارک وتعالیٰ پھر ایسے باادب بندے پر حد درجہ خوش ہی نہیں ہوتے، بلکہ اپنی نوازشات کے سارے دروازے کھول دیتے ہیں۔ ہمارے ہاں مصیبت یہ ہے کہ مَیں مَیں نے ہمارا بیڑہ غرق کر دیا ہے بندے کی صرف یہی کوشش ہوتی ہے صرف میری تعریف ہو اور ہر خوبی وکمال کی نسبت بھی میری طرف ہی کی جائے۔

یاد رہے......!

جب نفس میں خودی کی حرص وہوس حد سے زیادہ بڑھ جائے تو زندگی

کا سکون برباد ہو جاتا ہے...... ہزاروں نعمتیں مل جانے کے باوجود بھی انسان خوشیوں کے خزانوں سے محروم رہتا ہے۔

اس لیے ہمیشہ اپنے خالق ہی کی تعریف کریں اور اسی کو لائق شکر سمجھ کر ہر کمال و جمال کو اسی کی طرف منسوب کریں۔ اس میں بہتری اور اسی میں ہماری خیر ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو یہ حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ظلم کی انتہا

ہمارے معاشرے میں کئی لوگ ساری زندگی حرام کماتے ہیں، رشوت، سود جوا اور بانڈوں نمبروں کی کمائی سے عالی شان مکان یا کوٹھی بنا کر اس کے ماتھے پر یہی قرآنی پاکیزہ ٹکڑا لکھ دیا جاتا ہے کہ ''ہٰذا من فضل ربی''

ایک ظلم تو یہ کیا کہ ساری زندگی حرام کماتے رہے اور دوسرا ظلم یہ ہوا کہ حرام کے مال سے معرض وجود میں آنے والے مکان کو اللہ کا فضل قرار دے دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سیّدہ مریم علیہا السلام اور نسبت الی اللہ

قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدنا زکریا علیہ السلام کو سیدہ مریم علیہا السلام کا سرپرست بنایا آپ علیہ السلام رشتے میں ان کے خالو بھی تھے۔ تفسیری روایات کے مطابق سیدہ مریم علیہا السلام کو عبادت کے لیے خاص کمرہ دیا گیا تھا جس میں وہ رغبت وخشیت سے عبادت میں مشغول رہتیں اور اس کمرہ میں حضرت زکریا علیہ السلام کے سوا سب کا داخلہ ممنوع تھا۔ حضرت سیدہ مریم علیہا السلام کو سامان اکل وشرب بھی آپ علیہ السلام ہی پہنچایا کرتے تھے ایک بار اچانک کیا دیکھا کہ ابھی سامان اکل وشرب لے کر داخل ہوئے ہیں کہ

آپ علیہا السلام کے پاس تر وتازہ کھانے پینے کا سامان موجود ہے آپ علیہ السلام نے حیرانی سے پوچھا:

﴿قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا﴾

''اے مریم! یہ تیرے لیے کہاں سے آیا......؟''

آپ علیہا السلام نے فوراً اللہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے فرمایا:

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ [1]

''وہ میرے اللہ کی طرف سے ہے۔'' (اس سے زیادہ میں نہیں جانتی ہوں)

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ غائبی مدد کا ظہور ہونے پر اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا خاص فضل وکرم کہہ کر اسی طرف منسوب کر دینا چاہیے۔ یہی احسان اور ادب کا تقاضا ہے لیکن ہمارے ہاں اس کے برعکس خواتین عقیدہ میں حد درجہ کمزور ہوتی ہیں آسانی وفراوانی اور رزق ملنے پر ان کی زبان پر یہی ہوتا ہے کہ

''میرے تے میرے پیراں دا کرم اے''

''انہی کے طفیل سب کچھ مل رہا ہے''

سیدہ مریم علیہا السلام نے جواباً یہ تو نہیں فرمایا تھا کہ خالو جان آپ پوچھ رہے ہیں رزق کہاں سے آیا......؟ خالو جان یہ آپ کی طفیل تو سب کچھ مل رہا ہے، بلکہ واشگاف توحید بھرے جملہ میں یوں فرمایا: ھو من عند اللہ۔ رزق کو اپنی نیکی کا نتیجہ کہا، نہ ہی کسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا میں شریک کیا اور یہی ادبِ الٰہی کا تقاضا ہے۔

[1] آل عمران: 37

دو انمول نکات

سیّدہ مریم علیہا السلام کی للّٰہیت اور طہارت زمانہ بھر میں ضرب المثل بن چکی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مفسرین کرام نے سیّدہ کی ذہانت، فطانت اور لیاقت کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ آپ علیہا السلام نے پھلوں میں سے کچھ کھا لیے اور کچھ بچا لیے، جو کھائے تھے وہ جان بچانے کے لیے تھے اور جو بچائے تھے وہ بطورِ دلیل بتانے کے لیے تھے...... اگر وہ سارے پھل کھا جاتیں تو پھر حضرت زکریا علیہ السلام کو عین الیقین کیسے حاصل ہوتا ہے کہ سیّدہ مریم علیہا السلام اپنے دعوے میں سچی ہیں......؟

دوسری نصیحت حضرت زکریا علیہ السلام کے سوال سے ہوتی ہے کہ آپ علیہ السلام نے جب پھلوں کو سیّدہ مریم علیہا السلام کے پاس دیکھا تو سب سے پہلے یہی پوچھا کہ اے مریم! یہ پھل میں نہیں لایا، تیرے پاس کیسے آئے......؟

حضرت زکریا علیہ السلام کے اس سوال سے واضح ہوتا ہے کہ ذمہ دار سرپرست اور غیرتمند باپ بالخصوص جب بیٹیوں کے پاس کوئی ایسی چیز دیکھیں جو اس نے نہ لا کر دی ہو تو وہ اس کے متعلق سوال ضرور کرتا ہے کہ یہ بیگ یا گھڑی یا موبائل یا قلم یا رومال میں نے نہیں لا کر دیا تو تیرے پاس کیسے آیا......؟

یاد رکھو! موجودہ حالات بہت پُرفتن ہیں، اپنی بیٹیوں کی ایک ایک نقل و حرکت پر گہری نظر رکھیں۔ کالج اور مدرسوں کی سہیلیوں پر بھروسہ نہ کریں۔ یہی سہیلیاں کبھی کبھار گھر کا سانپ ثابت ہوتی ہیں۔

بادشاہ ذوالقرنین کا کارنامہ اور نسبت اللہ کی طرف

ذوالقرنین ایک ایسا حکمران تھا جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سلطنت حکومت اقتدار اور اسباب و وسائل کی فراوانی سے نوازا تھا آپ کا دورِ حکمرانی 539

قبل از مسیح ہے آپ کے اقتدار اور ساز و سامان کا رب تبارک وتعالیٰ نے ان الفاظ میں تذکرہ فرمایا:

﴿إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِن كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝﴾ [1]

''ہم نے انہیں زمین پر اقتدار دیا اور ہر قسم کے وسائل مہیا کیے۔''

آپ مشرقی و مغربی ممالک کو فتح کرتے ہوئے ایک ایسے پہاڑی درّے پر پہنچے کہ جس کی دوسری طرف یاجوج اور ماجوج تھے وہاں کے لوگوں نے آپ سے ایک مطالبہ کیا، جس کا ذکر رحمن نے یوں فرمایا:

﴿قَالُوا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَن تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝﴾ [2]

''انہوں نے کہا: اے ذوالقرنین! بے شک یاجوج و ماجوج اس سرزمین میں فساد کرنے والے ہیں تو کیا ہم تیری کچھ آمدنی طے کر دیں اس شرط پر کہ تو ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دے۔''

بادشاہ ذوالقرنین نفس پرست اور مال و دولت کا حریص نہیں تھا، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ماننے والا اور آخرت پر ایمان رکھنے والا مومن شخص تھا۔ اس نے جواباً کہا:

﴿مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝﴾ [3]

[1] الکہف: 84
[2] الکہف: 94
[3] الکہف: 95

''جن چیزوں میں میرے رب نے مجھے اقتدار بخشا ہے وہ بہت بہتر ہیں، اس لیے تم قوت کے ساتھ میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک موٹی دیوار بنا دوں۔''

ذوالقرنین نے فوراً اپنی خدمات پیش کیں اور تعمیراتی سامان مزدوروں سمیت طلب کیا اور فرمایا:

﴿ اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ؕ﴿۹۶﴾ ﴾ [1]

''تم میرے پاس لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لاؤ، یہاں تک کہ جب اس نے دونوں پہاڑوں کا درمیانی حصہ برابر کر دیا تو کہا: آگ تیز جلاؤ یہاں تک کہ جب اس نے اسے آگ بنا دیا تو کہا: لاؤ میرے پاس پگھلا ہوا تانبا میں اس کو اس پر انڈیل دوں۔''

جب گرم چادروں پر پگھلا ہوا تانبا ڈالا گیا تو وہ ایسا لمبا مضبوط بند بندھ گیا کہ یاجوج ماجوج اس کو پار کرنے یا اس میں نقب زنی کرنے سے عاجز آ گئے۔ حد درجہ مضبوط اور لمبی چوڑی دیوار قائم کر دی اور اس عظیم کارنامے کو سرانجام دیکر اپنی زبان سے ایسا تاریخی جملہ کہا کہ ساری کوشش ومحنت اور ہنرمندی کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف کر دی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس پیارے جملے کو قرآن بنا کر حضرت محمد ﷺ پر نازل فرما دیا۔ حضرت ذوالقرنین نے فرمایا:

---

[1] الکہف:96

﴿هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَ كَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا ﴾[1]

''یہ میرے رب کی رحمت ہے، پھر جب میرے رب کا وعدہ آ گیا وہ اسے زمین کے برابر کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ ہمیشہ سچا ہے۔''

سیدنا ذوالقرنین کے مثالی جواب سے تین باتیں سامنے آئیں۔

1 ...... ہمیں نیکی، اچھائی اور احسان کرنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اس قدر مقام عطا فرمایا ہے کہ ہماری توجہ، سفارش یا رہنمائی سے کسی غریب کا بھلا ہو سکتا ہے تو ہمیں اول فرصت اس سے تعاون فرما کر اپنا اللہ تبارک وتعالیٰ سے اجر لینا چاہیے۔ اس کے برعکس کسی ساتھی، مقتدی یا شاگرد کا کام کرنے سے پہلو تہی کرنا، جھوٹے وعدے دے کر اس کو پریشان کرنا یا کام کرنے کے لیے تکلفات کا مظاہرہ کرنا رشوت کا مطالبہ کرنا، ایسا کردار کسی دنیادار جاہل کا تو ہو سکتا ہے خدا خوف مسلمان یا باعمل عالم دین کا نہیں ہو سکتا۔

2 ...... نیکی کا کام سرانجام دیکر اپنی صلاحیتوں اور کارناموں کی داستان کھولنے کی بجائے، اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق کہہ کر اسی کی طرف منسوب کر دینا چاہیے اکثر دنیادار تو درکنار دینی ذوق رکھنے والے معمولی سا کارنامہ انجام دے کر اترانا شروع کر دیتے ہیں جب تک تعمیر کروائی ہوئی مسجد پوری اپنے تسلط میں نہ کر لیں خودی کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوتی، جی یہ میری محنتوں کا نتیجہ ہے، یہ ادارہ میری وجہ سے چل رہا ہے یا کسی بھی پروگرام میں اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے کام لے لے وہ شکر، تواضع اور نسبت الی اللہ کی بجائے فخر و غرور اور گھمنڈ کا شکار ہو جاتے ہیں جب

[1] الکہف:98

کہ ایسا کرنا عمل ضائع کرنے کے برابر ہے۔

3 ......اپنی مضبوط سے مضبوط بلڈنگ، کوٹھی اور بنگلے پر بھی نازاں نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے عارضی جانتے ہوئے، توجہ آخرت کی طرف کرنی چاہیے آج لوگ پانچ مرلہ مکان یا بیس مرلہ کی کوٹھی بنا کر فکر آخرت سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں اور ان کی ساری توجہ مکان، دکان اور کوٹھی تک محدود رہتی ہے۔ سیدنا ذوالقرنین نے کام بھی کیا اس سے اللہ کی قوت اور غلبے کی طرف اشارہ بھی فرمایا اور اس سے آخرت کی طرف لطیف اشارہ بھی ملتا ہے کہ یہ مضبوط ترین دیوار بالآخر فنا ہوگی۔ حضرت ذوالقرنین کا یہ فرمان حد درجہ قابل توجہ ہے دعا ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی انہی جذبات سے سرشار رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہر کمال کی نسبت الی اللہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی رحمتوں، برکتوں اور معجزات سے بھری پڑی ہے جب بھی کوئی عام معمول سے ہٹ کر معاملہ پیش آتا یا معجزے کا ظہور ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً اس کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف کر دیتے۔ کبھی فرماتے: یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت ہے کبھی فرماتے یہ اسی کے فضل سے ہے اور کبھی بَرَكَةٌ مِنَ اللهِ فرما کر سارے کمالات اسی کی طرف منسوب فرما دیتے۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معمول کی دعائیں بھی حد درجہ تواضع پر مبنی ہوتیں اور ان میں بھی کمال کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف ہوتی مندرجہ ذیل چند دعاؤں پر غور فرمائیں کہ ان میں ہر نعمت عطا، خوبی اور کمال کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی طرف ہے۔

ہر نماز کے بعد آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا

رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد اس حقیقت کا اقرار فرماتے تھے کہ میرے پاس جو کچھ ہے وہ اکیلے وحدہ لاشریک اللہ کا دیا ہوا ہے۔سب نعمتیں اور سب فضل اسی کے دیے ہوئے ہیں اور ان پر میں تعریف بھی اپنے اکیلے رب کی کرتا ہوں

﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَآءُ الْحَسَنُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ ﴾ [1]

''اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ اکیلا ہے ،اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہی اسی کے لیے ہے اور تعریف بھی اسی کی ہے اور وہ ہر چیز پر ہمیشہ قدرت رکھنے والا ہے، گناہوں سے بچنا اور نیکیاں کرنا اللہ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے۔اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہم خاص اسی کی عبادت کرتے ہیں ہر نعمت اور سارا فضل اسی کا ہے اور اچھی تعریف کا حقدار بھی وہ ہے، اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ،اس کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے اگرچہ کافر اسے ناپسند کریں۔''

صبح وشام کی ایک دعا

آپ ﷺ یہ دعا صبح وشام پڑھتے اور آپ ﷺ نے فرمایا: جس

[1] صحیح مسلم:594

نے اس کو صبح پڑھا اس نے رات کا شکریہ ادا کر دیا اور جس نے اس کو شام کے وقت پڑھا اس نے دن کی تمام نعمتوں کا شکر ادا کر دیا۔

﴿ اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِيْ مِنْ نِعْمَةٍ أَوْ بِأَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ ﴾ [1]

''اے اللہ......! میں نے جس نعمت پر بھی صبح کی یا تیری مخلوق میں سے کسی ایک نے بھی (تیری نعمتوں کے ساتھ صبح کی وہ صرف تیری ہی طرف سے ہے تیرا کوئی شریک نہیں، تو اکیلا ہے اور ہر قسم کی تعریف اور شکر تیرے ہی لیے ہے۔''

یعنی ہر نعمت تیری ہی عطا ہے اس میں تیرا کوئی شریک نہیں۔ اس دعا میں ایسا کوئی جملہ نہیں، جس میں ہو کہ یا اللہ! جو نعمت تو نے مجھے فلاں کے طفیل دی یا فلاں کے وسیلے سے عطا فرمائی اس پر اپنا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما، بلکہ بغیر طفیل، وسیلہ کے محض اپنے فضل و کرم سے تو نے عطا فرمائی۔

سوتے وقت ہر عطا کی نسبت الی اللہ

سارا دن آدمی خود محنت، مزدوری اور کام کرتا ہے بظاہر کھانے پینے اور سونے کے تمام لوازمات خود جمع کرتا ہے مگر رسول اللہ ﷺ جب بستر پر آرام کے لیے لیٹتے تو تمام احسانات و عنایات کی نسبت اللہ جل جلالہ کی طرف کرتے، کہ یا اللہ! میں کچھ نہیں سب کچھ آپ نے اپنی کمال رحمت سے کیا ہے آپ ﷺ بستر

[1] سنن ابی داود: 5073

پر لیٹتے تو یہ دعا پڑھتے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَ اٰوَانَا فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِيَ لَهُ وَلَا مُؤْوِيَ﴾ [1]

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور وہ ہمیں کافی ہو گیا اور ہمیں جگہ دی ورنہ کتنے ہی لوگ ہیں جنہیں کوئی کفایت کرنے والا ہے نہ کوئی جگہ دینے والا۔''

اس دعا سے رسول اللہ ﷺ کی شکر بھری زندگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کس قدر حق باری تبارک وتعالیٰ کے شاکر تھے اور نعمت وعطا کو اسی کی طرف منسوب کر کے بستر پر لیٹتے۔

لباس جیسی نعمت کی نسبت اللہ کی طرف

رسول اللہ ﷺ لباس پہن کر بھی یہی کہتے:

''یہ میرے رب نے مجھے اپنی رحمت سے ہی عطا فرمایا اس کے حصول میں میری کوئی بڑائی نہیں''

اور آپ ﷺ نے فرمایا: جو لباس پہنتے وقت مندرجہ ذیل دعا پڑھتا ہے رب تبارک وتعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ هٰذَا الثَّوْبَ وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّيْ وَلَا قُوَّةٍ﴾

[1] صحیح مسلم۔ الذکر والدعاء، الدعاء عند النوم: 2715

[2] سنن ابی داود: 4023؛ مستدرک: 7409؛ صحیح الترغیب: 2042

''ہر طرح کی تعریف اللہ کے لیے جس ذات نے مجھے یہ لباس پہنایا اور میری کسی کوشش اور طاقت کے بغیر مجھے عطا فرمایا۔''

اس حدیث طیبہ میں دعا پڑھنے کی جو عظیم فضیلت بیان ہوئی ہے اس کی بنیادی وجہ اور حکمت بھی یہی ہے کہ بندہ سب کچھ کی نسبت اپنے پیارے پروردگار کی طرف کرتا ہے اور رب تبارک وتعالیٰ اپنے بندے کے عظیم عقیدے اور جذبے کو دیکھتے ہیں کہ میرا بندہ محنت خود کرتا ہے کوشش وکاوش کے تمام مراحل خود طے کرتا ہے مگر جب اچھا لباس زیب تن کرتا ہے تو کہتا ہے یا اللہ......!

''میں نے کچھ نہیں کیا یہ سب کچھ تو نے ہی پہنایا ہے''

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے کے توحید بھرے، شکر بھرے عظیم کلمات سن کر اس کی عنایات میں اضافہ فرماتے ہوئے اس کے گناہ معاف فرمادیتے ہیں۔

مصیبت زدہ کو دیکھ کر عافیت کی نسبت اللہ کی طرف

طاقتور، صحت منداور تندرست انسان شاید یہ سمجھتا ہو کہ میری توانائی ورعنائی کی وجہ یہ ہے کہ میری خوراک اچھی ہے میں ورزش میں کوتاہی نہیں کرتا یا میں اچھی ادویات استعمال کرتا ہوں اس لیے بیماری میرے قریب نہیں آتی، یہ سوچ ہرگز درست نہیں...... بڑی بڑی خوراکوں، ورزشوں اور نازنخرے میں پلنے والے معذور، اپاہج اور دائمی مریض بن جاتے ہیں گوکہ اچھی خوراک اور ورزش کا اثر ضرور ہوتا ہے مگر اصل میں کرم فرما ذات وہ اوپر ہے اس کو ہر چیز سے پہلے یاد رکھنا چاہیے اچھی صحت کی نسبت خوراک یا ورزش کی طرف کرنے کی بجائے اسے یاد رکھا جائے کہ

میری صحت وطاقت کا اصل راز قدرت کی عطا ہے اس کی مہربانی کہ اس نے مجھے صحت جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی۔ یاد رہے! صحت خوراک، ورزش یا اچھی ادویات استعمال کرنے سے ہی نہیں مل جاتی بلکہ منظوری اوپر سے ہوتی ہے کیوں نہ ہو کہ جس کی طرف سے اصل منظوری ہوتی ہے اس کو سب سے پہلے یاد رکھا جائے اور ہر قسم کی عافیت کو اسی کا کمال قرار دیا جائے۔

آپ ﷺ مصیبت زدہ اور بیماری میں مبتلا شخص کو دیکھ کر ایک دعا پڑھتے اور آپ ﷺ نے فرمایا: جو کسی معذور شخص کو دیکھ کر مندرجہ ذیل دعا پڑھ لیتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے شخص کو ساری زندگی اس مرض اور مصیبت سے محفوظ فرما لیتے ہیں۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهِ وَ فَضَّلَنِيْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا﴾ [1]

''ہر قسم کا شکر اسی اکیلے اللہ کی ذات کا جس نے مجھے اس مصیبت سے محفوظ رکھا جس میں تجھے مبتلا کیا اور مجھے اپنی کثیر مخلوق پر فضیلت بخشی۔''

غرض کہ آپ ﷺ قدم قدم پر ملنے والی خیر کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف منسوب فرماتے کبھی بھی کسی کمال کو اپنی شخصیت وذات کی طرف منسوب نہیں فرمایا۔

بلکہ صدیقہ دوجہاں رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کا معمول بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتی ہیں:

﴿كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا رَأَى مَا يُحِبُّ قَالَ : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

---

[1] جامع ترمذی: 3431

الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ وَإِذَا رَأَى مَا یَكْرَهُ قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ ﴾ [1]

رسول اللہ ﷺ جب کوئی ایسا منظر دیکھتے جو آپ ﷺ کو اچھا لگتا آپ ﷺ فرماتے: ہر قسم کا شکر اور تعریف اسی اللہ کی جس کی نعمت سے اچھے کام مکمل ہوتے ہیں اور آپ ﷺ جب کوئی ناپسندیدہ معاملہ دیکھتے تو فرماتے: ہر حال میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ہے۔''

معلوم ہوا......! ہر قسم کے کمال کو باکمال ذات، ذاتِ الٰہی کی طرف ہی منسوب کرنا چاہیے یہی ادبِ الٰہ کا تقاضا ہے مگر اکثر لوگ اکثر مقامات پر اس ادب کو بھول جاتے ہیں اور غیر کے قصیدے ان کے منہ پر ہوتے ہیں دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں ہر وقت ہر نعت ہر خوبی اور کمال کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بیٹی رضی اللہ عنہا کے کردار پر آپ ﷺ کا تاریخ ساز بول

ہمارے ہاں اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی بیٹی یا بیٹا اعلیٰ کارنامہ سرانجام دے اور اس کے کارنامے کی خبر والد تک پہنچے تو وہ سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعریف نہیں کرتا، بلکہ وہ کہتا ہے: بیٹا کس کا ہے......؟ یہ بیٹی کس کی ہے......؟ آخر خون کس کا ہے......؟ آخر برادری کون سی ہے......؟ وغیرہ وغیرہ جب کہ ایسے بول بھی فخر وغرور کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ہمیں اپنی

[1] سنن ابن ماجہ: 3803

اولادوں کے کردار دیکھ کر بھی وہی بول بولنے چاہئیں جو رسول اللہ ﷺ نے بولے تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے گلے میں سونے کی چین دیکھی اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے فاطمہ! کیا تو پسند کرتی ہے کہ لوگ یہ بات کہیں کہ محمد (ﷺ) کی بیٹی نے اپنے گلے میں آگ کا ہار ڈالا ہوا ہے۔...... ابھی یہ جملہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہی ہوا تھا کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فوراً ہار کو اپنے گلے سے اتارا پھر اسے بازار میں فروخت کیا اس کے بعد انھی پیسوں کا غلام خریدا...... فاعتقتہ...... پھر اس غلام کو سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آزاد کر دیا۔ اللہ اکبر

سیّدہ کے اس عمل اور کردار کی خبر رسول اللہ ﷺ کو دی گئی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سن کر سب سے پہلے اللہ کی حمد اور اس کی تعریف کا بول بولا اور فرمایا:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ نَجّٰى فَاطِمَةَ مِنَ النَّارِ ﴾ [1]

''تعریف اس اللہ کی ہے جس نے فاطمہ کو آگ سے نجات دی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کے اس جواب کی روشنی میں ہمارا فرض بھی یہی بنتا ہے کہ ہم جب اپنی اولاد کو باکردار، باحیا اور نمازی دیکھیں تو فخر و غرور اور گھمنڈ کی بات کرنے کی بجائے اور کبر کے بول کہنے کی بجائے ہمیں صرف اور صرف یہی کہنا چاہیے کہ نیک اولاد کے نیک کردار ہم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور ہم اس رحمت پر اس کے قدردان اور شکر گزار رہیں۔

یہودی بچے کے کلمہ پڑھنے پر اللہ کی تعریف

رسول اللہ ﷺ کے خادم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

[1] سنن النسائی: 5143

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کا خدمت گزار یہودی لڑکا بیمار ہو گیا اور نبی ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ آپ علیہ الصلوۃ والسلام اس کے سرہانے بیٹھے اور آپ نے حال احوال معلوم کرنے کے بعد فرمایا: أَسْلِمْ تو مسلمان ہو جا۔ اس لڑکے نے اپنے پاس کھڑے اپنے والد کی طرف دیکھا تو باپ نے بیٹے کو حکم دیا کہ ابو القاسم ﷺ کی اطاعت کر لے۔ چنانچہ وہ بچہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور اس کے بعد فوراً اس کی روح پرواز کر گئی۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام وہاں سے باہر نکلے اور آپ علیہ الصلوۃ والسلام اپنی مبارک زبان سے کہہ رہے تھے:

﴿ أَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِيْ أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ ﴾ [1]

”تعریف تو اس ذات کی جس نے اس کو آگ سے بچا لیا۔“

اس واقعہ کی روشنی میں ہمیں بھی یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری دعوت و تبلیغ سے لوگوں کو ہدایت دے رہا ہے، لوگ اللہ کے دین کے قریب آ رہے ہیں تو ہمیں ایسی صورت میں اللہ ہی کے نام کو آگے کرنا چاہیے اور اسی کے نام کو اونچا کرنا چاہیے اور سب سے پہلے اسی ہی کی حمد و ثنا کرنی چاہیے۔

لیکن صد افسوس! کہ لوگوں کے عقائد اور اخلاق اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ وہ ایسے مواقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کو فراموش کرتے ہوئے شرک و کبر کے مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

امت کا غلط طرزِ عمل

بحیثیت امتی ہم سب پر فرض ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی ہر بات پر

---

[1] صحیح البخاری: 1356

عمل کریں لیکن اس کے برعکس ہم بسا اوقات محبّت میں آ کر رسول اللہ ﷺ کے نافرمان بن جاتے ہیں اور نافرمانی بھی اس قدر خطرناک ہوتی ہے کہ وہ شرک کی حد تک لے جاتی ہے۔ آج کل ہمارے کانوں کو ایک نعتیہ بول سنائی دے رہا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا جاتا ہے کہ

- یہ سب تیرا کرم ہے آقا...... کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے
- تیرا کھاواں...... میں تیرے گیت گاواں...... یا رسول اللہ!

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سارے انسان اور حیوان صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیا ہی کھاتے ہیں اور امام کائنات ﷺ بھی ساری زندگی رزق اللہ ہی سے مانگا کرتے تھے، بلکہ بخاری شریف میں واضح الفاظ ہیں کہ جن دنوں مدینے میں بارش رکی ہوئی تھی تو آپ ﷺ اپنے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے ساتھ کھلے میدان میں لے گئے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوٹوک الفاظ میں فرمایا: اے ہمارے پروردگار......! تو غنی ہے اور ہم تیرے در کے فقیر ہیں۔ اے اللہ......! تو ہمیں بارش عطا فرما......! اللہ اکبر

یہ بات ہمارے لیے بہت زیادہ تکلیف دہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشق ومحبّت کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور پھر اس کی آڑ میں غیروں سے دعائیں کی جاتی ہیں، اللہ کے علاوہ دوسروں کو پکارا جاتا ہے، کمالات اور انعامات دینے والے سچے الٰہ کو چھوڑ کر کمالات کی نسبت اپنے پیروں، فقیروں اور مولویوں کی طرف کی جاتی ہے۔

شاید آپ نے ایک جاہل قوال کا بول سنا ہوگا وہ بڑے وجد اور اعتماد میں کہتا ہے:

گر خواجہ نہ دے گا تو اور کون دے گا......؟

اس سے بڑھ کر بے دینی، جہالت اور شرک کیا ہو سکتا ہے......؟ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو دین کے مطابق ہدایت عطا فرمائے۔ آمین!

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا تاریخ ساز بول

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شان وشوکت اور عظمت کسی مسلمان سے پوشیدہ نہیں، آپ رضی اللہ عنہ کی ایمانی قوت کا ذکر کرتے ہوئے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس گلی سے میرا عمر رضی اللہ عنہ گزر جائے شیطان بھی وہ گلی چھوڑ دیتا ہے، یعنی شیطان ایمان عمر کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جرأت و بہادری اور بے باکی کے جو جواہر عطا فرمائے تھے تاریخ ان سے بھری پڑی ہے مگر اس قدر طاقتور، جواں ہمت امیر المومنین کا ہر تواضع اور خوبی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، طارق بن شہاب کہتے ہیں:

﴿خَرَجَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ اِلَى الشَّامِ وَمَعَنَا اَبُو عُبَيْدَةَ ابْنُ الْجَرَّاحِ فَأَتَوْا عَلَى مَخَاضَةٍ ، وَعُمَرُ عَلَى نَاقَةٍ لَه، فَنَزَلَ عَنْهَا وَخَلَعَ خُفَّيْهِ فَوَضَعَهُمَا عَلَى عَاتِقِهِ وَأَخَذَ بِزِمَامِ نَاقَتِهِ فَخَاضَ بِهَا الْمَخَاضَةَ ، فَقَالَ أَبُو عُبَيْدَةَ : يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ! أَنْتَ تَفْعَلُ هٰذَا ؟ تَخْلَعُ خُفَّيْكَ وَتَضَعُهُمَا عَلَى عَاتِقِكَ ، وَ تَأْخُذُ بِزِمَامِ نَاقَتِكَ وَ تَخُوْضُ بِهَا الْمَخَاضَةِ ؟ مَا يَسُرُّنِىْ أَنَّ أَهلَ الْبَلَدِ اسْتَشْرَفُوْكَ فَقَالَ عُمَرُ: أَوْهِ لَوْ يَقُلْ ذَا غَيْرُكَ أَبَا عُبَيْدَ جَعَلْتُه نَكَالًا لِأُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ اِنَّا كُنَّا أَذَلَّ

قَوْمٍ فَأَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالْإِسْلَامِ ، فَمَهْمَا نَطْلُبِ العِزَّ بِغَيْرِ مَا أَعَزَّنَا اللّٰهُ بِهِ أَذَلَّنَا اللّٰهُ ﴾ [1]

"سیدنا عمر رضی اللہ عنہ علاقہ شام کی طرف نکلے اور ہمارے ساتھ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ دریائی گزرگاہ پر آئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی اونٹنی پر سوار تھے آپ رضی اللہ عنہ اس سے اترے اور اپنے موزوں کو اتار کر اپنے کندھے پر رکھ لیا اور اپنی اونٹنی کی لگام پکڑ کر اس کے ساتھ دریائی گزرگاہ میں داخل ہو گئے، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

اے امیرالمومنین! آپ اس طرح کرتے ہیں......؟ آپ نے موزوں کو اتار کر کندھوں پر رکھ لیا ہے اور اونٹنی کی لگام پکڑ کر آپ دریائی گزرگاہ میں داخل ہو گئے ہیں......؟ مجھے اچھا نہیں لگا کیونکہ علاقہ والوں نے آپ کو حد درجہ عزت دی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے درد بھری آواز سے کہا: اے ابوعبیدہ! اگر یہ بات تیرے علاوہ کوئی اور کہتا تو میں ایسی سزا دیتا کہ امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مقام عبرت بنا دیتا۔ ہم زمانہ کے گھٹیا لوگ تھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو بذریعہ اسلام عزت بخشی اگر ہم نے عزت اسلام کا راستہ چھوڑ کر تلاش کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں پھر ذلیل کر دے گا۔"

أَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالْإِسْلَامِ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ایسا تاریخ ساز جملہ ارشاد فرمایا، جو امت مسلمہ کے

[1] مستدرک حاکم: 214

لیڈران کے لیے قیامت تک نمونہ ہے کہ ہمیں عزت، مقام اور شان وشوکت ظاہری تکلفات کی بنا پر نہیں ملی بلکہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس نے یہ عظمت بذریعہ اسلام ہمیں عطا فرمائی ہے۔ اگر یہی حقیقت آج امت مسلمہ کے ذمہ داران حکمرانوں کو سمجھ آجائے تو اسلامی انقلاب کی راہیں لمحہ بھر میں ہموار ہو جائیں۔

مگر افسوس......! کہ اقتدار کے نشے اور کرسی کی ہوس نے ان کو اندھا کر دیا اور انہوں نے اسلامی اقتدار و روایات سے پہلو تہی کرتے ہوئے علی الاعلان اسلام سے غداری کا ثبوت دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سیّدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کا مثالی کردار

ام المومنین سیّدہ عائشہ علیہا السلام کائنات کی وہ عظیم ہستی ہیں کہ جن کی برأت اور صداقت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید کی آیات میں بیان کیا ہے اور قیامت تک ان کی تلاوت کی جائے گی...... اماں جان پر لگنے والی تہمت تو آپ جانتے ہیں کہ پرانے منافقوں نے آپ کی عزت کو پامال کرنا چاہا اور اسی سلسلے میں آپ رضی اللہ عنہا اپنے خاندان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمیت تقریباً چالیس دن تک شدید پریشان رہیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ علیہا السلام کی صداقت کو قرآن بنا کر نازل کیا تو آپ علیہا السلام کی والدہ ام رومان کہنے لگیں: قُومِی اِلَیْهِ اے عائشہ! اٹھو اور جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شکریہ ادا کرو، تیری برأت کا اعلان اتر چکا ہے...... سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے اپنی ماں کو دو ٹوک الفاظ میں یہ بات کہہ دی:

﴿لَا وَاللّٰهِ ! لَا أَقُومُ إِلَيْهِ وَلَا أَحْمَدُ اِلَّا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ﴾ [1]

[1] صحیح البخاری: 4374

''نہیں...... اللہ کی قسم! میں آپ علیہ السلام کی طرف نہیں اٹھوں گی، میں تو (پہلے) صرف اور صرف اللہ عزوجل کی تعریف کروں گی۔''

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ایمان افروز جواب نے واضح کر دیا کہ ہم پر سب سے پہلا حق ہمارے اللہ پاک کا ہے کہ ہمیں جب کسی مصیبت سے نجات ملے، بیماری سے شفا ملے تو ہم سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی تعریف کریں اور تعریفی کلمات یہی ہیں کہ آپ کہیں کہ ''مجھ پر میرے اللہ کا کرم ہوا ہے، مولائے رحیم وکریم نے فضل کر دیا ہے، یہ سب اسی کی رحمتیں ہیں اور اسی کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔

قارون کی بربادی کیوں ہوئی......؟

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں ایک تاجر تھا جو قارون کے لقب سے مشہور تھا رب تبارک وتعالیٰ نے اس کو مال ودولت کا بے تاج بادشاہ بنا دیا، ہر چیز کے انبار اس کے اردگرد تھے اور عطاء الٰہی کا یہ عالم تھا کہ اس کے خزانوں کی چابیاں بمشکل ایک طاقتور جماعت اٹھاتی تھی مگر اس بدبخت کو شکر اور نسبت الی اللہ کی توفیق حاصل نہ ہوئی، بلکہ وہ ''مَیں'' کی خطرناک مرض میں مبتلا ہو گیا، ایک روز قوم کے صلحاء نے اس کو بڑے ہی بلیغانہ اور ناصحانہ انداز سے کہا:

﴿ وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ﴾ [1]

[1] قصص: 77

''جو مال ودولت اللہ نے تجھے دے رکھا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کرو اور دنیا میں بھی اپنا حصہ فراموش نہ کرو اور لوگوں سے ایسے ہی احسان کرو جیسے اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے اور ملک میں فساد پیدا کرنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

تو وہ جواباً، سمجھنے کی بجائے گھمنڈ میں آیا اور کہنے لگا:

﴿قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ۭ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ۭ وَلَا يُسْـَٔـلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۷۸﴾ [1]

''وہ کہنے لگا: ''یہ تو جو کچھ مجھے ملا ہے اس علم کی بدولت ملا ہے جو مجھے حاصل ہے'' کیا اسے یہ معلوم نہیں۔ کہ اللہ اس سے پہلے بہت سے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے جو قوت میں اس سے سخت اور مال ودولت میں اس سے زیادہ تھے؟ اور مجرموں کے گناہوں کے متعلق ان سے تو نہ پوچھا جائے گا۔''

اِنَّمَا اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ

قارون نے یہ جوابی تفاخرانہ جملہ کہہ کر کمال کی نسبت اپنی طرف کی اور کہنے لگا کہ کسب وتجارت کا جو فن میرے پاس ہے یہ دولت اسی کا نتیجہ ہے اللہ کے فضل وکرم کا اس میں کیا دخل......؟

---

[1] قصص: 78

آج کل کئی تاجر حضرات بھی اسی غلط فہمی کا شکار ہیں وہ رزق کی فراوانی کو اپنا اور اپنے ملازمین کا کمال سمجھتے ہیں اور نسبت الی اللہ کرنی بھول جاتے ہیں جب کہ ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ایک دفعہ مجھے اوکاڑہ فیکٹری میں جانا ہوا، فیکٹری مالک توحید پرست اور صالح مزاج تھا۔ میرے ساتھی نے ان سے کہا آپ کا مال دوسروں کی نسبت بہت زیادہ فروخت ہوتا ہے محسوس ہوتا ہے آپ کی مشینری بھی اعلیٰ ہے اور ملازمین بھی محنت میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔

مالک سن کر کہنے لگا: حضرت صاحب...... ! سچی بات یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے پاس مشینری بھی اعلیٰ ہے اور ملازمین بھی ہم سے کئی حصہ زیادہ محنتی ہیں بات مشینری یا ملازمین کی نہیں، یہ صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم ہے اور اسی کی عطا ہے۔

قارئین کرام...... ! ہمیشہ ادبِ الٰہ کا یہ اہم تقاضا پورا کریں اور ہر قسم کے کمال کو اسی کی عطا سمجھ کر اسی کی طرف منسوب کریں زندگی رونقوں سے دوبالا ہوگی، اللہ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

خراساں کے کاتب کی فوراً پکڑ کیوں ہوئی......؟

جن لوگوں نے اعلیٰ مقام اور بلند مرتبہ پاکر خالق حقیقی کو بھلا دیا اور کمال کی نسبت اللہ کی طرف کرنے کی بجائے اپنی طرف کرنے لگے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان لوگوں کو آئندہ نسلوں کے لیے مقام عبرت بنا دیا اور دنیا ہی میں ایسی سخت سزا دی کہ وہ دوبارہ کسی کو منہ نہ دکھا سکے۔

ہمیشہ یاد رکھو......!

امتیازی خوبی بہت بڑی نعمت بھی اور آزمائش بھی ہے اکثر احباب ــ اچھی آواز اعلیٰ تعلیم، اونچی ملازمت اور بلند مقام پا کر اپنی حیثیت اور اوقات ــ کو بھول جاتے ہیں انہیں یاد نہیں رہتا کہ یہ تو سب کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل اور حسن انتخاب ہے اور عارضی ہے مجھے اس کے ذریعے خدمتِ خلق اور رضائے الٰہی تلاش کرنی چاہیے اور اس کی عطا کو اسی کی طرف منسوب کرنا چاہیے۔ انہی حقائق کو ایک کاتب بھی نہ سمجھ سکا اس کا انجام ملاحظہ فرمائیں۔ امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں:

> ''علاقہ خراساں میں ایک کاتب تھا خطی خوبصورتی کے علاوہ اس کے قلم میں برق رفتاری کا عالم یہ تھا کہ تین دن کے اندر پورا قرآن مجید لکھ لیتا تھا، جب کہ بظاہر ایسا ممکن نہیں، (اگرچہ کمپیوٹر کا دور ہے مگر کوئی ایسا کمپوزر نہیں جو تین دن میں پورا قرآن کمپوز کر لے۔ بہر حال یہ رب تبارک وتعالیٰ کی خصوصی عطا تھی) اس کاتب صاحب سے کسی نے پوچھا حضرت! آپ اتنی جلدی پورا قرآن کیسے لکھ لیتے ہیں......؟ وہ جاہل نسبت الی اللہ کرنے کی بجائے اپنی تین انگلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فاخرانہ لہجے میں کہنے لگا: كَتَبْتُهُ فِيْ ثَلَاثَةٍ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوْبٍ میں نے اس کو تین دن میں لکھا ہے اور مجھے ذرہ بھر تھکاوٹ نہیں ہوئی حالانکہ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ رب تبارک وتعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے استعمال کیا ہے۔ یہ کلمات

تفاخرانہ انداز سے کہنے کی دیر تھی، فَجَفَّتْ اَصَابِعُہ الثَّلَاثُ
اس کی تینوں انگلیاں اسی وقت خشک ہو گئیں اور ان میں حرکت، سکت
بالکل ختم ہو گئی۔ [1] یعنی

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ ، مِنْ رَحْمَۃِ اللّٰہِ ، مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ ،
مِنْ تَوْفِیْقِ اللّٰہِ

کہنا بھول گیا اور اپنی بڑائی کو جتاتے ہوئے مَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ کہہ دیا حالانکہ یہ بول صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے شایانِ شان ہی ہیں کہ اس کو کسی کام میں تھکن نہیں ہوتی اور یہ بول قرآن مجید میں اپنے لیے ہی بولا کہ ''ہم نے زمین و آسمان کو سات دنوں میں بنایا'' وما مسّنا من لغوب'' اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی جب یہی جملہ اس کاتب نے کبر کرتے ہوئے بولا تو اسی وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی پکڑ کا شکار ہوا۔

آٹھویں ادب کے ذریعے ہمارا اصل پیغام

اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے آداب کو بیان کرتے ہوئے ہم نے یہ حقیقت بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے واضح کر دی ہے کہ جب بھی نیکی کرو، گناہ سے بچو، خوشی ملے، دشمن پر فتح نصیب ہو، کسی آفت مصیبت سے آپ نکل آئیں یا آپ کو کسی مہلک بیماری سے نجات ملے تو آپ نے سب سے پہلے یہی بات کہنی ہے کہ ...... ماشاء اللہ...... الحمد للہ...... تبارک اللہ...... ھذا من فضل ربی...... باذن اللہ...... منّ

[1] کتاب الثقات: 11/8

اللہ علینا...... لاحول ولا قوۃ الا باللہ...... مجھ پر اللہ کا احسان ہو گیا...... اللہ کی رحمت ہوئی...... یہ سب اسی کا فضل ہے...... یہ سب کچھ اسی نے کیا ہے۔

ایسے پاکیزہ بول جہاں آپ کو سچا موحد اور عاجزی کا پیکر بننے میں نہایت مددگار ثابت ہوں گے وہاں شرک و کبر کو بھی جڑ سے کاٹ کر رکھ دیں گے۔ ہمارے ہاں اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ وہ ملاقات کے وقت جب حال پوچھا جائے تو وہ الحمدللہ کی بجائے فوراً کہہ اٹھتے ہیں: تہاڈیاں دعاواں...... تہاڈا دتا کھائیدا اے...... اج اسیں تہاڈی وجہ توں اتھے پہنچے آں...... اور بعض لوگوں سے حال احوال پوچھا جائے تو وہ والدین کو مقدم رکھتے ہوئے کہتے ہیں: جی ماں باپ کی دعائیں۔

جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب بھی حال پوچھا جائے تو جواب میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا کے ڈھیر لگا دینے چاہئیں۔ اگر آپ کسی انسان کو نیک سمجھتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعریف کے بعد یہ بات بھی کر دیں کہ ''اللہ تعالیٰ کا بہت فضل وکرم ہے، آپ کی خدمت میں دعا کی درخواست ہے، آپ میرے لیے دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ مجھ پہ رحم کرے۔

ایک حقیقت اور اس کا تقاضا

اگر پوری دیانتداری سے غور کیا جائے تو تمام کمالات کی نسبت اللہ کی طرف کرنا ادب ہی نہیں فرض بھی ہے، کیونکہ تمام انعامات واعزازات دینے والا صرف وہی ہے اور عطا میں اس کا کوئی شریک نہیں جب دینے والا وہی اور دینے میں اس کا شریک بھی کوئی نہیں، تو پھر یہ واجبی ادب ہے کہ اعلیٰ مقام اور اونچی شان پا کر اس کو یاد رکھا جائے اور نسبت صرف اسی کی طرف کی جائے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿٥٣﴾ ﴾ [1]

"تمہیں جو نعمت بھی مل رہی ہے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہے، پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کے آگے چیخ و پکار کرتے ہو۔"

جب سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے تو پھر حق بھی یہی بنتا ہے کہ سب کچھ اسی کی طرف منسوب کیا جائے جیسا کہ انبیاء و رسل علیہم السلام اور با کمال لوگوں نے کیا۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ادب کی معراج یہ ہے کہ آپ ہر خوبی اور کمال کی نسبت اس کی طرف کریں اور ہر کوتاہی اور کمی کی نسبت اپنی طرف کریں۔ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق قرآن پاک میں موجود ہے کہ انھوں نے مچھلی کے پیٹ میں یہی بات کہی تھی کہ اے اللہ! تو پاک ہے اور ہر خوبی سے متصف ہے، غلطی مجھ سے ہوئی ہے انی کنت من الظالمین، ظلم تو نے نہیں کیا، ظلم کرنے والوں میں سے میں ہوں۔ اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی یہی کہا تھا کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے میرا اللہ شفا دیتا ہے۔ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ادب کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہوئے فرمایا کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں...... یہ نہیں کہا کہ جب اللہ مجھے بیمار کرتا ہے، حالانکہ بیماری بھی اسی کی طرف سے ہے۔ لیکن سچا مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا یہ حق ہے کہ ہم ہر کوتاہی کی نسبت اپنی طرف کریں اور ہر اچھائی کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف کریں۔

---

[1] النحل:53

خطبہ نمبر 9

آدابِ الٰہی کا نواں تقاضا

دعا میں اعتدال اور تواضع

دعا فطرتِ انسانی ہے ہر انسان چاہتا ہے کہ وہ کچھ مانگے، سوال کرے اور اس کی مرادوں کو پورا کیا جائے اور اسی طرح یہ مقصدِ شریعت بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿ الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ﴾

''دعا ہی عبادت ہے'' اسلام کے جتنے اصول عبادت ہیں وہ سب دعا ہی کے مظہر ہیں کوئی ایسی عبادت نہیں جس میں دعا نہ ہو۔

قرآن مجید کے کئی ایک مقامات پر اس بات کی تلقین اور ترغیب دی گئی ہے کہ صرف اللہ سے دعا کرو، وہی تمھاری دعاؤں کو سننے والا اور قبول کرنے والا ہے، بلکہ اسی سے دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جو شخص اللہ کے علاوہ انبیاء و اولیاء کو پکارے تو اس کو کائنات کو بدترین اور گمراہ ترین شخص کہا گیا ہے۔ چند آیات کے معنی ومفاہیم پر غور فرمائیں۔

﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴾ [1]

''اور جب آپ سے سوال کریں میرے بندے میرے بارے میں پس بلاشبہ میں قریب ہوں، پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارے، پس وہ میری باتوں کو قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پا جائیں۔''

[1] بقرہ:186

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میں دعا کرنے والے کی دعا کو سنتا ہوں۔ اگر دعا کرنے والا مجھ پر مضبوط ایمان رکھے اور میرے احکامات کو دل کی خوشی سے تسلیم کرے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴾ [1]

''اور کہا تمھارے پروردگار نے تم مجھے ضرور پکارو میں تمھاری پکار کو قبول کرتا ہوں بلاشبہ وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب وہ جہنم میں ذلیل ہوکر داخل ہوں گے۔''

اس آیت کا اسلوب بھی نہایت دلنشین ہے کہ ہمارا پروردگار، ہمارا خالق و مالک ہمیں خود اس بات کا حکم دے رہا ہے کہ مجھ سے دعا کرو...... اور پھر امر کے صیغے سے پوری تسلی بھی مل رہی ہے کہ میں تمھاری دعا کو ضرور قبول کروں گا اور پھر ساتھ ایسے لوگوں سے شدید نفرت کا اظہار بھی کیا جو دعا جیسی عبادت سے اعراض کرتے ہیں یا اپنی دعا میں غیروں کو پکارتے ہیں۔

اور جو لوگ اللہ کے علاوہ غیروں کو دعاؤں میں پکارتے ہیں وہ بڑے ہی بے ادب اور بدترین گمراہ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود ہی فرماتے ہیں:

﴿ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ ﴾ [2]

[1] مومن:60

[2] احقاف:5

''اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہو سکتا ہے؟ جو اللہ کے علاوہ کو پکارے، جو اس کی پکار کو قیامت کے دن تک نہیں سن سکتا اور وہ ان کی پکار سے بے خبر ہے۔''

آپ ﷺ نے ساری زندگی صرف ایک اللہ سے دعا کی اور ہر حال میں اسی کو پکارا...... پوری گہرائی سے اگر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت بھی دعاؤں کا مجموعہ نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ کی ساری زندگی تشکیل دعا کے اضطرار میں گزری یا تکمیل دعا کے انتظار میں گزری، دین پڑھ کر یہی محسوس ہوتا ہے جسے مانگنا نہیں آیا اس نے کچھ نہیں پایا۔

جب دعا کو زندگی میں اس قدر اہمیت حاصل ہو تو پھر اس کے آداب و مسائل کو جاننا نہایت ضروری ہے اور سب سے پہلی بات یہ ہے کہ دعا صرف دو جہانوں کے خالق و مالک اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ہی کرنی چاہیے، کیونکہ اس کے سوا کائنات میں کوئی ایسا دوسرا نہیں جو ہر دعا سننے اور قبول کرنے کی اہلیت وقدرت رکھتا ہو۔

دعا کے حوالہ سے اپنے سچے اللہ کی تین نمایاں خوبیاں ملاحظہ فرمائیں! جن میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

1...... جانوروں اور پرندوں و چرندوں کے علاوہ پوری دنیا میں جو انسان زبانیں بولتے ہیں ان کی تعداد تقریباً 2964 ہے اور یہ تحقیق کویت سے شائع ہونے والے عالمی ماہانہ عربی جریدے ''اُمتی'' نے پیش کی ہے۔

کیا اس کائنات میں کوئی ایسی سرکار ہے جو 36 کم تین ہزار زبانوں پر عبور رکھتی ہو......؟ بلکہ شاید دنیا میں کوئی ایسا انسان ہو جو بیک وقت 29 زبانوں پر

عبور رکھتا ہو۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ غیروں میں کوئی اتنی اہلیت نہیں رکھتا کہ وہ زبانیں سمجھ سکے وہ انسانوں سمیت دیگر مخلوقات کی صدائیں، التجائیں اور دعائیں کیسے سن کر قبول کرسکتا ہے......؟

2 ......بیک وقت ہر مخلوق اس سے مانگے، تو وہ ہر ایک کی سنتا ہے، قبول کرتا ہے اور عطا بھی کرتا ہے کیا اس کے سوا کوئی ہے......؟ جو بیک وقت سب کی سنے، سمجھے اور قبول کرے......؟ غیروں کی بے بسی کا عالم تو یہ ہے کہ بیک وقت ایک زبان میں دس بندے بولیں تو کوئی سمجھ نہیں سکتا......

3 ......وہ ایسا شہنشاہ دو جہاں ہے کہ ہر ایک کو ہر نعمت دے کر بھی غنی رہتا ہے اس کی عنایات ونوازشات میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ دن رات لوگوں کے خالی دامن بھرتا ہے مگر اس کے خزانوں میں ذرہ بھر کمی واقع نہیں ہوتی، اور اپنی اس بے نیازی کو رب تعالیٰ نے ان الفاظ سے بیان فرمایا کہ:

﴿لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوْا فِيْ صَعِيْدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلُوْنِيْ، فَأَعْطَيْتُ كُلَّ اِنسَانٍ مَسْأَلَتَهُ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِيْ اِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ اِذَا اُدْخِلَ الْبَحْرُ﴾ [1]

''بلاشبہ اگر تمہارے پہلے، پچھلے، جن وانس ایک میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے مانگیں اور میں ہر انسان کا مطالبہ پورا کردوں، تو میرے پاس جو (خزانے) ہیں ان میں سے اتنی بھی کمی نہیں ہوتی کہ جتنی سمندر

---

1 صحیح مسلم: 6572

میں سوئی ڈال کر نکال لی جائے (اس میں کمی واقع ہوجائے)

اور ایک روایت کے مطابق:

﴿يَنْزِلُ اللهُ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا كُلَّ لَيْلَةٍ حِيْنَ يَمْضِيْ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْأَوَّلِ فَيَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ مَنْ ذَالَّذِيْ يَدْعُوْنِيْ فَأَسْتَجِيْبَ لَهُ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَسْأَلُنِيْ فَاُعْطِيَهُ﴾ [1]

''ہر رات جب رات کا پہلا تہائی حصہ گزرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ آسمان دنیا کی طرف اترتے ہیں اور آواز دیتے ہیں میں ہی بادشاہ ہوں کون مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں کون سوال کرتا ہے اس کو عطا کروں۔''

جو رب کائنات اس قدر کریم، رحیم اور بے نیاز ہو کہ دے کر خوشی محسوس کرے اور اس کے خزانے جوں کے توں رہیں، اب مرضی انسان کی ہے کہ وہ اسے گھڑی گھڑی پکارے یا کبھی کبھی پکارے۔

اور یاد رہے......! رب تعالیٰ سب کو دیتے ہیں فرمانبرداروں کو بھی اور نافرمانوں کو بھی، اپنوں کو بھی بیگانوں کو بھی، صرف فرق اتنا ہے کہ پیارے کو قریب بلا کر دیتا ہے اور دشمنوں کو محفل سے اٹھا کر دیتا ہے۔ شیطان نے بھی نافرمانی کے بعد رب ہی کو پکارا، وہ جانتا تھا کہ باوجود نافرمانی کے میری فریاد سننے والا صرف وہی ہے۔ آپ بحیثیت انسان اور مسلمان دعا کی عظمت اپنے دل میں جاگزیں کریں دل صاف ہو، ضمیر روشن ہو، نیت پاکیزہ ہو، نقطہ نظر مبارک ہو تو دعا لمحہ بھر میں عرش تک پہنچتی ہوئی شرف قبولیت حاصل کرتی ہے۔

---

[1] جامع ترمذی: 446

دعا اور ادبِ الٰہ

ہمارے الٰہ کی شان وشوکت اور عظمت سب سے زیادہ ہے اس لیے اس کے وقار وآداب کا خیال رکھ کر ہی اپنی درخواست اس کے حضور پیش کرنی چاہیے جو شخص جتنے ادب سے التجا کرتا ہے اس کی پکار کو اتنی ہی جلدی سن کر قبول کر لیا جاتا ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ادب کا یک اہم تقاضا یہ بھی ہے کہ دعا کرتے ہوئے کم از کم دو امور کا خیال رکھا جائے جو شخص ان دونوں امور کا خیال نہ رکھے گا وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے ادب ہے۔

1 ...... اعتدال

میانہ روی، توازن اور اعتدال ہر چیز کا حسن ہیں، بالخصوص اللہ تبارک و تعالیٰ کو پکارتے ہوئے تیزی ہو نہ مطالبے میں غلو ہو یعنی بڑے تحمل، آرام اور سلیقہ سے اس کو پکارنا چاہیے، مکمل یکسوئی، حسن ظن، کامل توجہ اور انہماک یہ اعتدال کے مفہوم میں شامل ہے اور پھر مطالبہ جائز حلال اور بھلائی والا ہونا جائز، فضول اور مبنی بر ظلم دعا ہرگز جائز نہیں، بلکہ یہ بات 100٪ بے ادبی کے زمرہ میں آتی ہے کہ رحمٰن ورحیم اور کریم ذات سے کیسا مطالبہ کیا جارہا ہے......؟

2 ...... تواضع

اعتدال کے ساتھ ساتھ انداز ولب ولہجہ حد درجہ عاجزی وانکساری والا ہونا چاہیے جو شخص جس قدر خشوع وخضوع اور بے بسی وبے دقعتی کا اظہار کرتے ہوئے اس کے سامنے اپنی درخواست پیش کرے تو اتنی ہی جلدی اس کو شرف قبولیت عطا کیا جاتا

ہے اور ادبِ الٰہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کے سامنے درماندگی و عاجزی کا اظہار کیا جائے۔ مگر اس کے برعکس ہمارا رویہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری دعاؤں میں غلو اور ہٹ دھرمی کا پہلو غالب ہوتا ہے کئی جاہل تو دعا ہی ناجائز اور حرام کاموں کی کرتے ہیں اور کئی مطالبہ جائز کرتے ہیں مگر فوراً پورا نہ ہونے کی صورت میں رب تعالیٰ کے گلے شکوے شروع کر دیتے ہیں، بلکہ کئی نمازوں کی پابندی یہ کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں، ہم نے نماز پڑھ کر کیا لینا ہے......؟ جب کہ جلد باز انسان یہ بھول جاتا ہے کہ کچھ دعاؤں کے قبول نہ ہونے میں بھی بہتری ہے۔

جیسا کہ صحیح حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان موجود ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

> ''اللہ کچھ دعائیں فوراً قبول کر لیتے ہیں اور کچھ کے ذریعے سے آنے والی آفات و بلیات سے محفوظ کرتے ہیں اور کئی دعائیں روز قیامت احسنات اور اجر و ثواب میں اضافے کا باعث ہوں گی۔''

ویسے بھی دعا کرتے ہوئے یہ سوچنا کہ میں نے منوا کر چھوڑنا ہے نہ مانی گئی تو سرکشی پر اتر آنا، ایسا جاہلانہ رویہ شانِ رحمٰن کے خلاف ہے کسی دعا کو قبول کروانے کی ضد کر جانا بصورت دیگر نافرمان بن جانا حد درجہ بے ادبی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے باادب لوگ اس قدر اعتدال اور تواضع سے دعا کرتے تھے کہ ایک محدث فرماتے ہیں: میں نے ساری زندگی یہ نہیں کہا کہ اے اللہ......! اِفْعَلْ كَذَا ''اس طرح کر دے'' بلکہ یہی کہتا ہوں یاالٰہی معاملہ تیرے سامنے ہے جس طرح آپ بہتر سمجھتے ہیں اس طرح کر دیں، فرماتے اس بات کا اثر میری

زندگی میں ایسا مرتب ہوا کہ ساری زندگی مجھ کو شرمندگی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ (سبحان اللہ)

کسی بھی دعا میں معاملہ کی بہتری کو سپرد رحمن کیا جائے تو فائدہ ہی فائدہ ہوتا ہے کیونکہ اس کی حکیمانہ بصیرت کے سامنے ہماری سوچ کی کوئی حیثیت نہیں۔

یاد رہے......!

جب معاملہ کی بہتری اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذمہ ڈال دی جائے تو خیر و برکت کے سارے دروازے کھول دیے جاتے ہیں ہماری سب سے بڑی کمزوری و بے ادبی یہ بھی ہے کہ ہم عملاً اپنے آپ کو زیادہ دانا و سمجھدار گردانتے ہیں اور اپنی سوچ میں آنے والے فیصلے کو ہی حرف اخیر سمجھتے ہیں اور اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی مداخلت کو اہمیت نہیں دیتے اور نتیجۃً معاملہ بگڑ جاتا ہے اور پھر ہم یہ کہہ کر جھولی جھاڑ دیتے ہیں "اچھا چلو جی اللہ کی مرضی" پیارے بھائی! آخر میں اللہ کی مرضی......ٹھیک کہا ہے۔ کیا یہ زیادہ بہتر نہیں تھا کہ پہلے ہی اللہ کی مرضی پر چھوڑ دیا جاتا......ادب الٰہ کا تقاضا بھی یہی تھا

﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ ﴾ [1]

انبیاء ورسل علیہم السلام قربت الٰہی کی معراج پر ہوتے ہیں اور ان پر دعا کی حقیقت مکمل آشکارا ہوتی ہے آئندہ صفحات میں چند اہم مثالیں تحریر کی جاتی ہیں جس سے باآسانی اندازہ ہوسکتا ہے کہ انبیاء ورسل علیہم السلام نے کس قدر اپنی دعاؤں میں اعتدال اور تواضع کا خیال رکھا اور کس طرح ساری زندگی اکیلے اللہ سے خیر کی بھیک مانگتے رہے اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی انہیں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

[1] ق:37

دعا سیدنا آدم علیہ السلام اور تواضع

تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کی دعاؤں میں امتیازی حسن یہی ہے کہ ان کی دعاؤں میں شرک کی بُو ہوتی ہے نہ ہی بے ادبی کا پہلو...... بلکہ تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کی دعائیں توحید بھری اور ادب واحترام کا شہ پارہ ہوتی ہیں۔

اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی دعاؤں میں پہلے فوت شدہ نبیوں کا واسطہ دیتے ہیں نہ ہی آنے والی کسی باکمال ہستی کے طفیل اللہ تبارک وتعالیٰ سے سوال کرتے ہیں، بلکہ ان کی دعائیں نہایت ہی پاکیزہ اور مبارک لفظ ''ربنا'' سے شروع ہوتی ہیں اور پھر الفاظ کے چناؤ میں تواضع اور سادگی اس قدر ہوتی ہے کہ ایک ایک حرف سے عاجزی وانکساری کی خوشبو آتی ہے...... آج امتِ مسلمہ جہاں طرح طرح کے فتنوں میں گرفتار ہے وہاں ایک سب سے بڑا فتنہ یہ بھی ہے کہ دعاؤں میں توحید رہی ہے نہ ہی تواضع...... انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جب کہ آپ غور فرمائیں سیدنا آدم علیہ السلام نے اپنی غلطی کا اقرار کرتے ہوئے کس قدر متواضع الفاظ سے رب تعالیٰ سے دعا کی، فرماتے ہیں:

﴿ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۲۳ ﴾ [1]

''اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم بہت نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

---

[1] الاعراف:23

سیدنا آدم علیہ السلام نے بظاہر دعا میں چند الفاظ استعمال کیے ہیں مگر اقرارِ نسیان، اعتدال، تواضع اور ذاتِ الٰہ پر حسن ظن اور اعتماد کی انتہا کر دی۔ آپ علیہ السلام کی دعا میں چار باتیں نمایاں نظر آتی ہیں۔

①...... ربنا اے ہمارے رب! سب سے پہلے اپنا پروردگار تسلیم کیا، گو کہ غلطی ہوئی، وقتی طور پر بھول ہوئی لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت ربوبیت کو پھر بھی مقدم رکھا اور فرمایا اے ہماری پرورش فرمانے والے، قدم قدم پر ہمیں نوازنے والے، ہماری مکمل دیکھ بھال اور تربیت فرمانے والے۔

معلوم ہوا کہ غلطی و گناہ ہو جانے کے بعد اس کی عظمت ربوبیت کو ہرگز نہیں بھولنا چاہیے بلکہ توبہ کرتے ہوئے سب سے پہلے منہ سے یہی الفاظ ادا ہونے چاہئیں ''ربنا اے ہمارے رب! دعا سے قبل رب کا لفظ بولنا کمال ادب کی علامت ہے۔

②...... سیدنا آدم علیہ السلام نے رب کہہ کر سب سے پہلے اقرار ظلم کیا کہ یا اللہ غلطی اور بھول مجھ سے ہوئی اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں۔ آپ نے تو میری مکمل راہنمائی فرمائی لیکن میں اپنی کوتاہی کی وجہ سے فرمان الٰہی کو یاد نہ رکھ سکا۔ اس دعا میں ادب کا اہم پہلو یہ بھی ہے کہ قصوروار ذاتِ الٰہ کو نہیں ٹھہرایا۔ جیسا کہ اکثر لوگ نادانیاں خود کرتے ہیں جہالت اور ظلم اپنی طرف سے ہوتا ہے اور ساری بات اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذمہ ڈال دیتے ہیں کسی واقعہ میں اپنے آپ کو بری سمجھنا اور ذاتِ الٰہ کو موردِ الزام ٹھہرانا حد درجہ بے ادبی ہے اس لیے سیدنا آدم علیہ السلام نے اپنی غلطی کا اقرار اس انداز سے کیا کہ قصوروار خود کو ٹھہرایا کہ یا اللہ ظلم آپ نے نہیں کیا ہم نے خود کیا ہے۔

③ ...... پھر رحمت و بخشش کا سوال کیا اور انداز اس قدر عاجزانہ کہ فرمایا اگر تو نے معاف نہ کیا تو ہمارا کوئی حامی و ناصر نہ ہوگا اور ہم سخت نقصان اٹھانے والوں سے ہو جائیں گے۔ یعنی اس رحمت و بخشش ہی کو ذریعہ فلاح سمجھا اور بے بسی اس قدر کہ فرمایا الٰہی معافی کے بغیر چارہ ہے نہ ہمارا گزارہ ہے۔ اپنے آپ کو رحمت الٰہی اور بخشش خداوندی سے بے پرواہ نہیں جانا کہ معاف کر دیا تو ٹھیک ورنہ دیکھ لیں گے، بلکہ آپ علیہ السلام نے عاجزی، درماندگی، انکساری اور تذلّل کی انتہا کر دی اور کہا اے پروردگار......! تیری رحمت و بخشش کے سوا ہمارے پاس کچھ نہیں ہے اور یہی اس کی عظمت اور ادب کا تقاضا ہے۔

④ ...... معلوم ہوا، جو لوگ غلطی اور بھول چوک کے بعد فوراً باادب ہو کر اس کو رب مان کر اپنے جرم کا اقرار کر لیں اور اس کی رحمت کے سچے سوالی بن جائیں تو پھر وہ رحمت و بخشش کے سارے دروازے کھول دیتا ہے اور اپنے بندے کی بڑی سے بڑی تقصیر، زیادتی اور غلطی معاف کر دیتا ہے۔

سیدنا خلیل الرحمن علیہ السلام اور دعا میں ادب

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں صدائیں اور التجائیں اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس قدر پسند آئیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کو

اَوَّاهٌ مُّنِيبٌ کے لقب سے یاد فرمایا، کہ آپ علیہ السلام میرے سامنے بہت زیادہ عاجزی کے ساتھ جھکنے والے اور رونے والے تھے۔ آپ علیہ السلام جب وطن سے ہجرت کرتے ہوئے نکلے، تو منزل کا تعین ہرگز نہیں مگر سوال پر ایسا خوبصورت

توکل بھرا جواب دیا کہ کوزے میں سمندر بند کر دیا، آپ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ۝۹۹ ﴾ [1]

"میں اپنے پروردگار کی طرف جارہا ہوں۔ وہی میری راہنمائی کرے گا۔"

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ پر کامل بھروسہ کیا جیسا کہ باادب بندوں کا وتیرہ ہوتا ہے اور پھر ہمیشہ اسی طرح آپ علیہ السلام نے جب مشرکین کو اپنے سچے اللہ کا تعارف کروایا تو تعارف کرواتے بھی ادبِ الٰہ کا خصوصی خیال رکھا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۝۷۸ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ۝۷۹ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۝۸۰ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ۝۸۱ وَالَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ۝۸۲ ﴾ [2]

"جس نے مجھے پیدا کیا وہی میری راہنمائی کرتا ہے۔ وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں وہی مجھے شفا دیتا ہے۔ وہی مجھے مارے گا، پھر زندہ کرے گا۔ اور جس سے میں بھرپور توقع رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میری خطائیں معاف کر دے گا۔"

مندرجہ بالا تعارف میں ادب کے حوالہ سے دو باتیں نہایت قابل توجہ ہیں۔

1...... آپ علیہ السلام نے فرمایا: وہ ذات جس نے مجھے پیدا کیا وہی میری راہنمائی کرتا ہے اور وہی کھلاتا، پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاؤں، بیماری کے وقت

---

[1] الصافات: 99

[2] شعراء: 78-82

یوں نہیں کہا کہ جب وہ مجھے بیمار کرتا ہے حالانکہ حقیقۃً بیمار بھی وہی کرتا ہے لیکن

﴿ حِفْظًا لِأَدَبِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ ﴾

اللہ کے ادب کا خیال کرتے ہوئے فرمایا جب میں اپنی غلطی، بد پرہیزی یا بے توجہی کی وجہ سے بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا عطا کرتا ہے۔ آپ علیہ السلام کا وَاِذَا مَرِضْتُ نہ کہنا بھی آپ کے حد درجہ مؤدّب باللہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

2 ...... آپ علیہ السلام نے آخر اپنی معافی کا مطالبہ بھی حد درجہ باادب الفاظ سے کیا کہ وَالَّذِیْ اَطْمَعُ جس سے میں لالچ رکھتا ہوں بھرپور امید رکھتا ہوں یوں نہیں فرمایا جو ہر حال میں مجھے معاف کرے گا حالانکہ آپ علیہ السلام نے ساری زندگی تبلیغ میں قربان کردی آپ علیہ السلام کہہ سکتے ہیں کہ جو مجھے لازماً معاف کرے گا۔ لیکن عاجزی، اعتدال اور ادب کی معراج دیکھیں کس قدر جچے تلے ادب بھرے الفاظ سے معافی کی التجا فرمائی۔ آپ علیہ السلام کی تمام دعاؤں سے ادب کا پہلو بیان کرنا مطلوب نہیں ہے، اشارۃً دو مثالیں ذکر کی ہیں صاحب ذوق اگر اپنی اجتہادی بصیرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کی طرف مرکوز فرمائیں تو ادب کے ساتھ ساتھ بہت کچھ حاصل ہوگا اگر زندگی نے وفا کی تو انشاء اللہ الرحمن آپ علیہ السلام کی دعاؤں میں جو علم وعمل کے موتی پوشیدہ ہیں ان کو قارئین کے گلے کی مالا بنایا جائے گا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور دعا میں ادب

آپ علیہ السلام جب آٹھ دن کی لمبی مسافت طے کرنے کے بعد مدین کے کنوئیں پر آئے وہاں دیکھا کہ جانوروں کو پانی پلانے کے لیے کافی لوگ جمع ہیں

اور ایک طرف دو لڑکیاں کھڑی ہیں آپ علیہ السلام نے آگے بڑھ کر ان کی بکریوں کو پانی پلایا اور پھر ایک سائے دار جگہ پر جا بیٹھے۔ وہاں بیٹھے آپ علیہ السلام نے دعا فرمائی جو میرے مطالعہ کے مطابق جامعیت اور ادب کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ دعا ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ۝۲۴ ﴾ [1]

''اے میرے پروردگار! جو بھلائی تو میری طرف نازل فرمائے میں اس کا محتاج ہوں۔''

آپ علیہ السلام نے تھکے ماندے اور بھوک سے بے تاب ہو کر اللہ تبارک وتعالیٰ سے خیر کا سوال کیا تو ایسا ادب واحترام اور تواضع بھرا انداز اختیار کیا جس سے آپ کی پیغمبرانہ شان اور ادب میں عالی مقام خوب واضح ہوتا ہے۔ اس دعا میں پنہاں پانچ عظیم نکات قابل توجہ ہیں:

1 ...... آپ علیہ السلام نے اپنا مقصد بیان کرنے سے قبل ''رب'' کہا یقین جانیے بے بسی کے عالم میں جب بے ساختہ منہ سے رب نکلتا ہے اس وقت مومن بندہ جو روحانی لذت وحلاوت محسوس کرتا ہے وہ لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی۔ رب کہنے میں بڑا مان پیار اور وقار ہے آپ بھی اپنی حاجات میں رب کا کثرت سے ورد کریں اور اسی کو اپنا سب کچھ سمجھ کر رب کہہ کر دعا کا آغاز کریں۔ رب کا مکمل مفہوم اردو میں چاشنی سے منتقل نہیں کیا جا سکتا جس طرح عربی میں اس کا مقام ہے آسان لفظوں میں وہ ذات جو پیدائش سے لے کر درجہ کمال تک پہنچائے اور لمحہ لمحہ نگرانی ومہربانی کرے

---

[1] القصص: 24

اس کو ''رب'' کہتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ ایسی شان کوئی نہیں رکھتا۔

❷......آپ علیہ السلام نے یہ نہیں کہا اے اللہ...... ! مجھے کھلاؤ پلاؤ میں دھکے کھا کھا کر بے بس ہو چکا ہوں بلکہ بڑے ادب اور حوصلہ سے فرمایا: اے میرے رب جو بھلائی خیر اور بہتری آپ نے میرے مقدر فرمائی ہے مجھے اس کی ضرورت ہے میں اس کا محتاج ہوں یعنی اے پروردگار! جو کچھ بھی میرے نصیب کا ہے مجھے اس کی حاجت ہے۔ آگے یہ نہیں کہا، کہ فوراً مجھے دے دو، صرف انہیں الفاظ پر اکتفا کیا کہ مجھے اس بھلائی کی حاجت وضرورت ہے......اب دینا یا نہ دینا یہ آپ کی مرضی وحکمت پر منحصر ہے میں بہر حال اس وقت اس بھلائی کا محتاج ہوں جو آپ نے میری طرف نازل کی ہے۔ مختصر کہ آپ علیہ السلام نے بڑی عاجزی سے اپنی حاجت وضرورت کا اظہار فرمایا ضرورت کا تعین کیے بغیر اجمالی محتاجی بیان کی اور فیصلہ رب کے سپرد کر دیا اور یہی......کمالِ ادب ہے۔

❸......آپ علیہ السلام نے اپنے آپ کو ''فقیر'' کہا منصب نبوت ورسالت پا کر بھی ذہن، سوچ یہی ہے کہ میں اس کے در کا فقیر ہوں وہ نہ دے تو مجھے کوئی نہیں دے سکتا۔ آپ علیہ السلام جلیل القدر رسول ہو کر اس قدر عاجزی کا اظہار فرما رہے ہیں ہمارے ملک میں کئی نام نہاد اولیاء ایسے بلند وبالا دعوے کرتے ہیں جس طرح کہ رب تعالیٰ نے اب سارے اختیارات انہیں ہی کو دے دیے ہیں اس دعا میں جہاں ادب ہے وہاں عقیدہ توحید کی عظمت بھی نمایاں ہے۔

یاد رہے......! توحیدی رنگ میں رنگی دعا بڑا اثر رکھتی ہے۔

❹......آپ کی دعا پوری ہمت، کوشش اور محنت کے بعد ہے آپ نے

مسلسل آٹھ دن کا طویل سفر جاری رکھا یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہر دفعہ صرف دعا ہی کافی نہیں ہوتی بلکہ ساتھ محنت وکوشش اور قربانی بھی ہونی چاہیے۔ مثلاً سالانہ امتحان میں صرف دعا پر کامیابی حاصل کرنا قانون فطرت کے عین مطابق نہیں بلکہ پہلے طالب علم کو کتابیں خرید کر محنت کرنا ہوگی پھر دعا میں برکت وقبولیت ہوگی، اس لیے اپنی ہمت، بساط اور طاقت کے مطابق جد وجہد جاری رکھیں اور ساتھ دعا سے نور علی نور ہوگا۔ انشاء اللہ۔

5 ...... رزق کی کشادگی وفراخی کے لیے یہ دعا حد درجہ مفید ہے بلکہ ہر نعمت کے حصول کے لیے یہ دعا عام دعاؤں میں ممتاز درجہ رکھتی ہے اکثر اس کو سمجھ کر پڑھتے رہیں اور ایک تجربہ کے مطابق اول درود ابراہیمی، تین مرتبہ سورۃ الضحیٰ پھر 113 مرتبہ یہی دعا

﴿ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ۝۲۴ ﴾

اور آخر میں پھر درود ابراہیمی جمیع نعمتوں کے حصول کے لیے لاجواب، محبوب وظیفہ ہے۔

سیدنا ایوب علیہ السلام اور دعا میں ادب

آپ علیہ السلام کا صبر بطور مثال پیش کیا جاتا ہے آپ علیہ السلام ابتدائی زمانہ میں حد درجہ مال دار اور خوشحال تھے ہر نعمت وافر مقدار سے آپ علیہ السلام کے پاس موجود تھی مگر ایک وقت آیا کہ ہر چیز ہاتھ سے نکل گئی حتی کہ بیماری نے آپ علیہ السلام کو لاغر کر دیا (خطبائے کرام آپ علیہ السلام کی بیماری بیان کرتے ہوئے حد درجہ غلو اور مبالغہ سے کام لیتے ہیں کہ آپ کو کوڑھ کا مرض تھا، کیڑے پڑ گئے وغیرہ وغیرہ یہ سب کچھ رسمی افسانہ

گوئی ہے حقیقت اس طرح نہیں ہے) بہر حال راجح روایات کے مطابق آپ علیہ السلام کا دورِ ابتلا 12 سال پر مشتمل تھا۔ جب آپ علیہ السلام نے اللہ سے دعا فرمائی تو اس میں شکوہ شکایت کی کوئی بو نہ تھی بلکہ انداز ایسا معتدل اور متواضع تھا جیسے کوئی حد درجہ صابر و شاکر، قانع اور خوددار شخص اپنے مالک کو کوئی بات یاد کروا رہا ہے اور اپنے مالک کی توجہ کا خواہش مند ہے آپ علیہ السلام کی مبارک زبان سے نکلنے والے مثالی الفاظ کچھ یوں ہیں:

﴿ وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۞ ﴾ [1]

''اے میرے پروردگار! مجھے بیماری نے چھوا ہے اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

آپ علیہ السلام نے رب کہہ کر پکارا اور اپنی صورت حال بیان فرمائی اور کہا آپ جیسا رحم کوئی نہیں کرسکتا، غور فرمائیں کیا خوب حسنِ ادب ہے۔ گلہ، شکوہ نہ اعتراض اور نہ ہی مانگنے میں جارحانہ انداز، بلکہ عاجزانہ جھلک آپ علیہ السلام نے صرف شفا ہی نہیں مانگی بلکہ فرمایا آپ ارحم الراحمین ہیں۔ آپ علیہ السلام سمجھتے تھے رحم ہو جائے تو ہر نعمت مل جاتی ہے ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں، رحم نصیب ہو گیا گویا دنیا و مافیھا کی تمام نعمتیں نصیب ہو گئیں۔

اسلامی تصوّف کے عظیم علمبردار امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے اپنی دعا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید اور اپنی محتاجی کا ذکر فرمایا اور صفت

---

[1] الانبیاء:83

رحمت کا وسیلہ دیا۔ آپ فرماتے ہیں:

﴿قَدْ جُرِّبَ أَنَّهُ مَنْ قَالَهَا سَبْعَ مَرَّاتٍ وَلَا سيما مَعَ هٰذِهِ الْمَعْرِفَةِ، كَشَفَ اللّٰهُ ضُرَّهُ﴾ [1]

''تجربہ کیا گیا ہے جو پوری معرفت کے ساتھ یہ دعا سات مرتبہ پڑھے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی تکلیف، بیماری اور تنگی دور فرما دیتے ہیں۔''

سیدنا ایوب علیہ السلام کی یہ دعا ادبِ الٰہ کا عظیم شاہکار ہے۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور ادبِ دعا

آپ علیہ السلام سے اللہ تبارک وتعالیٰ روز قیامت سوال کریں گے:

﴿وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾﴾ [2]

''اور (وہ وقت یاد کرو) جب (قیامت کے دن) اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے ''اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری والدہ کو الٰہ بنالو۔ حضرت عیسیٰ جواب دیں گے: ''اے اللہ تو پاک ہے میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہوں جس کے کہنے کا

[1] الفوائد: 189
[2] المائدہ: 116

مجھے حق نہ تھا، اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو تجھے ضرور اس کا علم ہوتا۔ کیونکہ جو کچھ میرے دل میں ہے وہ تو جانتا ہے لیکن جو تیرے دل میں ہے میں اس کو نہیں جان سکتا۔ تو تو چھپی ہوئی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔''

آپ علیہ السلام کے جواب میں عاجزی و ادب کا پہلو حد درجہ نمایاں ہے آپ نے سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ کی پاکی بیان فرمائی اور فرمایا: اے مالک و مولا! جس بات کا مجھے حق ہی نہیں تھا وہ بات میں کیسے کہہ سکتا ہوں......؟ اتنی حیثیت تھی نہ ہی مجھ میں اس قدر جسارت۔ لیکن پھر بھی اگر میں نے ایسا کہا ہے تو آپ بہتر جانتے ہیں کیونکہ آپ کو میرے متعلق مکمل علم ہے اور آپ ہر ڈھکی چھپی بات کو جاننے والے ہیں آپ علیہ السلام ادب و عاجزی کے حسین امتزاج پر مشتمل جواب دینے کے بعد پھر فرمائیں گے:

﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۱۱۷﴾ [1]

''میں نے تو انہیں صرف وہی کچھ کہا تھا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی اور جب تک میں ان میں موجود رہا ان پر نگران رہا، پھر جب تو نے مجھے واپس

---

[1] المائدہ: 117

بلالیا تو پھر تو ہی ان پر نگران تھا اور تو تو ساری چیزوں پر شاہد ہے۔''

یعنی میں تو آپ کے حکم کا پابند تھا اور صرف اسی دعوت کی تبلیغ کی جو آپ نے مجھے حکم فرمایا عموماً لوگ الزامات سن کر سیخ پا ہو جاتے ہیں مگر آپ کی برداشت، تواضع اور ادب پر غور فرمائیں کس قدر احترام سے اپنی بے بسی، اطاعت اور برأت کا تذکرہ کر رہے ہیں اور آخر میں ایسا عظیم دعائیہ جملہ کہا کہ ادب الٰہ کی انتہا کر دی اور آپ علیہ السلام کے یہ لمحات امام المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر پسند آئے کہ آپ راتوں کو اٹھ کر بار بار پڑھتے اور اللہ کے حضور روتے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١١٨﴾ ﴾ [1]

''اگر تو انہیں سزا دے تو تیرے بندے ہی ہیں اور اگر تو انہیں معاف فرمادے تو بلاشبہ تو غالب اور دانا ہے۔''

دعا میں سارا معاملہ سپرد رحمٰن کر دیا اور ساتھ معافی کی درخواست کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت غلبہ اور صفت حکمت کو بیان فرمایا کہ اگر آپ صرف نظر کر دیں تو آپ غالب ہیں کوئی آپ کو پوچھ نہیں سکتا کہ معافی کیوں دی اور معافی کس بنیاد پر دینی ہے آپ حکمت و دانائی کے پیکر ہیں اور بہتر جانتے ہیں۔

ہمارے ہاں بے ادبی کا عالم یہ ہے کہ کتابوں میں لکھ دیا گیا ہے کہ ہمارے پیر صاحب کی بیعت کرنے سے جنت لازم ہو جائے گی ہمارے حضرت صاحب کے زبان ہلانے سے یہ ہوگا وہ ہوگا نہ جانے یہ لوگ کس بنا پر بلند و بالا دعویٰ کرتے ہیں

[1] المائدۃ:118

حالانکہ انبیاء ورسل علیہم السلام جو بالاتفاق تمام انسانوں سے افضل واعلیٰ ہیں وہ ہر وقت خائف ،لرزاں وترساں ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں ذاتِ الٰہ کا صحیح ادب نصیب فرمائے۔آمین!

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دعا میں اعتدال اور تواضع

سب سے زیادہ جامع ،معتدل متواضع اور مؤثر دعائیں امام الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کی ہیں، زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں، جس کے متعلق آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے دعائیں بیان نہ فرمائی ہوں زیادہ سے زیادہ مسنون دعائیں ہی یاد کرنی چاہئیں۔ مسنون دعاؤں کی جامعیت، تاثیر اور برکت کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارا ایمان ہے کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان سے نکلنے والی ہر دعا باعث رحمت و برکت اور شفا ہے اور جو روشنی مسنون دعاؤں میں ہے بعد والے اس کے عشرِ عشیر کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے، تکلفات، قافیہ بندی اور سجع کو خیر آباد کہہ کر آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی دعاؤں کو اوڑھنا بچھونا بنائیں جہاں آپ ان کے ذریعہ ذات الٰہ کے مؤدّب بنیں گے وہاں دنیا وآخرت کی ہر مراد حاصل کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

نمونہ کے طور پر پانچ دعائیں تحریر کرتے ہیں جن میں ادب، تواضع اور عاجزی وانکساری اور بے بسی کی انتہا ہے۔

﴿ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ ، اَللّٰهُمَّ اِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدَ بَعْدَ الْيَوْمِ ﴾ [1]

”اے اللہ! بے شک میں تجھے تیرا عہد اور وعدہ یاد دلاتا ہوں، اے اللہ! اگر تو چاہتا ہے کہ آج کے بعد تیری عبادت کرنے والا نہ رہے۔“

[1] صحیح البخاری: 4875

چشم بصیرت رکھنے والے اس دعا سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ذات اللہ کے کس قدر باادب اور اس کے سامنے عاجزی وانکساری کرنے والے ہیں۔مندرجہ بالا دعا کا پس منظر اور ادب اللہ کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام رمضان 2 ہجری کو مدینہ طیبہ سے 80 میل دور مقام بدر پر اپنے 313 ساتھی لے کر پہنچے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانثار تعداد میں کم تھے مگر ایمان میں اللہ کی زمین میں ان کا ثانی کوئی نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں سامان حرب وضرب سے مسلّح مشرکین کی فوج تھی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواں مردی، ہمت اور بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مقام بدر پر اپنے ڈیرے لگائے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے خیمہ مبارک میں بیٹھ کر دعا کی۔ دعا میں کوئی شکوہ، شکایت یا مطالبہ نہیں کیا بلکہ صرف یہی اشارہ فرمایا، اے میرے اللہ...... ! میں آپ کو آپ کا عہد اور وعدہ یاد دلاتا ہوں۔ دعا میں ادب اور جامعیت دیکھیے، لمبے چوڑے مطالبے نہیں کیے حتی کہ واضح لفظوں میں فتح بھی نہیں مانگی، صرف یہی کہا:

اے مولا و آقا...... ! میں آپ کو آپ کا عہد یاد کرواتا ہوں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس کا عہد یاد کروانا گویا کہ سب کچھ مانگ لینا ہے اس مختصر، جامع کلمات میں سب کچھ آ گیا اور فرمایا:

اے اللہ......! میری بصیرت یہی کہتی ہے کہ اگر آج یہ مٹھی بھر مجاہد بھی شہید ہو گئے تو شاید تیری زمین پر تیری واحدانیت کا پرچم اٹھانے والا کوئی نہ رہے گا، کیونکہ 15 سال محنت کر کے میں نے تیری توحید کے یہی شیدائی تیار کیے ہیں۔ (اللہ اکبر)

ادب، اعتدال کے ساتھ ساتھ تواضع اور آہ و بکا کا عالم ایسا مثالی تھا کہ سیدنا

صدیق رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ رہا آپ رضی اللہ عنہ نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہاتھ مبارک پکڑا اور فرمایا:

﴿حَسْبُكَ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَدْ اَلْحَحْتَ عَلٰى رَبِّكَ﴾

''اے اللہ کے رسول بس کیجیے! آپ نے تو اپنے پروردگار سے دعا کرنے میں حد کر دی۔'' (سبحان اللہ)

یعنی سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے حبیب اللہ تبارک وتعالیٰ اس قدر مؤدب اور عاجزی کرنے والوں کو ضائع نہیں کرتا، دعا ختم فرما دیں آج دشمن کامیاب نہیں ہو سکتا۔

قارئین کرام......! شاید ایسا مؤدب اور متواضع لیڈر چشم فلک نے آج تک نہ دیکھا ہو، کہ جو زندگی کی جمع پونجی لے کر میدان میں اتر آیا......اور اس قدر ادب واحترام اور عاجزی سے اپنے الٰہ کو مخاطب کیا، الٰہ حقیقی نے بظاہر ناممکن فتح کو اپنی قدرت ونصرت سے عین ممکن نہیں بلکہ حقیقت بنا دیا۔ (سبحان اللہ)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے بستر سے گم پایا تو تلاش کرتے ہوئے دیکھا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سجدے کی حالت میں نہایت گریہ زاری اور عاجزی وانکساری سے مندرجہ بالا دعا پڑھ رہے ہیں:

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ ، لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ﴾ [1]

''اے اللہ......! میں تیری رضا کے ذریعے سے تیری ناراضی سے اور تیری عافیت کے ذریعے سے تیری سزا سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں تیری تعریف

[1] سنن ابوداود: 879 ؛ سنن نسائی: 1131

کا شمار نہیں کر سکتا تو ویسے ہی ہے جیسے تو نے خود اپنی تعریف فرمائی۔"

اور رسول اللہ ﷺ رات کو سونے سے قبل کیا خوب کہتے:

﴿ بِاسْمِكَ رَبِّيْ وَضَعْتُ جَنْبِيْ وَبِكَ اَرْفَعُهُ اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَارْحَمْهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ ﴾ [1]

"اے میرے پروردگار! تیرے نام کیساتھ میں نے اپنا پہلو بستر پر رکھا اور تیرے نام ہی کے ساتھ اسے اٹھاؤں گا۔ اگر تو نے میری روح قبض کر لی تو اس پر رحم فرمانا اور اگر لوٹا دی تو اس کی حفاظت فرمانا جس طرح تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔"

﴿ اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّاَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ﴾ [2]

"اے اللہ! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں، پس لمحہ بھر بھی تو مجھے میرے نفس کے سپرد نہ کر اور میرے تمام معاملات کی اصلاح فرما دے۔ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔"

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى [3]

"اے اللہ! اسی کام کی ہمیں توفیق دینا جس کو تو پسند کرتا ہے اور (جس

---

[1] صحیح البخاری:6320

[2] سنن ابی داود:5090

[3] کتاب السنۃ:1/ 164، رقم:373 فی اسنادہ جہالۃ ولکن لہ شواہد۔

سے) راضی ہوتا ہے۔''

اس مختصر دعا کو تمام دعاؤں میں جامعیت حاصل ہے کہ توفیق ہی ایسے اعمال کی مانگی جو اللہ حقیقی کو پسند ہوں اور جن پر وہ راضی ہو جائے۔

غرض کہ ادبِ الٰہ کا اہم ترین تقاضا یہی ہے کہ اسے پکارتے ہوئے عاجزی و اعتدال اور حسن ظن کا مکمل لحاظ رکھا جائے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام دعاؤں میں یہ پہلو مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سے پسند کی نعمت مانگنا

کسی پسندیدہ معین نعمت کا سوال معیوب نہیں۔آپ دین اور اپنی پاکیزہ سوچ کے مطابق جن کاموں میں خیر سمجھتے ہیں ان کے مانگنے کی آپ کو مکمل اجازت ہے۔آپ ادب و اعتدال اور عاجزی کے دائرہ میں رہ کر ہر حلال نعمت مانگ سکتے ہیں البتہ نعمت مانگتے ہوئے یہ کہنا کہ یا اللہ......! فلاں چیز عطا فرما دے اگر اس میں میری دنیا و آخرت کی بہتری ہے تو اس اضافے سے انشاء اللہ مزید برکت ہوگی اور اگر بالفرض آپ کا مطالبہ پورا نہیں ہوا تو ذاتِ الٰہ پر ناراض نہ ہوں کیونکہ دعا صرف مطلب لینے کے لیے ہی نہیں کی جاتی۔

دعا کیا ہے......؟ اصل فلسفہ اور اس کی رُوح

دعا صرف مطالبات پورے کروانے کے لیے نہیں کہ جب دعا کے مطابق ملتا رہا، بڑے خوش رہے اور جب دعا کے مطابق قبولیت نہ ہوئی دعا کرنا ترک کر دی، آپ نے سنا ہوگا کہ اکثر لوگ یوں بھی کہتے ہیں دعا کرنے کا کیا فائدہ

قبول تو ہوتی نہیں ...... استغفر اللہ۔ یا جب انسان سخت مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو رو رو کر لمبی دعائیں کرتا ہے اور جونہی اس کی بے بسی پر رحم و کرم کی بارش ہوتی ہے تو وہ دنیا میں دل لگا کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد اور اس کو پکارنے سے غافل ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید انسان کی اس حالت کو یوں بیان فرماتا ہے:

﴿لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۡ وَ اِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿٤٩﴾ وَ لَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَ مَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّ لَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْۤ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَ لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿٥٠﴾ وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿٥١﴾﴾ [1]

"انسان (اپنے لیے) بھلائی کی دعا کرنے سے نہیں اکتاتا اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو مایوس اور دل شکستہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر تکلیف پہنچنے کے بعد ہم اسے اپنی رحمت کا مزہ چکھائیں تو کہنے لگتا ہے کہ "میں اسی کا مستحق تھا اور میں نہیں سمجھتا کہ کبھی قیامت بھی آئے گی اور اگر مجھے اپنے پروردگار کے پاس جانا ہی پڑا تو وہاں بھی میرے لیے بھلائی ہی ہوگی" ہم ایسے کافروں کو ضرور بتا دیں گے کہ وہ کیا کرتے تھے اور انہیں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ اور جب ہم

[1] حم سجدہ: 49-51

انسان پر انعام کرتے ہیں تو منہ موڑ لیتا ہے اور پہلو پھیر کر چل دیتا ہے
اور جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگتا ہے۔''

انسان کو قطع نظر اس سے کہ دعا قبول ہوئی ہے یا نہیں ہوئی حقیقت میں دعا کا فلسفہ سمجھنا چاہیے کہ دعا کی روح کیا ہے تو دعا کا اصل مقصد یہی ہے کہ اللہ کو پکارتے ہوئے اپنی محتاجی کا احساس رہے کہ میں محتاج ہوں اور اللہ میرا عطا کرنے والا داتا ہے، دعا کا مقصد یہی ہے کہ بندے کو اپنا فقر یاد رہے اس کے دل میں کبھی یہ سوچ نہ آئے کہ میں ذاتِ الٰہ سے بے نیاز ہوں بلکہ ہمہ وقت دل و دماغ میں یہی احساس رہے کہ میں آسمان کی بلندیوں پر پہنچ جاؤں یا زیرِ سمندر موتیوں کو پالوں، ہر حال میں اس کا محتاج ہوں اور وہی میری سننے والا ہے، جس کو دعا مانگتے یہ احساس نہ ہوا وہ دعا کی لذت وحلاوت سے محروم رہا۔

حافظ شیرازی کیا خوب کہتے ہیں:

حافظ وظیفہء تو دعا گفتن است وبس

در بند ایں مباش کہ نشنید یا شنید

''حافظ تیرا کام بس دعا کرنا ہے اس فکر میں نہ پڑ کہ سنی گئی ہے یا نہیں سنی گئی۔''

انشاء اللہ وہ وقت بھی آئے گا کہ قادرِ مطلق ہماری طلب کے سارے جام بھر دے گا اور ہم کو اپنے فضل سے غنی فرمادے گا۔

ہوائے رحمتِ پروردگار آئے گی

بہار آئے گی بے اختیار آئے گی

لیکن قبولیت کو ہی سب کچھ نہ سمجھیں۔ اپنا رشتہ بذریعہ دعا اپنے خالق سے پہچاننے کی کوشش کریں۔ کہ وہ کس قدر غنی و بے نیاز ہے اور میں قدم قدم پہ کس قدر اس کا محتاج ہوں۔

یاد رکھنا......!

بارگاہِ عالی میں ہمیشہ کا سوالی بننا بھی لذت و برکت سے خالی نہیں۔

ان شاء اللہ۔

خطبہ نمبر 10

آدابِ الٰہی کا دسواں تقاضا

ہمہ وقت شرم وحیا کا احساس

ہمارے لیے باعثِ سعادت ہے کہ ہمارا خالق ومالک ہر لمحہ ہماری نگرانی کرتا ہے، ہر لحظہ اس کی نگرانی میں گزرتا ہے اور کوئی گھڑی ایسی نہیں کہ وہ دیکھ نہ رہا ہو کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کی قدرت اور علم کے تابع ہے۔

جو ہمارا اللہ ہمیں ہر وقت دیکھ رہا ہے، ہم اس کی نگرانی ونگہبانی میں ہیں تو ہمیں ہمیشہ ایسے اعمال وافعال کرنے چاہئیں جن کو دیکھ کر وہ خوش ہو اور ہمارے لیے برکت وسعادت کے تمام دروازے کھول دے۔

ادبِ الٰہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس قدر عظیم مولا وداتا کی نگرانی میں کوئی ایسی حرکت نہ کی جائے جو اس کی شان کے خلاف ہو، ہمہ وقت تہذیب کے دائرہ میں رہنا، اچھی عادات اپنانا، سلجھی حرکات وسکنات کا مظاہرہ کرنا اور نہایت شائستگی وشگفتگی سے ہر کام کرنا یہ ادب الٰہ کو ملحوظ خاطر رکھنے والوں کی بنیادی علامتیں ہیں، جب انسان ہمہ وقت یہ احساس رکھے کہ میرا خالق ومالک مجھے دیکھ رہا ہے تو یہ شعور اس کو عظیم مثالی انسان بنا دیتا ہے اور اس کی ہر اوا سے خیر کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے وہ شرافت وطہارت کے پیکر بن جاتے ہیں۔

بے ادب کا رویّہ

اکثر لوگ رب تعالیٰ کے حد درجہ بے ادب پائے گئے ہیں اس لیے ان کا ظاہر بڑا سنجیدہ اور پاک نظر آتا ہے مگر ان کا باطن، ان کی تنہائی اور خلوت فضولیات

وسیئات سے بھری ہوتی ہے وہ جب دوست احباب اور ملنے والے ساتھیوں کے پاس آتے ہیں تو مصنوعی سنجیدگی اور وقار کا خول اپنے اوپر چڑھا لیتے ہیں اپنے ناپاک باطن کو دلفریب سلجھی اداؤں اور لچھے دار باتوں سے چھپاتے ہیں مگر علیحدگی یا اپنے بے تکلف مخصوص حلقہء احباب میں کبیرہ سے کبیرہ گناہ کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ سے نہیں شرماتے اور آج یہ بے ادبی دنیا داروں سے پھیلتی ہوئی دین داروں میں بھی مکمل سرایت کر چکی ہے کئی علماء خطباء کہلوانے والے جب اسٹیج سے اتر کر عوام کی نظروں سے اوجھل ہو کر حلقہء یاراں میں آتے ہیں تو ان کی فحش بھری حیا سوز گفتگو سن کر محسوس نہیں ہوتا کہ یہ داعی الی الرحمن ہیں یا داعی الی الشیطان ہیں۔

یاد رہے......! ایسا رویہ اور ظاہر و باطن کا تضاد اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے محروم کر دیتا ہے اور ایسے شخص کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی مقام نہیں رہتا جو لوگوں کا ادب وحیا کرتے ہوئے فضولیات ولغویات سے تو گریز کرے اور جب تنہائی میں ہو تو اللہ تعالیٰ کے آداب کی تمام حدود کو پھلانگ کر لچر پن، بیہودگی اور گناہ پر اتر آئے۔

رب تعالیٰ کے باادب تو ہمیشہ دعا کیا کرتے تھے:

﴿ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِيْ خَيْرًا مِنْ عَلَانِيَتِيْ ﴾

''اے اللہ! ہمارے باطن کو ہمارے ظاہر سے بہتر بنا دے۔''

اوران کے ادب واخلاص کا عالم یہ تھا کہ

﴿ كَانُوْا يَسْتُرُوْنَ عِبَادَاتِهِمْ وَكَانُوْا عَمَلُهُمْ كُلُّه سِرًّا اِذَا يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهِ غَسَلَ وَجْهَهُ مِنْ اَثَرِ الدموع ﴾ [1]

[1] سلاح الیقظان:57

''اپنی عبادت کو چھپاتے اور سارے نیک اعمال تنہائی میں کرتے، جی بھر کر تنہائی میں روتے لیکن جب گھر سے باہر نکلتے تو اپنے چہرے کو دھو لیتے تا کہ آنسوؤں کے نشانات نظر نہ آئیں۔''

آجکل چونکہ ظاہر و باطن اور خلوت وجلوت کا تضاد ہماری پہچان بن چکا ہے تقریباً ہر شخص (الا ماشاء اللہ) ظاہر کا ہیرو اور باطن کا زیرو بن چکا ہے ہم سب سے پہلے قرآن پاک سے دس مقامات تحریر کرتے ہیں جن سے یہ حقیقت اچھی طرح آشکارہ ہو کہ ہمارا رب ہر وقت ہمیں دیکھ رہا ہے اور ہم ہر لمحہ اس کی نگرانی ونگہبانی میں گزارتے ہیں اس لیے ہمیں اپنا باطن، تنہائی، علیحدگی اور خلوت بھی گناہوں سے پاک رکھنی چاہیے۔

① ﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَي اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۝۳۸﴾ [1]

''اے ہمارے رب! تو خوب جانتا ہے جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر زمین وآسمان میں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔''

یعنی ظاہر و باطن اس کے سامنے روشن ہیں ہر ڈھکی چھپی کو خوب جانتا ہے کوئی قول وفعل اور ارادہ اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ (سبحان اللہ) جب ہمارا پروردگار اس قدر علم وقدرت والا ہے تو پھر ہمارا حق بنتا ہے کہ ہم اس کے سچے باادب بنیں اور دنیا وآخرت کی سعادت حاصل کریں۔

[1] ابراہیم: 37

② ﴿ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ۝١٩ ﴾ [1]

''وہ (اللہ) آنکھوں کی خیانت اور دل کی پوشیدہ باتوں کو خوب جانتا ہے۔''

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

﴿ يُخْبِرُ تَعَالٰی عَنْ عِلْمِهِ التَّامِ الْمُحِيْطِ بِجَمِيْعِ الْاَشْيَاءِ ، جَلِيْلِهَا وَ حَقِيْرِهَا ، صَغِيْرِهَا وَ كَبِيْرِهَا ، دَقِيْقِهَا وَلَطِيْفِهَا، لِيُحَذِّرِ النَّاسَ عِلْمُهُ فِيْهِمْ، فَيَسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ ، وَيَتَّقُوْهُ حَقَّ تَقْوَاهُ وَ يُرَاقِبُوْهُ مُرَاقَبَةَ مَنْ يَعْلَمُ اَنَّهُ يَرَاهُ فَاِنَّهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ خَبَايَا الصُّدُوْرِ مِنَ الضَّمَائِرِ وَالسَّرَائِرِ ﴾ [2]

''اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے مکمل محیط علم کے بارے میں خبر دی ہے جو معمولی وغیر معمولی چھوٹی و بڑی باریک و موٹی اور کھلی اور چھپی تمام اشیاء کو گھیرے ہوئے ہے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس قدر شرمائیں جس قدر اس سے حیاء کرنے کا حق ہے اور کما حقہ اس سے ڈریں اور کسی وقت یہ خیال نہ کریں کہ اس وقت وہ مجھ سے پوشیدہ ہے اور میرے حال کی اس کو خبر نہیں بلکہ ہر وقت یقین کرکے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے اس کا علم میرے ساتھ ہے اس کا لحاظ کرتا رہے اور اس کے روکے ہوئے کاموں سے ہمہ وقت رکا رہے کیونکہ جو آنکھ خیانت کے لیے اٹھتی ہے بظاہر وہ امانت ظاہر کرے رب تعالیٰ اس کی حقیقت کو

[1] مومن: 19

[2] تفسیر القرآن العظیم: 1/137

جانتے ہیں اور سینے کے جس گوشے میں جو خیال چھپا ہوا اور دل میں جو بات پوشیدہ ہو وہ سب کچھ جانتا ہے۔‘‘

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: الخائنۃ الاعین سے مراد وہ آنکھ ہے کہ آدمی کسی خوبصورت عورت کو لوگوں سے چھپ کر دیکھے، جب لوگوں کی نگاہ اس پر پڑے تو اپنی نظر ہٹا لے کہ کہیں لوگوں کو میرے متعلق علم نہ ہو، ایسی آنکھ خائنہ ہے اور اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ [1]

اس آیت سے بھی یہی معلوم ہوا کہ آدمی کی تنہائی، خلوت اور علیحدگی اور قلب ونگاہ کا ہر پوشیدہ معاملہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں روز روشن کی طرح واضح ہے اس لیے آدمی کو اس سے شرم کرتے ہوئے حرام کاموں کے ارتکاب سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔

③ ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ [2]

’’کیا آپ دیکھتے نہیں کہ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں موجود ہے اللہ اسے خوب جانتا ہے ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ تین آدمیوں میں مشورہ ہو تو چوتھا وہ (اللہ) نہ ہو یا پانچ آدمیوں میں مشورہ ہو تو ان کا چھٹا وہ نہ ہو (مشورہ کرنے والے) اس سے کم ہوں یا زیادہ وہ یقیناً ان کے

[1] تفسیر القرآن العظیم: 1/137
[2] مجادلۃ: 7

ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ کہیں بھی ہوں پھر قیامت کے دن انہیں بتا (بھی) دے گا جو کچھ وہ کرتے رہے۔ بلاشبہ اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔"

﴿4﴾ ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ؕ وَهُوَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝﴾ [1]

"اسی نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہوا، جو چیز زمین میں داخل ہوتی، اسے بھی جانتا ہے اور جو نکلتی ہے اسے بھی (اسی طرح) جو چیز آسمان سے اترتی ہے وہ اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے اسے بھی اور جہاں کہیں بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی حکومت اسی کی ہے اور سب معاملات اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ دلوں کے راز تک جانتا ہے۔"

دونوں آیات کا مفہوم

دونوں مقامات سے جو آیات تحریر کی گئی ہیں ان کا خلاصہ یہی ہے کہ

[1] حدید: 4-6

ہر قسم کے غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں، وہ خشکی اور تری کی تمام چیزوں کا عالم ہے کسی پتے کا گرنا بھی اس کے علم سے باہر نہیں، زمین کے اندھیروں میں پوشیدہ دانہ اور کوئی تر و خشک چیز ایسی نہیں جو کھلی کتاب میں موجود نہ ہو اسی طرح آسمان سے نازل ہونے والی بارش، اولے اور برف، تقدیریں اور احکام جو بذریعہ فرشتوں کے نازل ہوتے ہیں سب اس کے علم میں ہیں یاد رہے خدا کے مقرر کردہ فرشتے بارش کے ایک ایک قطرے کو خدا کی بتلائی ہوئی جگہ میں پہنچا دیتے ہیں، آسمان سے اترنے والے فرشتے اور اعمال بھی اس کے وسیع علم میں ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے رات کے اعمال دن سے پہلے اور دن کے اعمال رات سے پہلے اس کی جناب میں پیش کیے جاتے ہیں وہ تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارا نگہبان ہے تمہارے اعمال و افعال کو دیکھ رہا ہے، جیسے بھی ہوں جو بھی ہوں اور تم بھی خواہ خشکی میں ہو خواہ تری میں ہو، راتیں ہوں یا دن ہوں، تم گھر میں ہو یا جنگل میں ہو، ہر حالت میں اس کے علم کے لیے برابر ہر وقت اس کی نگاہیں اور اس کا سننا تمہارے ساتھ ہے۔ تمہارے تمام کلمات سنتا رہتا ہے، تمہارا حال دیکھتا رہتا ہے، تمہارے چھپے کھلے کا اسے مکمل علم ہے۔ جو چھپنا چاہے اس کا وہ فعل فضول ہے ظاہر و باطن بلکہ دلوں کے ارادے تک سے واقفیت رکھنے والے اللہ سے کوئی کیسے چھپ سکتا ہے......؟ پوشیدہ باتیں، راتوں کو دن کو جو بھی ہوں سب اس پر روشن ہیں۔

مَعَکُمْ کی تفسیر

''وہ تمہارے ساتھ ہے'' سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات تمہارے ساتھ ہے یا اس کی ذات ہر جگہ ہے، بلکہ اس سے مراد، اس کی قدرت

اور علم ہے انسان کہیں بھی چلا جائے اس کی قدرت اور علم سے باہر نہیں جا سکتا اسی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿حَکَی غَیْرُ وَاحِدٍ الاجْمَاعَ عَلٰی اَنَّ الْمُرَادَ بِھٰذِہِ الایَۃِ معیۃُ عِلْمِ اللّٰہِ ، فَھُوَ سُبْحَانَہٗ ، مُطَّلِعٌ عَلٰی خَلْقِہٖ لَا یَغِیْبُ عَنْہُ مِنْ اُمُوْرِھِمْ شَیْئٌ﴾ [1]

''کئی اہل علم سے اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کے علم کی معیت مراد ہے کہ اس کا علم ہمیشہ بندے کے ساتھ رہتا ہے اور اس کو مخلوق کی مکمل اطلاع ہے ان کا کوئی معاملہ اس سے پوشیدہ نہیں۔''

اس ترقی یافتہ دور میں اللہ تعالیٰ کے احاطہ علم اور قدرت کو سمجھنا مزید آسان ہے آپ نے سنا ہے کہ سیٹلائٹ (Satelite) ایک آلہ ہے اس کے ذریعہ سائنسدان ذرہ ذرہ کی نقل و حرکت ہزاروں میل دور بیٹھ کر دیکھ لیتے ہیں یا آپ کسی کمپنی کا کنکشن دیکھ لیں، ہر جگہ وہ ساتھ ہوتا ہے اور آدمی کمپنی کے نیٹ ورک سے باہر نہیں نکلتا۔ جب عام دنیادار اس قدر ترقی کر چکے ہیں تو پھر خالق کائنات کے علم و قدرت کا احاطہ کس قدر وسیع ہوگا۔ (رہا مسئلہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا تو وہ قرآن مجید کی صریح آیت اور صحیح مسلم کی صریح حدیث اور دیگر دلائل کی رو سے واضح ہے کہ وہ عرش پر ہے اس کی قدرت ہر جگہ اور ذات عرش پر مستوی ہے)

⑤ ﴿اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّھُمْ وَ نَجْوٰھُمْ ؕ

[1] تفسیر القرآن العظیم: 8/24

بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٨٠﴾ [1]

''کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان پوشیدہ معاملات اور سرگوشیوں کو نہیں سنتے......؟ کیوں نہیں ہمارے فرشتے ان کے ہاں لکھ رہے ہیں۔''

یعنی فرشتے ان کی خلوت وجلوت کی مکمل فائل مرتب کر رہے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ہو رہا ہے۔

⑥ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿١٠٣﴾﴾ [2]

''نگاہیں اسے نہیں پا سکتیں جب کہ وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے اور وہ بڑا باریک بین ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔''

⑦ ﴿اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿٤﴾﴾ [3]

''نہیں کوئی جان مگر اس کے اوپر ایک حفاظت کرنے والا ہے۔''

⑧ ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴿١﴾﴾ [4]

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔''

یعنی ہمارا ہر فعل اس کی نگرانی میں ہوتا ہے وہ ہماری ہر حرکت ونقل کو دیکھتے

---

[1] الزخرف:80

[2] الانعام:103

[3] طارق:4

[4] نساء:1

ہیں جب اللہ تعالیٰ اس قدر نگہبانی فرماتے ہیں کہ لمحہ لمحہ کی مکمل کیفیت اس کے علم میں ہے تو پھر ہمارا حق بنتا ہے کہ ہم ہرگز ایسی حرکت نہ کریں جس سے اس کی بغاوت، سرکشی لازم آئے۔ آپ جانتے ہیں جب آدمی کسی دفتر میں داخل ہوتا ہے تو وہ چوکیدار کو یا کیمرے کو دیکھتا ہے کہ میری ایک ایک حرکت محفوظ ہو رہی ہے وہ اس ڈر سے چوری کرنا تو درکنار بے مقصد ہاتھ بھی نہیں ہلاتا کہ کہیں اس کی شخصیت میں فرق نہ پڑ جائے۔ جب ایک چوکیدار یا کیمرے کی نگرانی میں بے مقصد ہاتھ بھی حرکت نہ کرے تو پھر ہم اس عظیم شہنشاہ کی نگرانی میں کبیرہ گناہ کس منہ سے کرتے ہیں......؟

کیا ایک دفتر کا چوکیدار یا کیمرہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ مقام رکھتا ہے......؟

اپنی اس بے ادبی پر خصوصی غور فرمائیں:

⑨ ﴿ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی ﴾ [1]

''تو کیا اس نے یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔''

⑩ ﴿ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ [2]

''کہہ دیجیے......! سینوں کے بھیدوں کو چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے اور جو کچھ زمین و آسمان میں ہے وہ بھی جانتا ہے اور وہ ہر چیز

[1] علق: 14

[2] آل عمران: 29

پر قادر ہے۔"

قارئین کرام......! ان تمام آیات پر غور فرمائیں اور بتائیں......! اس شخص سے بڑھ کر زیادہ جاہل اور ظالم کون ہو سکتا ہے جو گنہگار لوگوں کا ادب کرتے ہوئے ان کے سامنے تو نازیبا حرکات نہ کرے مگر پروردگارِ عالم کے دیکھنے کے باوجود اس کی قدرت کے تابع رہ کر اس کے علم کے احاطے میں رہ کر تنہائی میں جرائم و معاصی کا ارتکاب کرے......؟ اور ذرّہ بھر ہچکچاہٹ بھی محسوس نہ کرے۔ معلوم ہوا وہ رحمٰن ذات کی نسبت غیروں کا زیادہ باادب اور ان سے زیادہ مرعوب ہے اور یہی سب سے بڑی ناانصافی اور بے ادبی ہے کہ سبحان ذات کا تو خیال نہ کیا جائے، اور جو گناہوں کی گٹھڑیاں اٹھائے ہوئے ہیں ان کے لیے ہر جتن ہو۔

یاد رہے......! نیک لوگ اپنی تنہائیوں کو حد درجہ صاف ستھرا رکھتے تھے۔ اور وہ تنہائی میں اپنے سچے خالق و مالک کی عظمت و قدرت کے احساس کو سامنے رکھ کر ایسی لذت محسوس کرتے تھے جو بڑے بڑے شہزادوں کو ان کے محلات میں نصیب نہیں ہوتی، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی یہی سرمایۂ زندگی نصیب فرمائے۔

احادیثِ طیبہ اور ذاتِ الٰہ کا ہمہ وقت تصور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ سے حیاء کرتے ہوئے پردے، ستر اور حجاب کا مکمل خیال رکھتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

﴿ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ اِذَا اَرَادَ حَاجَةً لَا يَرْفَعُ ثَوْبَهُ حَتّٰى يَدْنُوْ مِنَ الْاَرْضِ ﴾ [1]

---

[1] ابوداؤد: 1071

''نبی کریم ﷺ جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو زمین کے بالکل قریب ہو کر ازار اٹھاتے تھے۔''

اور ایک حدیث میں ہے:

﴿رَأَى رَجُلًا يَغْتَسِلُ بِالْبَرَازِ بِلَا إِزَارٍ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللهَ وَ أَثْنَى عَلَيْهِ وَ قَالَ إِنَّ اللهَ حَلِيمٌ حَيِيٌّ سِتِّيرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالسِّتْرَ فَإِذَا اغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ﴾ [1]

''آپ ﷺ نے ایک آدمی کو کھلے میدان میں بغیر ازار کے غسل کرتے دیکھا تو آپ ﷺ نے منبر پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور فرمایا: اللہ تعالیٰ بردبار، شرم وحیاء اور پردے والے ہیں۔ شرم وحیاء اور پردے کو پسند کرتے ہیں جب تم میں سے کوئی غسل کرے وہ اچھی طرح پردہ کر لے۔''

حضرت محمد ﷺ چونکہ خود اس احساس کو اچھی طرح سمجھتے تھے اس لیے آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی یہی تربیت فرمائی کہ ہمہ وقت اس کی جلالت، قدرت اور شان علم کا احساس رکھ کر عبادت کرو اور سو فیصد یقین رکھو کہ وہ آپ کو دیکھ رہا ہے، ایک مقام پر آپ ﷺ نے احسان کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

[2] ﴿أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ﴾

[1] سنن النسائی:403 ۔ الثمر المستطاب:129

[2] صحیح البخاری:50

''تو اس طرح اللہ کی عبادت کر گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے (اگر ایسا نہیں کر سکتا) تو کم از کم یہ عقیدہ رکھ کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔''

اور اس وقت عبادت کے حسن کی انتہا ہو جاتی ہے جب آدمی اس عقیدہ سے سجدہ رکوع کرتا ہے کہ میرا خالق و مالک مجھے دیکھ رہا ہے۔

اے اللہ کے رسول! مجھے وصیت کیجیے......!

رسول اللہ ﷺ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ادب سکھلانے کے لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خصوصی تربیت فرمائی ایک دفعہ ایک آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: ﴿ أَوْصِنِیْ يَارَسُوْلَ اللّٰہِ! ﴾

''اے اللہ کے رسول! مجھے وصیت فرمائیں'' لفظ ''وصیت'' نصیحت اور ہدایت کے معنی میں بھی مستعمل ہے یعنی وہ آ کر کہنے لگا اے آقا مجھے نصیحت فرمائیں اور میری راہنمائی کریں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿ أُوْصِيْكَ اَنْ تَسْتَحْيِيَ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ كَمَا تَسْتَحْيِيْ رَجُلًا مِنْ صَالِحِيْ قَوْمِكَ ﴾ [1]

''میں تجھے یہ نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیاء کر جس طرح تو اپنی قوم کے نیک بندوں میں سے کسی آدمی سے شرماتا ہے۔''

یعنی جس طرح اس کی موجودگی میں تو وقار، سنجیدگی، متانت اور اچھائی

[1] کتاب الزہد، امام احمد: 46؛ شعب الایمان: 2/462 ؛ سلسلہ صحیحہ: 741

کا مکمل خیال رکھتا ہے اسی طرح ہر وقت اپنے اللہ کے سامنے بھی انہیں خصائل کا خیال رکھ کہ ایسا نہ ہو کہ معزز آدمی کی موجودگی میں تو ان سے شرماتے ہوئے نازیبا حرکت کے قریب نہ جائے اور تنہائی میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر گناہ کرتا رہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ بڑی بے باکی سے اپنے غلام کو مار رہے ہیں جب آپ ﷺ کا قریب سے گزر ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کو احساس دلایا کہ

﴿ لَلّٰهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ ﴾ [1]

''جتنی تیری اس غلام پر قدرت ہے، اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ تجھ پر قادر ہے۔''

ذات الٰہ کا تصور اس قدر باعث خیر ہے کہ آدمی ہر قسم کے گناہ اور ظلم سے بچا رہتا ہے بلکہ آدمی گناہ اور ظلم کرتا ہی اس وقت ہے جب بے ادب بن کر ذات الٰہ کے تصور قدرت سے غافل ہوتا ہے۔ اور اس کا لحاظ اور شرم ختم کر دیتا ہے۔

ایمان والو......! اللہ تعالیٰ سے کما حقہ حیا کرو

اللہ تعالیٰ سے حقیقی حیا یہی ہے کہ آدمی اپنے وجود کو اس کی فرمانبرداری میں لگا کر رکھے اور جسم کے کسی عضو سے اس کی نافرمانی نہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ارشاد فرمایا:

﴿ اِسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ قَالَ ، قُلْنَا ، يَارَسُوْلَ

[1] صحیح مسلم:1659

اللهِ ﷺ اِنَّا نَسْتَحْيِيْ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ قَالَ ، لَيْسَ ذَاكَ وَلٰكِنَّ الْاِسْتِحْيَاءَ مِنَ اللهِ حَقَّ الْحَيَاءِ : أَنْ تَحْفَظَ الرَّأْسَ وَمَا وَعَىٰ وَالْبَطْنَ وَمَا حَوٰى وَ لْتَذْكُرِ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى وَمَنْ اَرَادَ الْآخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الدُّنْيَا فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ اسْتَحْيَا مِنَ اللهِ حَقَّ الْحَيَاءِ ﴾ [1]

''اللہ تعالیٰ سے حیا کرو جس طرح حیا کا حق ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا اے اللہ کے رسول...... ! اللہ کا شکر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے شرماتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ شرمانا نہیں، بلکہ کما حقہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنا یہ ہے کہ آدمی اپنے سر اور جن اعضاء پر وہ مشتمل ہے، اپنے پیٹ اور جو اس کے اندر ہے اس کی حفاظت کرے (یعنی زبان سے اچھا بولے، نگاہ سے اچھا دیکھے، دماغ سے اچھا سوچے اور پیٹ میں حرام نہ جانے دے) اور اپنی موت اور بوسیدہ ہونے کو یاد کرے۔ جس نے آخرت کا ارادہ کیا اس نے دنیا کی زینت کو چھوڑ دیا۔ (بلکہ سادگی پسند بن گیا) جس نے اس طرح حفاظت کی، اس نے کما حقہ اللہ تعالیٰ سے حیاء کی۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ناجائز بولنے والے، برا سوچنے والے اور حرام کھانے والے، اللہ تعالیٰ کا بھی حیاء نہیں کرتے، بلکہ وہ حد درجہ بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کی بے قدری کرتے ہیں۔

[1] جامع ترمذی: 2458 الکتاب المصنف فی الاحادیث والآثار: 16167ـ13/223

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور احساس شرم وحیا

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ شرافت وصداقت اور حیاء کے عظیم پیکر تھے اور آپ ہمہ وقت ذات الٰہ کی قدرت وعظمت کو سامنے رکھتے ہوئے اس سے شرم وحیاء کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے، اور آپ رضی اللہ عنہ کے ادب کا عالم یہ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا:

﴿ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ: اسْتَحْيُوْا مِنَ اللهِ ﴾

"اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ سے شرم وحیاء کیا کرو۔"

میں تو جب قضاء حاجت کے لیے بھی کھلی فضا میں جاتا ہوں تو

﴿ مُقَنَّعًا بِثَوْبِيْ اسْتِحْيَاءً مِنْ رَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ ﴾

"اللہ تعالیٰ سے شرماتے ہوئے اچھی طرح اپنے کپڑے کو اوڑھ کر نکلتا ہوں اور قضائے حاجت کرتا ہوں۔" [1]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو چرواہے کا جواب

اللہ کی زمین پر اللہ سے حیا کرنے والوں کی داستان بہت طویل ہے۔ ایمان کی تازگی کے لیے آپ کے سامنے ایک چرواہے کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ وہ بن دیکھے اللہ تعالیٰ کا کس قدر زیادہ حیا کرنے والا شخص تھا...... آج اس جیسی مثال بڑے بڑے پڑھے لکھے مذہبی لوگوں میں بھی نظر نہیں آتی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے غلام حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ابن عمر رضی اللہ عنہ مدینے سے باہر

[1] کتاب الزہد: 211

نکلے اور آپ کے ساتھ چند ساتھی بھی تھے۔ کھانے کا وقت ہوا تو انھوں نے دستر خوان بچھایا اور اسی دوران ایک چرواہے کو دیکھا اور اسے کہا: آؤ ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ! گرمیوں کے سخت دن تھے...... اور عرب کے صحرا کی تپتی ہوئی دھوپ تھی۔ اس چرواہے نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا اور کہا: انی صائم! ''میں روزے سے ہوں''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے چرواہے کا جواب سن کر بڑی حیرت سے پوچھا:

أَتَصُوْمُ فِيْ مِثْلِ هٰذَا الْيَوْمِ الْحَارِّ شَدِيْدٌ سَمُوْمُهُ ، وَأَنْتَ فِيْ هٰذِهِ الْجِبَالِ تَرْعَى هَذَا الْغَنَمَ ؟

''کیا تو اس سخت گرمی کے دن میں روزہ رکھے ہوئے ہے جس کی لو بہت زیادہ سخت ہے اور تو ان پہاڑوں میں بکریاں چرا رہا ہے......؟''

چرواہے نے جواب دیتے ہوئے کہا: میں قیامت کے دن کی تیاری کر رہا ہوں...... چرواہے کا جواب سن کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حد سے زیادہ متاثر ہو گئے اور اپنے دل کی مزید تسلی کے لیے بطورِ امتحان چرواہے کو کہا کہ تو اپنے اس ریوڑ میں سے ایک بکری مجھے بیچ دے میں تجھے اس کی نقد قیمت بھی دیتا ہوں اور مزید تجھے افطاری کے لیے گوشت بھی دیا جائے گا...... چرواہا کہنے لگا: یہ بکریاں میری نہیں......! میں ان کو نہیں بیچ سکتا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: کوئی بات نہیں اپنے مالک کو یہ کہہ کر مطمئن کر دینا کہ ریوڑ میں سے ایک بکری بھیڑیا لے گیا یا کہیں پہاڑوں میں گم ہو گئی...... حضرت عبداللہ کی بات سن کر چرواہے نے اپنی انگلی کو آسمان کی طرف کیا اور وہ اپنے زبان سے بار بار کہہ رہا تھا: اَینَ اللہ...؟ اَینَ اللہ ...؟

میں مالک کو یہ چقمہ دے کر مطمئن کر دوں گا لیکن یہ بتاؤ اللہ کہاں ہے......؟

اگر بکریوں کا عارضی مالک نہیں دیکھ رہا تو عرش وفرش کا مالک تو مجھے دیکھ رہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما چرواہے کے ایمان اور اس کے تقوے سے اس قدر زیادہ متاثر ہوئے کہ اس غلام کو اس کے آقا سے آزاد کروایا اور اس کے آقا سے ساری بکریاں خرید کر چرواہے کو تحفے میں دے دیں......[1] اللہ اکبر

یہی وہ عظیم لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے شرماتے ہوئے اور اس کی جناب کا حیا کرتے ہوئے گناہوں سے بچتے ہیں، تنہائی میں اس کے تصور سے لذت پاتے ہیں جب یہ لوگ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہیں تو جواب میں رب کہتا ہے اے میرے بندے اب مجھے تیرے ہاتھوں کو خالی لوٹاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ (سبحان اللہ)

رب سے شرمانے والے کی بہادری

جب ذاتِ الٰہ کا صحیح تصور اور اس سے شرم وحیاء کا سچا احساس دل ودماغ میں موجزن ہو جائے تو ایسے باادب بندے کے دل سے غیروں کا ڈر نکل جاتا ہے۔

اسی طرح کا جواب حضرت شقیق بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کو ایک نیک ولی نے دیا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے اگرچہ اس واقعہ میں کچھ ضعف ہے

حضرت شقیق بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿خَرَجْنَا فِيْ لَيْلَةٍ مَخُوْفَةٍ ، فَمَرَرْنَا بِأَجَمَةٍ فِيْهَا رَجُلٌ نَائِمٌ وَ قَيَّدَ فَرَسَهُ فَهِيَ تَرْعٰى عِنْدَ رَأْسِهِ فَأَيْقَظْنَاهُ ، فَقُلْنَا لَهُ : تَنَامُ فِيْ مِثْلِ هٰذَا الْمَكَانِ؟ قَالَ: فَرَفَعَ رَأْسَهُ ،

[1] معجم کبیر طبرانی: 13054؛ شعب الایمان: 8250۔ یہ واقعہ حسن درجے کا ہے۔

فَقَالَ اِنِّیْ أَسْتَحْيِیْ مِنْ ذِی الْعَرْشِ أَنْ يَعْلَمَ أَنِّیْ أَخَافُ شَيْئًا دُوْنَهٗ ، ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهٗ فَنَامَ [1]

''ہم ایک خوفناک رات نکلے اور گھنے گنجان درختوں کے پاس سے گزرے تو اچانک دیکھا کہ ایک آدمی جھاڑی میں اپنا گھوڑا باندھے ہوئے سویا ہے اور گھوڑا اس کے سر کے پاس چر رہا ہے ہم نے اس کو بیدار کیا اور کہا تو اس طرح کی جگہ پر سویا ہوا ہے......؟ اس نے اپنا سر اٹھایا اور کہا کہ مجھے عرش والے سے شرم آتی ہے کہ اس کو علم ہو کہ میں اس کے علاوہ کسی غیر سے ڈرتا ہوں، شقیق کہتے ہیں اتنی بات کہہ کر اس نے سر رکھا اور سو گیا۔''

اے دنیاداروں سے شرما کر بہادری و بے باکی کے جوہر دکھلانے والے کاش......! تیرے دل میں اس مالک کا بھی حیاء ہو۔

امام صاحب......! شرم کے مارے گردن نہیں اٹھتی

سیدنا حضرت امام بصری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ حد درجہ عابد، زاہد ہونے کے ساتھ ساتھ محدث، فقیہ اور اپنے وقت کے عظیم امام تھے وہ فرماتے ہیں کہ ساری زندگی سوائے ایک نوجوان کے مجھے کسی نے لاجواب نہیں کیا وہ نوجوان معمول کے مطابق اکثر خاموش بیٹھا رہتا اور اپنی گردن کو بڑی تواضع سے جھکا کر رکھتا، نعمتوں پر تعریف اور اپنے گناہوں پر استغفار کرتا رہتا۔ ایک روز میں نے پوچھ ہی لیا اے نوجوان! عالم شباب میں اس قدر خاموشی، سنجیدگی

[1] شعب الایمان: 941 ؛ حلیۃ الاولیاء: 171/4

اور عاجزی کیسے آ گئی......؟ وہ جوان جواباً کہنے لگا: امام صاحب! جب میں اللہ تعالیٰ کے احسانات وانعامات کو دیکھتا ہوں اور پھر اپنے گناہوں کی طرف نظر دوڑاتا ہوں تو مارے شرم کے مجھ سے گردن اٹھائی نہیں جاتی، کہ وہ خالق ومالک احسانات نہیں روکتا اور میں گناہ سے باز نہیں آتا۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے نوجوان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ أَنْتَ أَفْقَهُ مِنَ الْحَسَنِ ﴾ [1]

''تو تو حسن سے بھی زیادہ سمجھدار ہے۔'' اللہ اکبر

اے الٰہی! آج امت مسلمہ کے جوانوں کو یہی فکر، سوز اور حیاء نصیب فرما، وہ تیرے احسانات کو یاد کر کے، تیرے سامنے اپنی گردن کو جھکائیں اور دین اسلام کے غلبہ کے لیے ہر قسم کی قربانی پیش کریں۔ لیکن شاید! ایسے نوجوان چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملیں۔

اے نوجوان تو کیا کر رہا ہے......؟

جب مسلمان اللہ کے ادب کا یہ تقاضا پورا نہیں کرتا تو ایسے بے ادب کو گناہ اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں وہ خیر کی توفیق سے محروم ہو جاتا ہے اور اگر یہ ادب صحیح معنوں میں نصیب ہو تو مسلمان ایسا با کردار، عبادت گزار اور ملنسار مومن بنتا ہے کہ اس کی زندگی کے نور کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

ایک نوجوان حسب عادت گناہ کر رہا تھا کہ قریب سے ایک عالم دین کا گزر ہوا وہ اس کے قریب جا کر کان میں فرمانے لگے اے نوجوان تو کیا کر رہا ہے اور تجھے

[1] طریق الھجرتین، امام ابن قیم: 101، مکتبہ متنبی قاہرہ

تیرا پروردگار دیکھ رہا ہے! بس یہ جملہ سننے کی دیر تھی کہ توفیق وسعادت نے اس کے پاؤں چوم لیے اور دل میں اللہ سے شرم وحیاء کا ایسا جذبہ پیدا ہوا کہ گناہوں کی دلدل سے نکل کر نیکیوں کے بحر بیکراں میں غوطہ زن ہو گیا۔ (سبحان اللہ)

آج سب سے بڑا کرنے والا کام یہی ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات، عظمت اور شان کا احساس دلایا جائے ان کو علم ہو کہ ہمارا پروردگار کس قدر شفیق نگاہوں سے ہماری طرف متوجہ ہے اور ہم اس کی بغاوتوں میں کمر بستہ ہیں۔ انشاء اللہ جب بندے کا تعلق اپنے رب سے مضبوط ہوگا اور اپنے دل ودماغ میں اس کی محبت، عقیدت، چاہت اور شرم وحیاء کو جگہ دیگا تو یقینا دنیا کی کامیابی اور آخرت کی سعادت قدم چومے گی۔

اگر ماں باپ موجود ہوں تو......!

ایک بزرگ نے ایک آدمی سے سوال کیا کہ اگر تیرا باپ تیرے پاس موجود ہوتو کیا تو گناہ کرے گا......؟

وہ فوراً کہنے لگا: ہرگز نہیں ......! میں ابھی اتنا بے شرم نہیں ہوا، کہ باپ کی بھی حیاء نہ کروں۔ وہ فرمانے لگے اگر تیری والدہ دیکھ رہی ہو تو پھر گناہ کرے گا وہ کہنے لگا: حضرت آپ کمال کر رہے ہیں میں ابھی اتنا بے غیرت نہیں بنا کہ ماں جی کی موجودگی میں حرام، جرم اور برائی کا سوچ بھی سکوں۔ پھر بزرگ اس سے باوقار لہجہ سے پوچھنے لگے اگر دونوں نہ ہوں تو پھر گناہ کرے گا؟ کہنے لگا: حضرت جی پھر گناہ کرنے میں کون سا حرج ہے......؟ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں......معاف کر دیں گے۔

بزرگ فرمانے لگے: مجھے یہ بتاؤ اللہ تعالیٰ ہمہ وقت ہمیں دیکھتے ہیں......؟

وہ فوراً کہنے لگا: جی ہاں، پھر کہا یہ بتاؤ ماں باپ کا شان زیادہ ہے یا رب کا مقام زیادہ ہے......؟ کہنے لگا حضرت جی مجھ سے بچوں والے سوال پوچھ رہے ہو یہ تو ہر کوئی جانتا ہے کہ ساری کائنات مل کر بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت اور مقام کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

بزرگ فرمانے لگے: پھر تو کس قدر نا انصاف اور ظالم ہے کہ ماں باپ سے حیاء کرتے ہوئے گناہ نہیں کرتا، جن کی شان کم ہے جن کا مقام تھوڑا ہے اور وہ ہستی کہ جس کی عظمتوں کا مقابلہ ہی نہیں کیا جا سکتا، تنہائی میں وہ دیکھ رہا ہوتا ہے اور تو بڑی بے باکی سے اس کی حدوں کو پھلانگتے ہوئے گناہ کرتا ہے اور کبھی تیرے دل میں اس سے شرم وحیاء کرنے کا احساس تک پیدا نہیں ہوا......؟ آدمی بزرگ کی حقیقت بھری گفتگو سن کر بے ساختہ رو پڑا اور اپنی حماقت پر بڑا پریشان ہوا کہ میں نے رب تعالیٰ کا مقام والدین کے برابر بھی نہ سمجھا......؟ پھر اس شخص نے ہمیشہ کے لیے گناہوں سے سچی توبہ کر لی۔ دعا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی یہی احساس اور ادب نصیب فرمائے۔ آمین!

بہت بڑی جہالت

اکثر لوگ مسجد میں نماز، ذکر اور تلاوت کا اہتمام فرماتے ہیں اور باہر آ کر ناجائز، غلط اور حرام کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ صرف مسجد میں ہی ہے صرف وہیں اس کو یاد کرنا عبادت ہے گھر، بازار اور دکان میں چاہے جو کچھ مرضی ہوتا رہے۔

یاد رہے......! نماز ایک عہد ہے نماز کی حالت میں بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے یہی عہد کرتا ہے کہ مولا میں ہر حال میں اور ہر مقام پر تیری بزرگی اور فرمانبرداری کا خیال رکھوں گا اور کوئی کام بھی تیری شان کے خلاف نہیں ہوگا۔ میرے

جسم کا ایک ایک عضو تیرے سامنے جھکا رہے گا اور میں تیری اطاعت ہی میں زندگی گزاروں گا۔ اب ایک نمازی مسجد میں باوضو حالت نماز میں کھڑا ہو کر مندرجہ بالا قول وقرار کرے، اپنے رب سے سچائی کے وعدے کرے اور باہر نکل کر فحاشی، عریانی، حرام اور جھوٹ کو فروغ دے تو یقیناً ایسا شخص دوگنا مجرم ہے۔ اس نے نماز کی حرمت اور تقدس کو پامال کیا اور حالت نماز میں کیے ہوئے قول واقرار سے انحراف کیا۔ جب انسان مسجد اور غیر مسجد میں یہ احساس تروتازہ رکھے کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے میں اس کی مکمل نگرانی میں ہوں تو وہ مسجد میں عبادت کے فرائض ادا کرتا ہے اور باہر آ کر اس کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے کبھی عمداً فحاشی اور حرام کو فروغ نہیں دیتا۔ یقیناً یہ ایک سچی تلخ حقیقت ہے جس سے اکثر نمازی غافل ہیں۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''جب آدمی کے دل میں یہ احساس تروتازہ رہتا ہے کہ مجھ کو میرا رب دیکھ رہا ہے تو وہ فرمانبرداری میں جی بھر کر دل لگاتا ہے اس پر غفلت اور سستی غالب نہیں آتی اور اس کی حالت بالکل اس غلام کی طرح ہو جاتی ہے جو اپنے مالک کی موجودگی میں مکمل ہوشیار اور محتاط رہتا ہے اس کے اشارہ کا منتظر کھڑا رہتا ہے اور حکم ملنے پر ساری توانائیاں اس کی تعمیل پر صرف کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے اگر میں نے کوئی کمی بیشی کی تو سخت سزا کا سامنا ہوگا اور اگر اطاعت کے تمام آداب ملحوظ خاطر رکھ کر پوری فرمانبرداری کی تو اعزازات سے نوازا جائے گا۔'' [1]

تنہائی کو نعمت سمجھیں، اس میں رب کو یاد کر کے دنیا و آخرت کی بہاریں

[1] مفتاح دار السعادۃ: 277

حاصل کریں اور کبھی بھی تنہائی میں بے ادب ہو کر گناہ کا ارتکاب نہ کریں۔

اِذَا مَا خَلَوْتَ الدَّهْرَ يَوْمًا فَلَا تَقُلْ
خَلَوْتُ وَلٰكِنْ قُلْ! عَلَيَّ رَقِيْبُ
وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ يَغْفَلُ سَاعَةً
وَلَا اَنَّ مَا يَخْفٰى عَلَيْهِ يَغِيْبُ

''جب تو زمانے سے کسی دن الگ ہو تو ایسا نہ کہہ کہ میں الگ ہوں، بلکہ تو کہہ مجھ پر نگران موجود ہے۔ لمحہ بھر کے لیے بھی اللہ کو بے خبر گمان نہ کر اور نہ ہی پردے میں کوئی اس کے لیے غائب ہے۔''

بے شرم ...... بے ادب کا انجام

قرآن مجید کے بے شمار دلائل سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جو شخص تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا حیا نہیں کرتا، اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر اس قدر زیادہ ناراض ہوتے ہیں کہ اس کی زندگی کے دیگر نیک اعمال بھی برباد کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں سنن ابن ماجہ میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث کا بار بار مطالعہ کرتے رہیں، وگرنہ بے شرم اور بے حیا آدمی قیامت کے روز اللہ کی بارگاہ میں نیکیوں کے انبار لے کر بھی پہنچ جائے تو اسے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی ذات اور تنہائی پاکیزہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جعلی ادب

آپ ادبِ الٰہ کے اہم ترین دس تقاضے پڑھ چکے ہیں جو مسلمان اپنی زندگی میں ان کو پورا کرتا ہے وہ یقیناً ذاتِ الٰہ کا باادب ہے ان تقاضوں کو پورا کیے بغیر تعظیم الٰہ، احترام الٰہ اور ادبِ الٰہ کا دعویٰ کرنا یقیناً خام خیالی ہے..... بعض لوگوں نے اپنی طرف سے ادبِ الٰہ کے طور طریقے گھڑ رکھے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

آخر میں ان کا بھی مطالعہ فرمائیں:

① ..... کئی لوگ ادبِ الٰہ میں ساری زندگی غسل نہیں کرتے وہ سمجھتے ہیں کہ برہنہ ہونا ادب الٰہ کے خلاف ہے جبکہ یہ نظریہ قرآن وحدیث کے واضح دلائل کی رو سے باطل ہے۔ مسلمان ستر وحجاب کے تقاضے پورے کرتے ہوئے قضاءِ حاجت اور غسل کے لیے برہنہ ہو سکتا ہے۔

② ..... کئی لوگ جوتا پہننے سے گریز کرتے ہیں کہ جوتا پہن کر چلنا خلاف ادب ہے اللہ تعالیٰ نے زمین کو فرش کہا ہے اور فرش الٰہ کو جوتے سے روندنا بے ادبی ہے یہ سوچ بھی گمراہ صوفیاء کی ہے۔

③ ..... کئی اپنی نظروں کو آسمان کی طرف نہیں اٹھاتے بعض لباس تبدیل نہیں کرتے سب طریقے خود ساختہ اور غیر شرعی ہیں ان کا ادبِ الٰہ اور اس کے تقاضوں کے ساتھ دور کا تعلق بھی نہیں۔ بلکہ یہ صریحاً بے ادبی ہے کیونکہ باادب اللہ تعالیٰ کی شریعت کا پابند ہوتا ہے وہ شریعت الٰہی میں کمی کرتا ہے نہ ہی زیادتی بلکہ مکمل اتباع کرتا ہے۔

بس یہی ادب ہیں......؟

قرآن پاک کا ورق زمین پر گر جائے تو اس کو اٹھا کر اونچی جگہ رکھنا چاہیے کیونکہ پاک کلام کا احترام یہ ذات اللہ کے احترام کے برابر ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ جن اوراق کو میں زمین پر نہیں دیکھ سکتا، ایسے احترام والے اوراق پر ساری زندگی عمل نہ کرنا۔ کیا یہ اس سے بڑھ کر بے ادبی نہیں......؟ آیات قرآنیہ کو پس پشت ڈال دینا کیا یہ ادب ہے......؟ ادب یہی ہے کہ قرآن روزانہ پڑھا جائے، سمجھا جائے اور ہر قدم اس کے مطابق اٹھایا جائے۔

آخر میں اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور ساری زندگی ادب کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین!

گانے یا بے ادبی کے بہانے......؟

اس سے قبل کہ ہم اللہ تعالیٰ کی بے ادبی پر مشتمل کفریہ گانے تحریر کر کے اس کی تردید کریں، ضروری ہے کہ میوزک و موسیقی کی حرمت کے اہم دلائل تحریر کر دیں تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ طبلے، سارنگیاں، بانسریاں ڈگڈگیاں، ڈھولکیاں، ڈفلیاں، باجے گاجے اور دیگر آلاتِ موسیقی یہ سب شیطانی راستے ہیں اور دین اسلام نے ان کو صراحتہً حرام قرار دیا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت چھوڑ کر گانے بجانے میں مصروف ہونا کلام الٰہی کی بے ادبی کے مترادف ہے۔

قرآن مجید اور آلاتِ موسیقی کی حرمت

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایسے لوگوں کی سخت تردید کرتے ہوئے ان کو

دنیا و آخرت کی ذلت اور رسوا کن عذاب کی وعید سنائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ ﴾ [1]

''اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو غافل کرنے والی بات خریدتا ہے، تاکہ جانے بغیر اللہ کے راستے سے گمراہ کرے اور اسے مذاق بنائے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ اور جب اس پر ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو تکبر کرتے ہوئے منہ پھیر لیتا ہے، گویا اس نے وہ سنی ہی نہیں، گویا اس کے کانوں میں بوجھ ہے، سو اسے دردناک عذاب کی خوشخبری دے دے۔''

مفسر قرآن سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

﴿ هُوَ الْغِنَاءُ وَاَشْبَاهُهُ ﴾ [2]

''(لہو الحدیث) سے مراد گانا بجانا اور اس طرح کی دوسری چیزیں ہیں۔''

اور تقویٰ و فقہ کے امام حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ''لھو الحدیث'' کی تفسیر

[1] لقمان: 6-7

[2] کشف الاستار: 2264

کرتے ہوئے تین بار قسم اٹھا کر فرماتے ہیں:

﴿اَلْغِنَاءُ وَاللّٰہِ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ یُرَدِّدُھَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ﴾ [1]

''اللہ کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اس سے مراد گانا بجانا ہے یہ بات آپ نے تین مرتبہ دہرائی۔''

اسی طرح تابعین کرام رحمۃ اللہ علیہم کی کثیر تعداد سے یہی تفسیر مروی ہے جس سے یہ مسئلہ قرآنی آیت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ گانا بجانا اور آلاتِ موسیقی گمراہی کے راستے ہیں اور ایسے حرام امور کرنے والوں کے لیے دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی ہے۔

گانے بجانے شیطانی آواز ہیں

اللہ تعالیٰ سے دور کرنے کے لیے شیطان لوگوں کو رقص و سرور، فحش گوئی اور گانے بجانے میں محو کر دیتا ہے اور جب موسیقی میوزک ان کی روح کی غذا بن جائے تو پھر ہر طرح کا گناہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور انسان شیطان کی طرح سرکش بن کر اس کا ساتھی ٹھہرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْھُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَیْھِمْ بِخَیْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْھُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ وَعِدْھُمْ ؕ وَمَا یَعِدُھُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾﴾ [2]

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ: 6/309، رقم: 21123

[2] بنی اسرائیل: 64

”اور ان میں سے جس کو تو اپنی آواز کیساتھ بہکا سکے بہکا اور اپنے سوار اور اپنے پیادے ان پر چڑھا کر لے آ اور اموال اور اولاد میں ان کا حصہ دار بن اور ان سے وعدے کر اور شیطان دھوکا دینے کے سوا ان سے کوئی وعدہ نہیں کرتا۔“

اس آیت میں شیطانی آواز کی تفسیر کرتے ہوئے مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد رشید، عظیم محدث و مفسر حضرت امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿ وَهُوَ الْغِنَاءُ وَالْمَزَامِيْرُ ﴾ [1]

”اس سے مراد گانا بجانا اور باجا، بانسری ہے۔“

گانا بجانا آخرت سے غافل کر دیتا ہے

قرآنی آیات کی تلاوت سے فکر آخرت پیدا ہوتی ہے آدمی اپنی کمزوری و کوتاہی پر نادم ہوتا ہے۔ بسا اوقات شرمندگی سے آنسو بہہ پڑتے ہیں جو دنیا و آخرت میں بخشش کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اس کے برعکس موسیقی اور میوزک سے دنیا کی حرص و ہوس بڑھتی ہے۔ نفسانی خواہشات بھڑکتی ہیں اور آدمی ہوس کا مریض بن جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ○ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ○ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ○ ﴾ [2]

”تو کیا اس بات سے تم تعجب کرتے ہو؟ اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو۔

---

[1] تفسیر القرآن العظیم: الاسراء: 164

[2] نجم: 59-61

اور تم غافل ہو۔“

اس آیت میں ان نااہل لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو لہو ولعب اور گانے بجانے میں دل لگا کر قرآنی آیات کا استہزاء اڑاتے ہیں اور ہنستے کھیلتے ہوئے قرآنی احکامات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ”سامدون“ کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ هُوَ الْغِنَاءُ بِالْحِمْيَرِيَّةِ اَسْمَدَلَنا تَغَنَّىٰ ﴾ [1]

”حمیری قبیلہ والوں کے ہاں اس سے مراد گانا بجانا ہے جب کوئی شخص گانا گائے تو کہتے ہیں: اَسْمَدَلَنَا... ؟

حضرت امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے مراد اہل یمن کے ہاں گانا بجانا ہے۔

گانے بجانے کی حرمت احادیث نبویہ سے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیت قرآنیہ کی مزید تفسیر کرتے ہوئے میوزک آلاتِ موسیقی کو حرام قرار دیا اور ان حرام چیزوں سے باز نہ آنے والے کو سخت عذاب کی وعید سنائی ہے۔ پانچ مرفوع صحیح احادیث پر غور فرمائیں!

1.. ﴿ لَيَكُوْنَنَّ فِيْ أُمَّتِيْ أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَّ وَالْحَرِيْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ وَيَنْزِلَنَّ أَقْوَامٌ إِلَىٰ جَنْبِ عَلَمٍ يَرُوْحُ عَلَيْهِمْ بِسَارِحَةٍ لَّهُمْ يَأْتِيْهِمْ يَعْنِي الْفَقِيْرَ لِحَاجَةٍ

[1] السنن الکبریٰ: 10/223

فَيَقُوْلُوْا ارْجِعْ اِلَيْنَا غَدًا فَيُبَيِّتُهُمُ اللهُ وَيَضَعُ الْعَلَمَ وَيَمْسَخُ آخَرِيْنَ قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ﴾ [1]

''میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور باجے حلال ٹھہرائیں گے اور چند لوگ ایک پہاڑ کے پہلو میں اتریں گے۔ شام کو ان کا چرواہا ان کے جانور لے کر ان کے پاس آئے گا تو ان کے پاس فقیر آدمی حاجت وضرورت کے لیے آئے گا۔ اسے کہیں گے ہمارے پاس کل آنا۔ رات کو اللہ تعالیٰ ان پر پہاڑ گرا کر انہیں تباہ کر دے گا اور ان میں سے کچھ لوگوں کو بندر اور سور بنا دے گا۔ وہ قیامت تک اسی طرح رہیں گے۔''

2.. ﴿ لَيَشْرِبَنَّ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِيْ الْخَمْرَ يَسُمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اسْمِهٖ يُعْزَفُ عَلٰى رُؤُوْسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَ الْمُغَنِّيَاتِ يَخْسِفُ اللهُ بِهِمُ الْأَرْضَ وَ يَجْعَلُ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ ﴾ [2]

''البتہ ضرور میری امت کے لوگ شراب پئیں گے اس کا نام بدل دیں گے، ان کے سروں پر گلوکارائیں اور آلاتِ طرب بجائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے گا اور ان میں سے بعض افراد کو بندر اور سور بنا دے گا۔''

---

[1] صحیح البخاری:5590
[2] سنن ابن ماجہ:4020

3.. ﴿عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ خَسْفٌ وَمَسْخٌ وَقَذْفٌ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَتٰى ذٰلِكَ ؟ قَالَ : اِذَا ظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ﴾ [1]

”عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس امت میں زمین کے اندر دھنسنا، صورتیں بدلنا اور بہتان بازی پیدا ہوگی۔ مسلمانوں سے ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول! وہ کب......؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب گلوکارائیں اور طبلے سارنگیاں عام ہوں گے اور شرابیں پی جائیں گی۔“

4.. ﴿اِنَّمَا نُهِيْتُ عَنْ صَوْتَيْنِ أَحْمَقَيْنِ فَاجِرَيْنِ صَوْتُ مِزْمَارٍ عِنْدَ نِعْمَةٍ وَصَوْتُ رَنَّةٍ عِنْدَ مُصِيْبَةٍ﴾ [2]

”مجھے دو بری ترین آوازوں سے روکا گیا ہے (ا) خوشی کے وقت بانسری کی آواز (۲) مصیبت کے وقت رونے کی آواز (یعنی نوحہ گری وغیرہ)“

5.. ﴿اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلٰى اُمَّتِيْ الْمَيْسِرَ وَالْمِزْرَ وَالْكُوْبَةَ وَالْقِنِيْنَ وَزَادَنِيْ صَلَاةَ الْوِتْرِ﴾ [3]

---

1. جامع ترمذی:2212
2. جامع ترمذی:1005 شرح السنۃ:5431 الطبقات الکبریٰ:1/138
3. مسند احمد:2/167 سنن ابی داود:3685 سلسلہ احادیث صحیحہ:1708

''بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت پر جوا، گیہوں کی نشہ آور نبیذ سرنگی، گلوکار کی آواز کو حرام کیا ہے اور نماز وتر مجھے زائد عطا فرمائی ہے۔''

بعض روایات میں آوازِ موسیقی پر لعنت کی گئی ہے۔ [1]

ان صحیح وصریح احادیث کی موجودگی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ گانا بجانا شیطانی کام ہے۔ اس کو سننے، سنانے والے شیطان کے بھائی ہیں اور ایسے لوگوں کا انجام دنیا میں تو برا ہوگا ہی اور روزِ آخرت ان کو سخت عذاب کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ کی بے ادبی وگستاخی

گانے کی حرمت کے بعد اب ان کفریہ کلمات پر غور فرمائیں جنہیں میوزک پہ گا کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بے ادبی کی جاتی ہے۔ اور بالخصوص انڈین گانوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے ادبی کا پہلو زیادہ نمایاں ہوتا ہے اگرچہ پاکستانی مسلمان قوال بھی حرمت الٰہ کو پامال کرنے میں ذرہ بھر کمی نہیں کرتے مگر ہندو مسلمان نوجوان نسل کو گمراہ اور تباہ کرنے کے لیے شب وروز مصروفِ عمل ہیں۔ یعنی کسی ہندو کو یہ جرأت قطعاً نہیں کہ وہ علی الاعلان اللہ تعالیٰ کی توہین کریں۔ مگر وہ گانوں کے ذریعہ ہر مسلمان کو فاسق وفاجر اور کافر بنا رہے ہیں۔

مسلمان جوان بیٹیاں اور نوجوان لڑکے اس قدر غلیظ، کفریہ کلمات پر مشتمل انڈین گانے گاتے ہیں کہ جن کو سن کر، گا کر ایمان رہتا ہے نہ ہی اسلام۔ بلکہ آدمی کفر اور جہنم تک پہنچ جاتا ہے۔ تقریباً آج اکثر مکان، دکان، گلی اور بازار اس کی زد میں

[1] کشف الاستار: 1/795،377 ، مجمع الزوائد: 3/13

ہیں۔کئی نالائق مسلمان مساجد کے پڑوس کا بھی حیاء نہیں کرتے، بلکہ گانوں کی اونچی آواز سے اللہ والوں کو بھی پریشان کرتے ہیں۔

حضرت سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ انسان کبھی اپنی زبان سے ایسا برا کلمہ کہتا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ رحمت الٰہی سے محروم ہو کر جہنم کی گہرائیوں میں جا گرتا ہے۔ چند کفریہ گانوں کو بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

''حسینوں کو آتے ہیں کیا کیا بہانے خدا بھی نہ جانے تو ہم کیسے جانیں''

اس میں اللہ کے علم کا انکار کیا گیا ہے۔یعنی حسینوں کے بہانوں کو رب تعالیٰ بھی نہیں جانتا، اور یہ صریح کفر ہے رب تعالیٰ تو دل کی دھڑکنوں کو بھی جانتا ہے۔

''یار منگیا سی ربا تیتھوں رو کے، کیہڑی میں خدائی منگ لئی

مرجان دے کسے دا مینوں ہو کے، کیہڑی میں خدائی منگ لئی''

اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی حد درجہ بے ادبی کرتے ہوئے توہین آمیز انداز اختیار کیا گیا ہے اور مسلمان کا مرنا صرف اللہ کے لیے ہے کسی اور کے لیے نہیں ہے۔

''رب نے مجھ پر ستم کیا کیا ہے، سارے جہاں کا غم مجھے دے دیا ہے''

نعوذ باللہ اس میں اللہ کو ظالم قرار دیا گیا ہے جب کہ یہ صریحًا کفر ہے۔

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ

''میری نگاہوں میں کیا بن کے رہتے ہیں

قسم خدا کی خدا بن کے آپ رہتے ہیں''

یہ گانا بھی کفریہ ہے اس میں غیر کو خدا کہا گیا ہے۔

”دنیا بنانے والے دنیا میں آ کے دیکھ
جتنے غم سہے ہیں میں نے تو بھی اٹھا کے دیکھ“

اس میں خالقِ کائنات کو دنیا میں آکر غم اٹھانے کی صدا دی گئی ہے جو کہ صریح کفر ہے۔ یہ پانچ کفریہ کلمات نمونہ کے طور پر تحریر کیے گئے ہیں وگرنہ مسلم معاشرہ میں ہر دوسرا گانا اللہ تعالیٰ کی بے ادبی اور توہین پر مشتمل ہوتا ہے لوگ سرعام سنتے سناتے ہیں مگر کوئی روکنے والا نہیں۔ بلکہ دورانِ سفر پبلک گاڑیوں میں بلند آواز سے گانوں کا شور ہوتا ہے۔ شریف خاندانی لوگوں کے لیے پبلک گاڑیوں میں سفر کرنا حد درجہ تکلیف دہ مسئلہ ہے۔

یاد رہے......! فحاشی و بے حیائی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے ادبی پر مشتمل گانوں کی لعنت یہود وہنود کی گہری سازش کا نتیجہ ہے ہر طرف ٹی وی، کیبل، وی سی آر، ڈش انٹینا، انٹرنیٹ کیفے اور عریاں تصاویر نظر آتی ہیں۔ گھر سے لیکر گاڑی تک ہر طرف فحاشی کا بول بالا ہے

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو ہدایت نصیب فرمائے کہ وہ دشمنوں کے گہرے وار کو سمجھیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسے عالم میں موت آجائے کہ ادبِ الٰہ رہے نہ ہی حیاء۔

قوالی، جو کردے ایمان سے خالی

عموماً گانے سننے والے دنیا دار ہوتے ہیں مگر قوالی کا شوق رکھنے والے اپنے آپ کو عاشق رسول اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا پیروکار تصور کرتے ہیں اسی لیے میلوں پر محفل قوالی کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔ بلکہ کئی گھروں گاڑیوں میں صبح کا آغاز ہی قوالی سننے سے کیا جاتا ہے۔ لوگ اسے عبادت اور باعثِ برکت سمجھ کر سنتے ہیں۔

توہینِ الٰہی کی انتہاء

قبروں و مزاروں پر جب محفل قوالی کو ملک کے نامور قوالوں کے ذریعہ گرمایا اور سجایا جاتا ہے تو قوال صاحب، قبر والے پیر صاحب کی شان میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ کوئی خدائی صفت اور اختیار ایسا نہیں رہتا جو صاحب قبر میں ثابت نہ کیا جائے۔ قوالی کے روپ میں جس طرح ذاتِ الٰہ کی بے ادبی و توہین کی جاتی ہے چند جملوں سے ملاحظہ فرمائیں!

چھڈ تسبیح تے چھڈ دے مصلے نوں
میںوں جان دے تو یار دے محلے نوں
میںوں عشق دی نماز پڑھ لین دے
شرع دی گل فیر کر لئیں

پوری شریعتِ اسلامیہ کی توہین کی گئی ہے۔

رب رُسدا تے رُس جاوے
میںوں یار منالین دے

سراسر رب تعالیٰ کی توہین کی گئی ہے۔

دکھیاں تے بابا کرم تو کر دے

اس میں دکھوں کو دور کرنے کے لیے فوت شدہ بابا جی کو پکارا گیا ہے جو کہ صریح شرک ہے۔

تو اک گورکھ دھندا ہے

وہ ہمارے پیارے خالق و مالک کی جن کی ذات وصفات اور اختیارات کے متعلق قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص روزِ روشن کی طرح ہیں مگر جاہل قوال نے ذاتِ الٰہ کو نعوذ باللہ گورکھ دھندا قرار دیا ہے۔

علی دم دم دے اندر

علی علی کہن والے ولی بن جان گے

یہ جملہ صریحاً کفر ہے دم دم میں علی نہیں ہے اور نہ ہی علی علی کہنے سے آدمی ولی بنتا ہے۔ یہ چند مثالیں بطورِ نمونہ ہیں وگرنہ قوالیوں میں ایسے ایسے شرکیہ جملے گائے جاتے ہیں کہ آدمی بدترین مشرکوں کی صف میں جا کھڑا ہوتا ہے۔

حقیقی نام کی توہین

بعض قوالیوں میں ربّ تعالیٰ کے ذاتی نام ''اللہ'' کی حد درجہ بے ادبی کی جاتی ہے، قوال صاحب موج میں آ کر بڑی تیزی سے ایک سانس میں اس قدر برق رفتاری سے ''اللہ، اللہ، اللہ'' کہتے ہیں گویا کہ وہ اسم اللہ کی دھجیاں بکھیر رہا ہے۔ نہایت توہین آمیز انداز سے اسم الٰہ کی بے حرمتی کی جاتی ہے۔

قوالی کی حرمت

قوالی کئی وجوہ سے حرام ہے:

بدعت: مروجہ قوالی کا تصور قرآن وحدیث میں کہیں نہیں ملتا، اور نہ ہی صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس طرح کی مجلسوں کا انعقاد کیا۔ بلکہ قوالی میں جس طرح

ساز، سیٹیاں اور ڈھولکیاں بجائی جاتی ہیں یہ کفارِ مکہ کی عبادت کے لیے خود ساختہ طریقہ تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً ﴾ [1]

"نہیں تھی ان کی نماز بیت اللہ کے پاس مگر سیٹیاں اور تالیاں بجانا۔"

شرکیہ و کفریہ کلمات کا مجموعہ

قوالی کے اکثر جملے کفریہ اور شرکیہ ہوتے ہیں اور مسلمان کا اپنے منہ سے کفر و شرک بکنا یقینا حرام ہے۔ قوال صاحب، صاحب قبر پیر کی عظمت میں ایسے ایسے اشعار پڑھتے ہیں کہ توحید کا نام ونشان نہیں رہتا، بلکہ آدمی ان کلمات سے شرک کی اتھاہ گہرائیوں میں چلا جاتا ہے۔

لغو وعبث: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ لغو سے اعراض کرتے ہیں، محفل قوالی اول تا آخر فضولیات کا پلندا ہوتی ہے۔ با مقصد اور جامع بیان کی بجائے میوزک و ساز اور شور وغوغا ہی غالب نظر آتا ہے۔

محدث شہیر امام البانی رحمۃ اللہ علیہ نے آلات موسیقی اور جو میوزک و ساز قوالی میں استعمال ہوتے ہیں ان کے رد پر حد درجہ محقق و مدلل کتاب مرتب فرمائی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کتاب کے آخر میں فرماتے ہیں۔ آئمہ اربعہ اور فقہا و علما احادیث نبویہ اور آثارِ سلفیہ کی روشنی میں مُتَفِقُوْنَ عَلٰى تَحْرِيْمِ الآتِ الطَّرْبِ آلات موسیقی کی حرمت پر متفق ہیں۔ [2]

---

[1] انفال:35

[2] تحریم الآت الطرب:105

شاید قوال حضرات ہمارے ان دلائل کو اہمیت نہ دیں، کیونکہ وہ اپنے آپ کو شرع کا پابند ہی نہیں سمجھتے لیکن کم از کم جن بزرگوں کے مزاروں پر قدم رنجہ فرماتے ہیں ان کے تاثرات پر ہی غور فرمالیں۔

بد بخت قوالوں نے مجھے پریشان کر دیا ہے

جناب احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ آپ کے مزار شریف پر مجلس سماع میں قوالی ہو رہی تھی کہ لوگوں نے بہت اختراع کر لیے ہیں ناچ وغیرہ بھی کراتے ہیں حالانکہ اس وقت بارگاہوں میں مزامیر بھی نہ تھے۔ حضرت سید ابراہیم ایرجی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے پیران سلسلہ میں سے ہیں باہر مجلس میں تشریف لے چلیے۔ حضرت سید ابراہیم ایرجی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تم جاننے والے ہو خواجہ اقدس میں حاضر ہو اگر حضرت راضی ہوں میں ابھی چلتا ہوں انہوں نے مزارِ اقدس پر مراقبہ کیا دیکھا کہ حضور قبر شریف میں پریشان خاطر ہیں اور ان قوالوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں: ایں بد بختاں وقت مارا پریشان کردہ اندوہ واپس آئے اور قبل اس کے کہ عرض کریں، فرمایا آپ نے دیکھا۔ [1]

جناب احمد رضا خان بریلوی کے نزدیک

قوالی کی حرمت پر قوالوں کے مشہور معروف پیر جناب احمد رضا خان بریلوی ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

”ایسی قوالی حرام ہے، حاضرین سب گنہگار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا

[1] ملفوظات: 115

عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے اور قوالوں کا بھی گناہ اس عرس کرنے والے پر، بغیر اس کے کہ عرض کرنے والے کے ماتھے، قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ کی کچھ کمی آئے، یا اس کے اور قوالوں کے ذمہ حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف ہو، نہیں بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا گناہ الگ اور قوالوں کے برابر جدا اور سب حاضرین کے برابر علیحدہ، وجہ یہ ہے کہ حاضرین کو عرس کرنے والے نے بلایا ان کے لیے اس گناہ کا سامان پھیلایا اور قوالوں نے انہیں سنایا اگر وہ سامان نہ کرتا یہ ڈھول سارنگی نہ سناتے تو حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے اس لیے ان سب کا گناہ ان دونوں پر ہوا، پھر قوالوں کے اس گناہ کا باعث وہ عرس کرنے والا ہوا وہ نہ کرتا نہ بلاتا تو یہ کیونکر آتے بجاتے، لہٰذا قوالوں کا بھی گناہ اس بلانے والے پر ہوا۔'' [1]

اشعار اور غزلوں پر بھی نظر رکھیں

بعض شاعری اور غزلیات کی کتب بھی توہینِ اللہ سے بھری پڑی ہیں اور وہ کتب بڑی کثرت سے ملک میں شائع ہو رہی ہیں۔ اسی طرح اخبارات اور جرائد میں شائع ہونے والے بعض اشعار بھی حد درجہ بے ادبی پر مشتمل ہوتے ہیں اور کئی دکھی لوگ غزلوں میں ایسا ایسا دکھ بھرتے ہیں کہ صبر و شکر کا نام و نشان نہیں رہتا ہے۔ بلکہ ذاتِ اللہ پر ایسے ایسے اعتراضات اور اس کے فیصلوں پر گلے شکوے کیے جاتے ہیں کہ جس سے آدمی ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

[1] فتاویٰ رضویہ: 199/10

رسول اللہ ﷺ کا احترام حد درجہ لازمی ہے۔ مگر آپ ﷺ کی شان میں غلو کرنا یا کسی اپنے دوسرے محبوب کی تعریف کرتے ہوئے زمین و آسمان کے قلابے ملا دینا واضح گمراہی ہے۔ نمونہ کے طور پر دو اشعار ملاحظہ فرمائیں!

① خدا کے پاس کیا پڑا ہے وحدت کے سوا
جو لینا ہے ہم لے لیں گے محمد (ﷺ) سے

② آسمان نے جسے چاند سمجھ کر سجا رکھا ہے
وہ تو میری محبوبہ کی ٹوٹی ہوئی چوڑی کا ٹکڑا ہے

کسی کی محبت میں غلو، اور ایسا غلو کہ جس سے ادبِ الٰہ کا لحاظ بھی نہ رہے وہ یقیناً ہلاکت کا باعث ہے اور اکثر عاشق مزاج لوگ اس ہلاکت میں مبتلا ہیں۔ ان شعراء کے مبالغہ آمیز رویہ کو دیکھ کر شاعر ہی کہتا ہے:

گنہگار وہاں چھوڑے جائیں گے سارے
جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

اسٹیج ڈرامے اور ذاتِ الٰہ کی توہین

اب فحاشی سے ایک قدم آگے فلموں اور ڈراموں میں ایسے ایسے ڈائیلاگ بولے جاتے ہیں اور ایک دوسرے کو ایسی ایسی جگتیں کی جاتی ہیں کہ بے حیاء قوم اس دوران اللہ تبارک وتعالیٰ، اس کے فرشتے اور جنت و جہنم کو لقمہ مذاق بنانے میں ذرہ بھر شرم محسوس نہیں کرتے۔ جیسا کہ اس طرح کی خرافات عام سننے میں آتی ہیں اور نوجوان نسل ایک دوسرے کو انہیں الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں۔

امت مسلمہ کے جوانوں سے حیاء کے نور کو چھیننے والی اداکاراؤں، گلوکاراؤں کی جماعت نے ایسا گھناؤنا کردار ادا کیا ہے کہ غیر مسلموں سے بڑھ کر اسلامی ثقافت کو نقصان پہنچایا اور شرم وحیاء کے تقدس کو بری طرح پامال کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے بدطینت اور خبیث لوگوں کو ہدایت دے یا ان کو تباہ وبرباد فرمائے۔

اسلامی حکومت سے اپیل......!

ملک پاکستان اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اس ملک میں ذاتِ الٰہ کی عظمت کو بلند کرنے کے لیے ہمارے بزرگوں اور ہماری ماؤں، بہنوں نے بے مثال قربانیاں پیش کی ہیں۔

مگر افسوس......! کہ آج توہین آمیز گانوں اور بے ادبی پر مشتمل قوالیوں، غزلوں اور اشعاروں نے ہر جگہ حرمت الٰہ کے تقدس کو پامال کر دیا ہے، لیکن اسلامی حکومت بالکل خاموش ہے۔ ہم اس عظیم کاوش کے اختتام پر حکام بالا سے بصد ادب استدعا کرتے ہیں کہ وہ فوراً ایسے افراد کے خلاف قانونی کاروائی کرے، بلکہ ایسے ملحدوں پر فوراً توہین الٰہ کا پرچہ کیا جائے تاکہ نئی نسل اس بے ادبی وگمراہی سے محفوظ رہے۔ امید ہے کہ غیور صاحب اقتدار ہماری استدعا پر توجہ فرمائیں گے۔

آخر میں دعا ہے کہ اے ہمارے مولا ومالک......!

جب ہمیں موت آئے تو ہمارا چہرہ توہین الٰہ کے بدنما دھبوں سے پاک ہو۔ اور ادبِ الٰہ کے نور سے منور ہو۔ آمین ثم آمین!

والسلام

عبدالمنان بن عبدالرحمن بن نیک محمد

خادم السنة النبوية الشريفة

08-06-2008

اصولِ ادب

الٰهی انت مقصودی
و رضاءك مطلوبی

حرف حرف موتی

معرفتِ الٰہی، ادبِ الٰہی اور محبّتِ الٰہی
کے راہنما سنہرے اصول

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو پیدا فرما کر اشرف المخلوقات بنایا، یعنی انسان رب تعالیٰ کی بنائی ہوئی وہ عظیم مخلوق ہے جو اس کی تمام مخلوقات سے افضل واعلیٰ ہے مثال کے طور پر ایک تخلیق کار کو لے لیں صرف وہی اصل میں سمجھ سکتا ہے کہ اپنے ہاتھ، ذہن اور دل کے گہرے جذبات سے بنائی ہوئی چیز بنانے والے کو کتنی پیاری اور عزیز ہوتی ہے اسی طرح بندے اور خالق کا تعلق بھی بہت انوکھا اور بہت پیارا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بڑی محبت، بڑے پیار اور بڑے رحیم وشفیق جذبہ سے انسان کو پیدا فرمایا اور اس میں جان ڈالی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اے ابلیس......! تجھے کس چیز نے روکا کہ تو ایسی مخلوق کو سجدہ کرے

 [1]

[1] ص:75

”جس کو میں نے اپنے ہاتھ سے تخلیق فرمایا“

اسی طرح اللہ تعالیٰ غفلت کی نیند سوئے انسان کو فرماتے ہیں:

﴿ اَوَ لَا یَذْکُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَكُ شَیْئًا ۝ ﴾ [1]

”کیا انسان اتنا بھی یاد نہیں رکھتا کہ ہم نے اسے اس سے پہلے پیدا کیا اور وہ کچھ بھی نہ تھا۔“

پیدا فرمانے کے بعد اللہ تبارک ــــ وتعالیٰ نے ہمیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑا یا صرف پرندوں پر ہی نہیں ٹرخایا کہ ہر روز صبح وشام یہی چباتے رہو، بلکہ انسان کو پیدا کرنے سے پہلے ہی رب تعالیٰ نے اس کی زندگی، تحفظ اور اس کی ہر ضرورت کا اہتمام فرما کر رکھا ہوتا ہے ماں کی گود کی نرمی وشفقت اس کی منتظر ہوتی ہے، ماں کی چھاتی میں دودھ کی نہر موجزن ہوتی ہے بھوک پیاس مٹانے کے لیے طرح طرح کے ماکولات، مشروبات غذائیں، خوراکیں اور کھانے تیار ہوتے ہیں تا کہ حضرت انسان کو کسی قسم کی کوئی تکلیف، مایوسی، اداسی اور پریشانی محسوس نہ ہو، اس قدر رحیم، شفیق اور عظیم محسن کو صرف دنیا کی رنگ رلیوں کی خاطر بھلا دینا اور اس محسن حقیقی شہنشاہ کائنات کا بے ادب بن جانا کیا یہ انصاف ہے......؟ اس سب کچھ کے ساتھ ساتھ وہ ہمہ وقت مخلوق کی نگرانی کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۝ ﴾ [2]

---

[1] مریم:67

[2] ملک:14

''کیا وہی نہ جانے گا جس نے تمہیں پیدا کیا؟ حالانکہ وہ تو باریک بین اور خبردار ہے۔''

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے ایک ذرّے سے بھی واقف ہے جتنا وہ ہمیں جانتا ہے اس سے زیادہ کوئی نہیں جان سکتا۔ آج کے انسان اور مسلمان کا سب سے بڑا مسئلہ اپنے خالق و مالک سے دوری ہے اگر یہ فاصلہ دوری اور بُعد نہ ہو تو انسان کے سب دکھ، غم اور پریشانیاں ختم ہو جائیں! وہ رب ان آزمائشوں، مصیبتوں اور پریشانیوں میں بھی ایسا نور بھر دے جس سے زندگی کی ساری تاریکیاں ختم ہو جائیں اور آدمی روحانی سکون وقرار اور لذت محسوس کرے۔

ہم اپنی روزمرہ زندگی میں اس قدر مصروف ہیں دنیا کے دھندوں میں ایسے الجھے، اٹکے اور بکھرے ہیں کہ ہمارے پاس اتنی فرصت بھی نہیں کہ اپنے محسن حقیقی رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اس کے احسانات، انعامات اور پیار کا حق ادا کریں۔ اس کے قریب ہوں اس سے تعلق بڑھائیں، اس کے باادب بندے بن کر بندگی کی لذت وراحت اور مٹھاس محسوس کریں۔

یاد رہے......!

وہ انسان جو اس قدر احسان فراموش، بے ادب اور درہم و دینار کا بیٹا بن جائے سید المرسلین حضرت محمد ﷺ کے فرمان کے مطابق اس کو دنیا کے ہموم وغموم کا ایسا کانٹا چبھتا ہے جو کبھی نہیں نکلتا اور وہ اس کی چبھن ساری زندگی محسوس کرتا رہتا ہے۔ [1]

---

[1] صحیح البخاری:2887

اگر آپ چاہتے ہیں کہ دل کو سکون ہو، خوشی و مسرت آپ کے قدم چومے، قلبی اطمینان اور روحانی قرار آپ کی زندگی کا زیور بنے۔ تو آپ اپنے محسن حقیقی، شہنشاہ کائنات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدر پہچانیں، معرفت حاصل کریں ہر حال میں اس کے باادب رہیں اپنا تعلق اس سے مضبوط بنائیں ایسا مضبوط کہ ہر آنے والی کل آپ کی اور آپ کے خالق کی محبت اور آگے پیار میں ترقی اور اضافے کی باعث ہو۔ آپ ازراہِ کرم مندرجہ ذیل راہ نما اصول آج ہی اپنائیں زندگی کی ساری رونقیں واپس آئیں گی اور سارے مسائل حل ہوں گے۔ (ان شاء اللہ)

1 ......روزانہ 24 گھنٹوں میں کم از کم ایک مرتبہ 10 یا 15 منٹ کے لیے تنہائی میں اللہ کی طرف دھیان دیجیے اور یہ سوچیے کہ کس قدر وسیع وعریض اور طویل کائنات بنانے کے باوجود میرا پیارا خالق و مالک مجھے بڑے پیار سے دیکھ رہا ہے وہی میرا خیر خواہ ہے اور اس سے بڑھ کر مجھ سے نرمی و شفقت اور رحم کرنے والا کوئی اور نہیں، ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھیں! کہ مجھ کو دنیا میں سب سے زیادہ محبت ماں باپ کی طرف سے ملتی ہے لیکن جس الٰہ کو میں مانتا ہوں وہ تو والدین سے ستر گنا زیادہ پیار کرتا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر کوئی پیار کر ہی نہیں سکتا کیونکہ ہر ایک دل میں پیار ڈالتا ہے تو جو سب میں پیار تقسیم کرے وہ خود کتنا پیارا اور پیار کرنے والا ہوگا۔ (سبحان اللہ)

مجھے یاد آیا کہ کسی ممتاز عالم دین سے سوال کیا گیا کہ زندگی کی سب سے قیمتی گھڑی کون سی ہے......؟ تو وہ فرمانے لگے جس گھڑی دھیان رب کی طرف ہو وہ سب سے قیمتی گھڑی ہے اس کا مقابلہ دنیا و مافیھا کے خزانے بھی نہیں کر سکتے، مگر افسوس! کہ آج کا مسلمان اس گھڑی کو ضائع اور فضول شمار کرتا ہے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

بہر حال جب آپ تنہائی میں احسانات پروردگار، اختیارات پالنہار کو یاد کرتے ہوئے اپنی بے بسی کو سامنے رکھیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنا آسان ہی نہیں ہوگا بلکہ آپ مناجات الٰہی میں لذت وراحت بھی محسوس کریں گے اور بے ساختہ اپنے دل کی تمام باتیں، تمام مسئلے، دکھ پریشانیاں سب کچھ کہہ ڈالیں گے اور آپ کا دل دنیا کے تمام بوجھوں سے ہلکا ہو جائے گا۔ آپ کے دل ودماغ میں عجیب روحانی روشنی پیدا ہوگی جو آپ کو سیدھے راستے پر چلاتی ہوئی سیدھی جنت میں لے جائے گی۔ ان شاء اللہ

یاد رکھیں......!

تنہائی میں اکیلے بیٹھ کر بے توجہی غفلت اور بے پرواہی سے اپنے خالق کو مخاطب نہ کریں بلکہ حد درجہ عاجزی، انکساری، تواضع اور تذلل سے بیٹھیں وہ آپ کی حالت دیکھ رہا ہے، آپ کی پکار سن رہا ہے اور بڑی اچھی طرح سمجھ کر آپ کو جواب دے رہا ہے۔

2 ......ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ تمام مسائل کو حل کرنے والی اور تمام مشکلات سے نجات دلانے والی ذات بھی ہمارے پیارے اللہ تعالیٰ ہی ہیں، جن لوگوں کے پاس بھی ہم مشکلات کے حل کے لیے جاتے ہیں وہ بذات خود یہ طاقت نہیں رکھتے کہ ہماری مشکل کو فوراً ختم کر دیں۔ بلکہ مشکل کے حل میں وہ جو بھی تعاون کریں اس میں وہ بھی ہماری طرح اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اسی کی مدد اور محض اسی کی توفیق سے مسائل سدھرتے اور حل ہوتے ہیں، اس لیے ہمارا حق بنتا ہے کہ حقیقی مشکل کشا سے اپنا تعلق مضبوط بنائیں، اس کے باادب بندے بنیں اور اہم مسائل میں بھی دردر کے دھکے

کھانے کی بجائے اپنے خالق ومالک سے مسئلوں کا حل مانگیں۔ وہ ہر وقت ہر پریشانی کو حل کرنے کی مکمل طاقت وقدرت رکھتا ہے۔

یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لیں ہم مشکلات کا شکار ہی اس وقت ہوتے ہیں جب ہم کام کے شروع میں رب تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں اس سے مشورہ نہیں کرتے، اس سے توفیق نہیں مانگتے بلکہ ظاہری اسباب کو سب کچھ سمجھ کر کام شروع کر دیتے ہیں۔ مسئلہ خیر طلب کرنے کا ہو یا شر کو دفع کرنے کا ہمیشہ اپنے رب سے مشورہ کریں اور مشورہ کا آسان طریقہ دعائے استخارہ ہے اور وہ خود کریں کاروباری مولویوں کی موشگافیوں پر ہی ساری زندگی تباہ نہ کریں، خود بھی کچھ ہمت کریں، اس کے آگے رو کر جھک کر عجز و نیازی کے ساتھ دعائے استخارہ پڑھیں۔ آج کل جگہ جگہ استخارہ کرنے والے جھوٹے سپیشلسٹ بیٹھے ہیں جو نجومیوں اور کاہنوں سے بھی برا کردار ادا کر رہے ہیں یاد رہے کسی اور سے استخارہ کروانا سراسر خلاف سنت ہے۔

نیک عمل سے راہ فرار اختیار نہ کریں بلکہ خود اپنے اللہ کے سامنے اپنا مسئلہ لے کر پیش ہوں آپ کا رب آپ کو محبت ورحم کی نظر سے دیکھے گا اور ہرگز مایوس نہیں کرے گا انشاء اللہ الرحمن خیر ہی خیر ہوگی۔

سوائے اوقات مکروہہ کے آپ دن یا رات کی جس گھڑی چاہیں استخارہ کر سکتے ہیں طریقہ کار حد درجہ آسان ہے دو رکعت نفل طریقہ نبوی کے مطابق حد درجہ خشوع وخضوع سے پڑھیں پھر بعد میں یہ دعا مانگیں:

﴿ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ، وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَأَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ،

وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ ، وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ، اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الأَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِيْ فَاقْدُرْهُ لِيْ، وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ ، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِيْ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ، وَاقْدُرْلِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ، ثُمَّ رَضِّنِيْ بِهِ﴾ [1]

"یاالٰہی......! تحقیق میں (اس کام میں) تجھ سے تیرے علم کی مدد سے خیر مانگتا ہوں اور (حصول خیر کے لیے) تجھ سے تیری قدرت کے ذریعے قدرت مانگتا ہوں اور میں تجھ سے تیرا فضل عظیم مانگتا ہوں، بے شک تو (ہر چیز پر) قادر ہے اور میں (کسی چیز پر) قادر نہیں۔ تو (ہر کام کے انجام کو) جانتا ہے اور میں (کچھ) نہیں جانتا اور تو تمام غیبوں کا جاننے والا ہے۔ الٰہی! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (جس کا میں ارادہ رکھتا ہوں) میرے لیے میرے دین، میری زندگی اور میرے انجام کار کے لحاظ سے بہتر ہے تو اسے میرے لیے مقدر کر دے اور آسان کر دے پھر اس میں میرے لیے برکت پیدا فرما دے اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لیے میرے دین، میری زندگی اور میرے انجام کار کے لحاظ سے برا ہے تو اس (کام) کو مجھ سے اور مجھے اس کام سے

[1] صحیح البخاری: 6382۔1162

پھیر دے اور میرے لیے بھلائی مہیا فرما دے جہاں (کہیں بھی) ہو۔
پھر مجھے اس کے ساتھ راضی کر دے۔"

نبی ﷺ نے فرمایا کہ پھر اپنی حاجت کرو۔

دعا مانگتے وقت ہاتھ اٹھانا ضروری نہیں، نیز اگر دعا زبانی یاد نہ ہو تو کتاب سے دیکھ کر بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

قارئین کرام ......!

کس قدر غافل ہے وہ مسلمان جو اس قدر جامع مسنون کلمات موجود ہونے کے باوجود اپنے رب کے حضور ان کو لے کر پیش نہ ہو۔ اور پھر دو رکعت نفل اور دعا پر تقریباً 10 منٹ خرچ ہوتے ہیں آج کے مسلمان پر یہ دس منٹ تو گراں، بوجھل اور بھاری ہیں بعد میں اگر چہ مسئلہ بگڑنے پر دس سال گزر جائیں۔ وہ برداشت ہے۔

﴿ يَاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝ ﴾ [1]

"اے انسان رب کے معاملہ میں کس چیز نے تجھے دھوکہ میں ڈال دیا ہے۔"

اللہ تعالیٰ بڑے فصیح وبلیغ انداز میں پوچھتے ہیں!

﴿ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ [2]

"بھلا کون ہے جو لاچار کی فریاد رسی کرتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور اس کی تکلیف کو دور کر دیتا ہے اور (کون) تمہیں زمین کے جانشین

---

[1] الانفطار:6

[2] النمل:62

بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے؟ تم لوگ تھوڑا ہی غور کرتے ہو۔''

اور فرمایا میرا در چھوڑ کر جن حجروں، قبروں پر جاتے ہو وہ سارے میرے محتاج ہیں تمہاری طرح وہ بھی اللہ کے منگتے ہیں۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ﴾ [1]

''لوگو! تم سے ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے غور سے سنو۔ جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ اگر سارے بھی اکٹھے ہو جائیں تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو اس سے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ مانگنے والا بھی ناتواں اور جس سے مدد طلب کی جارہی ہے وہ بھی (ایسا ہی) ناتواں ہے۔ ان لوگوں نے اللہ کی قدر پہچانی ہی نہیں جیسا کہ پہچاننا چاہیے تھی۔ اللہ تعالیٰ تو بڑا طاقت ور اور ہر چیز پر غالب ہے۔''

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَاِنْ

---

[1] الحج: 73-74

تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِهَا لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ وَّ لَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَ مَنْ تَزَکّٰی فَاِنَّمَا یَتَزَکّٰی لِنَفْسِهٖ ؕ وَ اِلَی اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۸﴾ [1]

''اے لوگو! تم سارے اس کے در کے منگتے ہو اور وہی غنی، تعریف والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور (تمہاری جگہ) کوئی نئی خلقت لے آئے۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ پر کچھ دشوار نہیں۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کے (گناہوں کا) بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور اگر بوجھ سے لدا ہوا شخص کسی دوسرے کو اٹھانے کے لیے بلائے گا بھی تو کوئی اس کے بوجھ کا کچھ بھی حصہ اٹھانے کو تیار نہ ہوگا اگرچہ وہ اس کا قرابت دار ہی ہو۔ (اے نبی! ﷺ) آپ تو صرف ان لوگوں کو ہی ڈرا سکتے ہیں جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔ اور جو شخص پاکیزگی اختیار کرتا ہے۔ تو وہ اپنے لیے ہی اختیار کرتا ہے اور (سب کو) اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

بصیرت والوں کے لیے یہی ارشاد کافی ہیں۔ پیارے مسلمان بھائیو......! اپنے بڑوں کو دیکھو! تمام انبیاء ورسل علیہم السلام، اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ علیہم ہر مشکل اور آسان گھڑی باوضو ہو کر اسی کے سامنے جھکتے رہے اور لوگوں کو جھکاتے رہے۔ آج انہی کے مشن پر چلنا ہوگا ان شاء اللہ زندگی جنت کا نمونہ پیش کرے گی۔

---

[1] فاطر: 16۔18

3 ......اللہ تبارک وتعالیٰ پر یقین اور اعتماد کرنا سیکھئے۔زندگی میں ہماری ناکامیوں کی سب سے بڑی وجہ ہی یہ ہے کہ ہم دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہیں کرتے۔اللہ تبارک وتعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور صرف دعائیں کرتا رہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی مقصد کے حصول کے لیے اپنی طرف سے پوری کوشش، ہمت اور محنت کرے اور اس کے بعد نتائج کے لیے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے، نیک کوشش اور اچھی دعا کے بعد نتیجہ اپنے رب پر چھوڑ دیں۔وہ جو بھی کرے گا بہتر کرے گا جب آپ کا یہ ذہن بن جائے تو سب پریشانیاں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔

مالی دا کم پانی دینا، تے پر پر مشکاں پاوے
مالک دا کم پھل پھل لانا لاوے یا نہ لاوے

تنہائی میں بیٹھ کر رب تعالیٰ سے مناجات کرتے ہوئے اور رب تعالیٰ کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق کوشش وکاوش کرنے کے بعد جب اسی پر بھروسہ کیا جائے تو فطرتی خوشی محسوس ہوتی ہے بالفرض اگر کوئی کام آپ کے مزاج کے مطابق نہیں ہوا، تو بے ادبی کا مظاہرہ نہ کریں بلکہ اطمینان رکھیں کہ آپ کے معاملہ میں آپ کا رب شریک ہے اور وہ ہر قسم کی غلطی سے پاک ہے اس نے جو کر دیا ہے یہی بہتر تھا رب سے بدگمانی کرنا ہرگز جائز نہیں۔رب والے ہمیشہ رب پر راضی رہتے ہیں۔اور یاد رہے...... ! صرف کوشش پر ہی بھروسہ کرنا یہ شرک ہے۔

حضور ﷺ 313 لے کر بدر میں پہنچے اور جا کر اللہ ہی کو پکارا، اسی کو سجدہ کیا اور فرمایا: اے میرے پروردگار...... ! جو میرے بس میں تھا میں نے کر دیا، اب

اپنے خاص فضل و کرم سے مدد عطا فرما۔

توکل کا یہ مطلب ہے خنجر تیز رکھ اپنا
پھر اس کی تیزی کو مقدر کے حوالے کر

4 ......توکل کے بعد سمجھنے والا سب سے اہم راہنما اصول یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو تیزی، جلدی اور عجلت سے بچائے، اکثر احباب حد درجہ جذباتی اور عجلت پسند ہوتے ہیں ان کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ ہمارے منہ سے نکلی بات اگلی گھڑی پوری ہو جائے شاید وہ سمجھتے ہیں کہ جلدی کرنے سے زیادہ ملے گا اور جلدی نہ کی تو کمی ہوگی اس لیے وہ جلدی جلدی کی رٹ لگاتے ہیں حالانکہ یہ ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا نظام ہے لِكُلِّ شَيْئٍ اَجَلٌ ہر کام اپنے مقررہ وقت پر ہوتا ہے کام کے ہونے کی اجل مقرر ہے وہ جلد بازی کرنے سے پہلے نہیں ہوسکتا، اس لیے آپ کے نصیب کا رزق، علم، فضل، اولاد، اور گھر بار وغیرہ جو کچھ ہے وہ آپ کو اپنے وقت پر مل کر رہے گا اس میں لمحہ بھر کی کمی بیشی نہیں ہوگی، اس لیے اعتدال، صبر اور وقت کا انتظار کرنا چاہیے، خواہ مخواہ کی تیزی، جلدی اور عجلت کو اپنے لیے وبال جان نہ بنائیں اور ضمناً یہ بھی ذہن نشین فرمالیں آپ کو ملنا بھی اتنا ہے جتنا آپ کے نصیب میں ہے اس سے زائد ایک لقمہ نہیں مل سکتا اس لیے اپنی قسمت پر مکمل اعتماد و یقین رکھتے ہوئے علم و عمل میں آگے بڑھیں جو نصیب میں نہیں وہ کبھی نہیں ملے گا۔

نَصِيْبُكَ يُصِيْبُكَ وَلَوْ كَانَ بَيْنَ الْجَبَلَيْنِ
مَالَا نَصِيْبُكَ لَا يُصِيْبُكَ وَلَوْ كَانَ تَحْتَ الشَّفَتَيْنِ

''تیرا حصہ تجھے ضرور ملے گا اگر چہ دو پہاڑوں کے درمیان کیوں نہ ہو جو تیرا حصہ نہیں وہ تجھے کبھی نہیں ملے گا اگر چہ دو ہونٹوں کے نیچے کیوں نہ ہو۔''

رب تعالیٰ سے غافل بن کر اپنی زندگی ضائع نہ کریں وگرنہ روزِ حشر ساری رحمتوں، برکتوں اور نوازشوں سے محروم کر دیے جائیں گے اور یہ صرف آپ ہی کا نقصان ہے حدیث رسول ﷺ کو کامل توجہ سے پڑھیں، سمجھیں اور مکمل بھروسہ رکھیں:

﴿ اَمْلَأُ قَلْبَكَ غِنًى وَ اَمْلَأُ يَدَيْكَ رِزْقًا يَا ابْنَ آدَمَ لَا تَبَاعَدْنِيْ فَاَمْلَأَ قَلْبَكَ فَقْرًا وَاَمْلَأُ يَدَيْكَ شُغْلًا ﴾ [1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے بلند و بالا پروردگار کہتے ہیں ''اے آدم کے بیٹے! میری عبادت کے لیے فارغ ہو جائیں تیرے دل کو غنیٰ سے اور ہاتھوں کو رزق سے بھر دوں گا۔ اے آدم کے بیٹے! مجھ سے دور نہ جا وگرنہ میں تیرے دل کو محتاجی اور تیرے ہاتھوں کو بے کار کاموں سے بھر دوں گا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کاروبار میں الجھ کر عبادت، نماز سے غافل ہونا خسارے کا سامان ہے اور ایسے شخص کو کبھی خیر نہیں ملتی۔

5 ...... ہماری سعادت مندی و خوش بختی ہے کہ ہمارا خالق و مالک علیم ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم بھی ہے۔ حکمت و دانائی کا سرچشمہ ذات اللہ ہے وہ کوئی فیصلہ حکمت و مصلحت کے خلاف نہیں کرتا۔ جیسے کہ مشہور ہے۔

---

[1] مستدرک حاکم:7996

﴿فِعْلُ الْحَكِيْمِ لَا يَخْلُوْ عَنِ الْحِكْمَةِ﴾

حکیم کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس اصول پر آپ شریعت مطہرہ اور احکام الٰہیہ کا مطالعہ فرمائیں یا صحیفہ فطرت کو ملاحظہ کریں تو آپ کو ذرّے ذرّے اور پتے پتے میں اس کی دانائی نمایاں نظر آئے گی۔

کم عقل لوگ جہالت و نادانی کی بنا پر اعتراضات کرتے رہتے ہیں وگرنہ رب حکیم کا ہر فیصلہ اس کی حکمت کا شاہکار ہوتا ہے۔ آپ اپنے آپ کو اپنے رب سے زیادہ دانا، سمجھ دار اور حکیم نہ سمجھیں، جی ایسے ہونا چاہیے تھا، یہ کیا ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔ اس کی عطا اور عدم عطا دونوں میں حکمت و مصلحت پنہاں ہوتی ہے وہ جس انسان کو جس مقام پر رکھتا ہے ٹھیک رکھتا ہے، ایک دنیا دار غلام کو اپنے آقا پر کس قدر اعتماد ہے اور وہ اپنے دنیاوی آقا کو کس قدر حکمت و مصلحت کا مالک سمجھتا ہے واقعہ سے اندازہ فرمائیں۔

ایک ملازم گزر رہا تھا بدن پر پھٹے پرانے کپڑے تھے، سخت سردی کی وجہ سے وہ کانپ رہا تھا۔ کسی نے اسے کہا! تیرا آقا ایک مالدار آدمی ہے، ہر نعمت وافر مقدار میں اس کے پاس موجود ہے کیا اس کو تیری حالت پر رحم نہیں آتا......؟ غلام اگر ہم جیسا ناشکرا، بے صبرا ہوتا تو فوراً مالک کی خامیاں بیان کرنا شروع کر دیتا، اپنے ترکش سے گلوں شکووں کے تمام تیر پھینکتا اور سسکیاں بھرتے ہوئے آقا کی داستان ظلم سناتا۔ مگر دیندار غلام نے ایسا جواب دیا جو قیامت تک کے تمام مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ ہے وہ کہنے لگا: میرے آقا کو رحم آتا ہے وہ بڑا رحیم و شفیق ہے۔ آدمی نے کہا کبھی تو نے اس سے مطالبہ نہیں کیا کہ میری حالت دیکھو......؟ غلام نے کہا، وہ میرا آقا ہے اور میری ہر ضرورت کو جانتا ہے اور پوری بھی کر سکتا ہے اس سب کچھ کے

باوجود وہ نہیں کرتا تو اس میں بھی کوئی حکمت ومصلحت ضرور ہوگی۔ جسے میں نہیں جانتا، میں تقاضا کیوں کروں......؟ غلام کا یقین بھرا جواب سن کر آدمی نے سوچا ایک دیندار غلام اپنے آقا پر اتنا اعتماد رکھتا ہے۔ ارے انسان تو کتنا جاہل ہے کہ تو اپنے سچے آقا پر اعتماد نہیں کرتا۔

ذرا سا معاملہ خلاف مزاج ہو تو عملاً خود بڑا بنتا ہے اور اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے ہوئے اس کی حکمت ودانائی کا سرے سے انکار ہی کر دیتا ہے اور اپنی یہ غلط روش نہیں چھوڑتا۔ حتی کہ بے ادبی کے عالم میں موت آ دبوچتی ہے۔

اے مسلمان......! اگر تو نے رب تعالیٰ کو بڑا مانا ہے اس کی حکمت ودانائی پر تیرا ایمان ہے تو اس کے ہر فیصلہ کو بڑا اور مبنی بر حکمت سمجھ کر خوش دلی سے قبول کر۔ تاکہ زندگی کی تمام بہاریں حاصل ہوں۔

6 ......اللہ تعالیٰ سے پیار کرنا سیکھیے اپنے دل کو ٹٹولیں کہ کیا واقعی آپ اس سے اتنا پیار کرتے ہیں جتنا کہ اس کا حق ہے؟ پیار کا اولین تقاضا یہ ہے کہ آپ دنیا میں آنے کا مقصد پہچانیں اور اللہ کے شاکر رہیں اس نے آپ کو موقع دیا ہے کہ آپ اس دنیا میں رہ کر خوشیوں اور مسرتوں کو سمیٹیں اور اس کی مکمل اطاعت گزاری اور شکر گزاری کرتے ہوئے ہمیشہ کے گھر جنت میں اعلیٰ مقام حاصل کریں۔

یہ سبھی کچھ تب ہی ممکن ہے جب آپ زندگی کی اوّل ترجیح اللہ تعالیٰ کو بنائیں اس کا کہنا مان کر آپ کو خوشی ہو، اس کا فیصلہ سن کر آپ کا دل مطمئن اور راضی ہو اور اس کا ادب کرتے ہوئے آپ عزت وعظمت محسوس کریں۔ بیان کردہ چھ اصول یقیناً آپ کے لیے توفیق کی راہیں ہموار کریں گے۔ اور آپ کے دل میں ذاتِ الٰہ کی

عظمت پیدا ہوگی اور یہی مقصود زندگی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین ثم آمین!

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ

وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ... آمين

فهرس المصادر والمراجع

۞ **القرآن العظیم :**

من کلام رب العالمین ، نزل بہ الروح ، علی سید المرسلین وامام القبلتین ﷺ

۞ **اخبار اصبہان :**

امام نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی ، طبع فی مدینۃ لبدن المحروسۃ بمطبعۃ بریل 1934ء

۞ **الاداب الشرعیۃ والمنح المرعیۃ**

للامام القدو ، ابن مفلح الحنبلی رحمہ اللہ المتوفی سنۃ 763ھ طبع بمطبعۃ المنار سنۃ 1348 ھ

۞ **احیاء علوم الدین:**

للصوفی الغزالی ، المکتبۃ الشاملۃ الاصدام الثانی

۞ **الاسراء والمعراج و ذکر احادیثھما:**

البانی الطبعۃ الخامسۃ عمان ، اردن، المکتبۃ اسلامیہ

۞ **بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز:**

للإمام مجدالدین محمد بن یعقوب الفیروزآبادی، ولد729 ھ المتوفی 817ھ ، تحقیق الاستاذ عبدالعلیم ، المکتبۃ العلمیۃ ، بیروت لبنان

۞ **الجواب الکافی :**

ابن القیم ، من المکتبۃ الشاملۃ

۞ **تحریم الآت الطرب :**

بقلم الامام المحدث الالبانی رحمہ اللہ تعالیٰ ، دارالصدیق الجبیل ، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ ،طبعۃ 1999ء

❁ تفسير القرآن العظيم:

الامام المفسر المحدث اسماعيل بن عمر الدمشقی ولد 700 ھ وتوفی سنة 774ھ ، تحقيق سامی بن محمد السلامة ، دار طيبه للنشر والتوزيع، الرياض (المملكة السعودية العربيه)

❁ تهذيب التهذيب:

الامام المحدث احمد بن علی العسقلانی ، ولد 773ھ توفی سنة 852ھ، الطبعة الاولیٰ، 1412ھ، مؤسسة الرسالة ، بيروت لبنان

❁ الثقات:

امام محمد بن حبان التميمی، المتوفی سنة 354ھ ، طبع بمساعد وزار المعارف والشؤن الثقافية للمحكومة العالية الهندية الطبعة الاولیٰ 1982م

❁ الثمر المستطاب من فقه السنة ولكتاب:

البانی، غراس للنشر والتوزيع،الطبعة الاولیٰ

❁ جامع الترمذی:

الام المحدث ابوعيسیٰ محمد بن عيسیٰ بن سورة الترمذی ، ولد سنة 209 ھ وتوفی 279 ھ دارالسلام للنشر والتوزيع، الرياض المملكة السعودية العربية

❁ حلية الاولياء وطبقات الاصفياء:

امام ابونعيم احمد بن عبدالله الاصفهانی المتوفی 430ھ دارالكتاب العربی ، بيروت لبنان الطبعة الثانية

❁ الزهد:

امام وكيع بن جراح ولد 129ھ وتوفی 197 ھ المكتبة الشاملة

۞ **الزهد:**

امام هنادبن السرى ولد 152 ھ وتوفى 243ھ المكتبة الشاملة

۞ **الزهد:**

الامام الجليل ابوعبدالله احمد بن حنبل الشيبانى ، ولد 164 ھ وتوفى سنة 241ھ دارالكتب العلمية بيروت ،لبنان

۞ **سيراعلام النبلاء:**

مؤسة الرسالة شمس الدين محمد بن احمد بن عثمان الذهبي748ھ

۞ **السنة مع ظلال الجنة فى تخريج السنة:**

امام ابوبكر عمرو بن ابى عاصم الضحاک، المتوفى 287 ھ بقلم اميرالمومنين فى الحديث الالبانى المكتبة الاسلامى ، الطبقه الاولى

۞ **سلسلة الاحاديث الصحيحة وشئى من فقها وفوائدها:**

للامام المحدث اميرالمومنين فى الحديث، شيخ الاسلام ناصرالدين البانى رحمہ الله ، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع الرياض، المملكة العربية السعودية

۞ **السنن:**

للامام المحدث ابوداود سليمان بن الأشعث السجستانى ، ولد 202ھ وتوفى سنة 275 ھ ، دارالسلام للنشر والتوزيع ، الرياض ، المملكة العربية السعودية

۞ **السنن:**

للام المحدث ابوعبدالرحمن احمد بن شعيب العلوى ولد 215ھ وتوفى سنة303ھ، دارالسلام للنشر والتوزيع، الرياض، المملكة العربية السعودية

۞ **السنن:**

للامام المحدث ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجه القزوینی ، ولد سنة 207ھ المتوفی سنة 273ھ دارالسلام للنشر والتوزیع ، الریاض، المملكة العربیة السعودیة

۞ **السنن:**

للامام المحدث ابوعبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی مات یوم الترویة سنة 255ھ

۞ **السنن الكبریٰ:**

للامام ابوبكر احمد بن الحسین البیہقی، المولود 374ھ المتوفی 458ھ نشرالسنة ،ملتان اسلامی جمہوریہ پاکستان

۞ **شعب الایمان:**

للامام المذكور، الطبعة الاولیٰ سنة 1992م الدار السلفیة الهند

۞ **شرح السنة:**

الامام المحدث الحسین بن سعودی البغوی 435ھ 516ھ المكتب الاسلامی، الطبعة الاولیٰ بیروت ،لبنان

۞ **صحیح ابن خزیمہ:**

امام ابوبكر محمدبن اسحاق بن خزیمہ السلمی، ولد 223ھ وتوفی 311ھ تحقیق الاعظمی ،المكتب الاسلامی

۞ **صحیح بخاری :**

للامام المحدث امیرالمومنین فی الحدیث محمد بن اسماعیل البخاری، ولد194ھ المتوفی256ھ ، دارالسلام للنشر والتوزیع ، الریاض ، المملكة العربیة السعودیة

❁ **صحيح الترغيب والترهيب:**

للشيخ الاسلام ناصرالدين البانى رحمہ الله ، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع ،الرياض،المملكة العربية السعودية

❁ **صحيح الترمذى:**

للامام القدوة ، المحدث الجليل الالبانى رحمہ الله المكتب الاسلامى

❁ **صحيح جامع الصغير:**

للامام الكبير والمحدث الشهير، ناصرالدين البانى ، المكتب الاسلامى الطبعة الثانية 1986ھ

❁ **صحيح مسلم**

للامام الشهير مسلم بن حجاج القشيرى، ولد 204ھ و توفى 261ھ ، دارالسلام النشروالتوزيع الرياض، المملكة العربية السعودية

❁ **صحيح موارد الظمأن الى زوائد ابن حبان:**

للامام المحدث الالبانى رحمہ الله، طبعة دار الصميعى للنشر والتوزيع الرياض، المملكة العربية السعودية

❁ **صفة صلاة النبيﷺ من التكبير الى التسليم:**

امام البانىمكتبہ المعارف للنشر والتوزيع رياض

❁ **صيدالخاطر:**

امام عبدالرحمن بن الجوزى المتوفى 597ھ المكتبة السلفية

❁ **فتاوىٰ رضوية :**

شاہ احمد رضا خان، دارالعلوم امجديہ مكتبہ رضويہ كراچى پاكستان

❁ **الطبقات الكبرىٰ:**

ابن سعد ، دار صادر، دار بیروت 1960م

فقہ السنۃ

الفوائد:

للإمام السلفی ابن قیم الجوزیہ ، دارالکتاب العربی بیروت الطبعة الاولی 1424ھ

كشف الاستار عن زوائد لبزار علی الكتب الستة:

امام نورالدین علی الهیثمی ولد735ھ المتوفی 807 موسسة الرسالة ، بیروت الطبعة الاولیٰ

کشف المحجوب:

شیخ علی بن عثمان ہجویری، اسلامک فاونڈیشن لاہور

مجمع الزوائد:

مكتبة القدس ،القاہرہ

مختصر الشمائل المحمدیہ:

ابوعیسیٰ محمد بن سورۃ الترمذی ، اختصرہ وحققہ الامام البانی المکتبة الاسلامیة ،عمان، اردن

مدارج السالكين بين منازل اياک نعبدو اياك نستعين:

للامام ابن قیم ولد 691ھ توفی 715 الطبعة الثانية دارالكتاب العربی بیروت لبنان

المستدرك على الصحيحين:

للامام ابوعبداللہ بن محمد بن عبداللہ الحاکم النیسا پوری المتوفی 405ھ طبعة جدید مخرجة من دار المعرفة بیروت لبنان الطبعة الثانية 2006م

❁ **المسند:**

للإمام الجليل ، المحدث الكبير احمد بن حنبل رحمہ اللہ

❁ **المصنف:**

امام ابوبکر ابن ابی شیبۃ المتوفی 235 الطبعة الاولیٰ 1983م
الدارالسلفیة ، الهند

❁ **مفتاح دارالسعاد:**

للإمام المحدث السلفی ابن قیم الجوزیہ ، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان

❁ **مکارم اخلاق:**

للإمام الخرائطی ، المکتبة الشاملة

❁ **ملفوظات:**

شاہ احمد رضا خان مشتاق

❁ **موسوعة نضرة النعيم:**

اعداد مجموعہ من المختصین باشراف ، دارالوسیلة جدہ ،المملکة
السعودیة العربیة
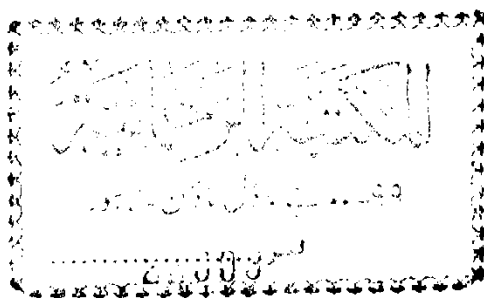
مصنف کی دیگر تصانیف

گھر برباد کیوں ہوتے ہیں؟	خواتین کے لیے حدیث کی کتاب
کیا ہم اللہ کا ادب کرتے ہیں؟	رحمت کے فرشتے آپ کے پاس
وہ ہم میں سے نہیں	گالی ایک سنگین جرم
اللہ اور رسول ﷺ کی لعنت پانے والے	نرمی
مسنون رکعاتِ تراویح	شان حسن وحسین رضی اللہ عنہما
آپ پر سلامتی ہو	طلاقیں کیوں ہوتی ہیں؟
خوشبوئے خطابت	منہاج الخطیب
مصباح الخطیب	حصن الخطیب
ترجمان الخطیب	بستان الخطیب
میزان الخطیب	معراج الخطیب
ذکرِ الٰہی سے معرفتِ الٰہی تک	معجم اصطلاحات الاحادیث النبویۃ

مصنف کی تمام کتب غیر ثابت روایات سے پاک ہوتی ہیں۔ بتوفیق اللہ